آنحضرت ﷺ کی عائلی زندگی

ابوانس
اُمّ انس

2021ء

انتساب

امت مسلمہ کے تمام مردوں اور عورتوں کے نام

خَیْرُکُمْ خَیْرُکُمْ لِاَھْلِہٖ وَاَنَا خَیْرٌ لِاَھْلِیْ۔

''تم میں سے بہترین وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے حق میں بہتر ہے اور میں تم سب سے زیادہ اپنے اہل خانہ کے حق میں بہتر ہوں۔'' (ترمذی)

فہرست

ابواب	عنوان	صفحات
حرفِ چند		
	سیّدابوالاعلیٰ مودودیؒ	7
پیش لفظ		
	پروفیسر ثریا بتول علوی	9
آغازِ سخن		19
بابِ اول:		
	اسلام میں عائلی زندگی کی اہمیت	32
بابِ دوم:		
	موجودہ زمانے میں مسلمان خواتین کی حالت زار	49
بابِ سوم:		
	عالم عرب تاریخی اور جغرافیائی حالات	68
بابِ چہارم:		
	ولادت باسعادت	87

باب پنجم:

رسول اللہ ﷺ کی عائلی زندگی 131

باب ششم:

رسول اللہ ﷺ کی شخصیت کے چند درخشاں پہلو 206

باب ہفتم

مسلمانوں کی عائلی زندگی: اسوۂ رسول ﷺ کی عمومی راہ نمائی 234

باب ہشتم:

تجھے اے زندگی لاؤں کہاں سے! 262

حوالہ جات

اردو 267

انگریزی 271

حرفِ چند
از
سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ علیہ

’’......انسان کو نعمتِ اسلام میسر آنے کے وہی دو ذرائع ہیں جو اول سے چلے آ رہے ہیں، ایک خدا کا کلام جو اب صرف قرآن پاک کی صورت میں مل سکتا ہے، دوسرے اسوۂ نبوت جو اب صرف محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرتِ پاک ہی میں محفوظ ہے۔ ہمیشہ کی طرح آج بھی اسلام کا صحیح فہم انسان کو اگر ہو سکتا ہے تو اس کی صورت صرف یہ ہے کہ وہ قرآن کو محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اور محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قرآن سے سمجھے۔ ان دونوں کو ایک دوسرے کی مدد سے جس نے سمجھ لیا اس نے اسلام کو سمجھا ورنہ فہم دین سے بھی محروم رہا اور نتیجۃً ہدایت سے بھی......‘‘

محسن انسانیت
از: نعیم صدیقی ۱۹۷۸ء

وَاِذَا نَظَرْتُ اِلٰی اَسِرَّۃِ وجْھِہٖ
بَرَقَتْ کَبَرْقِ العَارِضِ المُتَھَلَّلِ
(ابوکبیر ہذلی)

''جب میں نے اس کے روئے تاباں پر نگاہ ڈالی تو اس کی شانِ رخشندگی ایسی تھی جیسے کہ لکۂ ابر میں بجلی کوندرہی ہو——''
رنگِ تغزل سے مملو یہ شعر دورِ جاہلیت کے ایک مشہور شاعر ہذلی کا کہا ہوا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بے تکلفی کے ایک موقع پر بڑے لطیف انداز سے حضور ﷺ کو اس کا مصداق ٹھہرایا!

پیش لفظ

رسول اللہ ﷺ کی عائلی (ازدواجی) زندگی

الحمدللہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علیٰ رسولہ الکریم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وازواجہ واصحابہ وسلم کی سیرت ایک ایسا گلستان سدا بہار ہے۔ جس سے دنیا کا ہر شخص اپنے ظرف و ہمت کے مطابق استفادہ کر سکتا ہے۔ آپ ﷺ کی سیرت کو اگر ہمیں مجموعی حیثیت سے بیان کرنا ہو تو پھر ہمیں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے فرمان سے ہمنوا ہو کر اپنے دل و جان سے یہ اقرار کرنا پڑتا ہے کہ آپ ﷺ کا خلق مبارک، آپ ﷺ کی سیرت طیبہ تو چلتا پھرتا قرآن پاک تھا۔ **(کَانَ خُلُقُہُ الْقرآن)**

آپ ﷺ کی سیرت مبارک کے بارے میں زیادہ سے زیادہ جاننا ہمارے لیے باعث ہدایت ہے۔ اس کی اتباع کرنا، پھر آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ پر عمل پیرا ہونا ہمارے لیے باعث فوز و سعادت ہے۔ یہ دونوں جہانوں کی فلاح و کامیابی کا ضامن ہے۔ اسی کی اتباع سے ہماری دنیاوی زندگی سنورتی ہے۔ دنیا میں امن و امان قائم ہوتا ہے۔ اخوت اور مروّت ہمدردی اور رواداری پھلتی پھولتی ہے۔

دین اسلام تمام بنی نوع اسلام کو دعوت دیتا ہے کہ اگر تم دنیا میں مستقل طور پر امن و امان قائم کرنا چاہتے ہو تو پھر توحید و رسالت پر ایمان لاؤ، قرآن پاک اور سنت نبوی کو حرزِ جان بناؤ تو تمہارے اپنے گھروں میں بہار آئے گی۔ معاشرے میں خوشگواری اور استحکام پیدا ہوگا۔ اسی سے پوری دنیا میں اخوت اور بھائی چارے کا ماحول عام ہوگا۔ اور مستقل طور پر جنگ وجدل اور قتل و غارت گری کا دروازہ بند ہوگا۔

پھر آپ ﷺ کی سیرت مبارکہ کے بارے میں لکھنا بھی تو قسمت والوں کو نصیحت

ہوتا ہے۔ خود اللہ رب العزت نے قرآن پاک میں آپ ﷺ کی ثنا مختلف انداز میں بیان کی ہے۔ **وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ** فرما کر آپ کی شان کو بہت بلند کر دیا ہے۔

آپ کی سیرت مبارکہ پر لکھنے والوں میں بزرگ صحابہ کرام بھی شامل تھے۔ بڑے بڑے علماء بھی اور بڑے بڑے ادیب و شاعر بھی غرض ہر ایک نے اپنی اپنی بساط کے مطابق، اپنی اپنی ہمت و استطاعت کے مطابق لکھا۔ لکھنے والوں میں مسلمان بھی تھے اور غیر مسلم بھی۔ نبی کریم ﷺ کی سیرت کے ہر گوشے اور ہر پہلو پر لکھا گیا۔ اب اس طرح لکھنے والوں نے خوب خوب دادِ شجاعت دی۔

نبی کریم، رسول اکرم، احمد مجتبیٰ، محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات گرامی قدر پر لکھنے والوں میں ہمارے موصوف ڈاکٹر محمد آفتاب خاں صاحب اور ان کی اہلیہ بھی شامل ہیں، جنہوں نے سرورِ کونین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عائلی زندگی کے گلستانِ سدا بہار کے مختلف خوبصورت گلدستے بنا کر اپنے قارئین کی خدمت میں پیش کر دیئے ہیں۔

ڈاکٹر آفتاب صاحب بنیادی طور پر ڈاکٹر آف ویٹرنری سائنسز ہیں وہ زرعی یونیورسٹی فیصل آباد میں 25 سال تک پڑھاتے رہے۔ وہیں سے ریٹائر ہوئے۔ انہوں نے ویٹرنری سائنسز میں کئی کتابیں تصنیف کیں۔ جو اپنے قارئین سے دادِ تحسین وصول کر چکی ہیں۔ چونکہ ڈاکٹر صاحب کا تعلق ایک علمی خاندان سے ہے، اس لیے بچپن سے ان کو علم و ادب سے اور خصوصاً قرآن وسنت سے گہرا لگاؤ تھا۔ اس لیے ملازمت سے فرصت کے لمحات ملتے ہی ان کا قلم دینی کتب کی تصنیف و تالیف پر مائل ہو گیا۔ وہ اپنی کتابوں کے درمیان قرآن پاک و احادیث مبارکہ کے بنیادی حوالے دیتے ہیں۔ ساتھ ہی ہر موقع پر فارسی اور اُردو کے برمحل اشعار بھی دیتے جاتے ہیں۔ ان کی نئی کتاب کا نام ''آنحضرت ﷺ کی عائلی زندگی'' ہے جس کے 264 صفحات اور آٹھ ابواب ہیں۔

آج کل اسلام کے خاندانی نظام پر دشمنوں کے تابڑ توڑ حملے جاری ہیں۔ خود مغرب میں چونکہ ان کا خاندانی نظام تباہ ہو چکا ہے۔ وہاں موجود حالات اتنے ابتر ہیں کہ بے شمار

لوگوں کو اپنے اصل باپوں کے نام کا پتہ ہی نہیں۔ یہ لاولد بچے شتر بے مہار کی طرح پل رہے ہیں۔ ماں باپ کی شفقت سے محروم، بھائی بہنوں سے محروم، نانا، دادا سے ناواقف، چچا، ماموں، پھوپھی اور خالہ کے میٹھے رشتوں کی شیرینی سے ناواقف، منشیات اور شراب کے زیر سایہ پلنے والے، گرل فرینڈز اور بوائے فرینڈز کے اوپر جانیں دینے والے۔

ان بچوں کا وارث کون ہے؟ اگلی نسل کیسی شتر بے مہار ہے۔ نہ ان کو دین و مذہب کی رہنمائی، نہ والدین کی شفقت بھری ہدایات۔ بس تاریکی سی تاریکی ہے۔

بقول ڈاکٹر صاحب:

''اب ائمہ کفر کی یہ پوری کوشش ہے کہ مسلمانوں کا بھی عائلی نظام بگاڑ دیا جائے۔ جن ماؤں کی گودوں میں پلنے والی نسلیں ایک طرف جذبۂ جہاد سے سرشار ہوں، دوسری طرف ناموسِ رسالت پر اپنی جانیں نثار کرنے کو اپنی دین و دنیا کی کامیابی گردانتے ہوں، ان گودوں کو اجاڑ دیا جائے۔'' (کتاب ہذا)

خود برصغیر پاک و ہند میں ہزار سال ہندوؤں کے ساتھ رہنے کی وجہ سے مسلمان گھرانوں میں ہندوستانی رسوم و رواج رچ بس گئی ہیں۔ جس کی وجہ سے ہماری خواتین پسماندگی کی زندگی گزار رہی ہیں۔ دوسری طرف ہمارے گھرانوں میں بچوں کی تربیت اس انداز سے نہیں ہو رہی جو اسلام کے شایانِ شان تھی۔ ان کو ان کی جوانی کے بارے میں کوئی رہنمائی نہیں دی جاتی۔ نہ باپ بچوں کو جنسی مسائل سے آگاہ کرتا ہے۔ نہ ماں کچھ بتاتی ہے۔ نتیجتاً وہ سوشل میڈیا سے غلط قسم کی رہنمائی لے کر برباد ہو رہے ہیں۔

ہماری خواتین کی حالتِ زار کچھ اس طرح کی ہے کہ مرد گھر میں تھانیدار بنا رہتا ہے۔ شوہر، بلکہ سسرال کا پورا خاندان اپنی بہو میں ہزار خوبیاں ہونے کے باوجود، اس کی تعریف کرنے میں انتہائی بخیل واقع ہوتے ہیں۔ بیوی کو ہر وقت محتاط رہنا پڑتا ہے، کوئی ایسی بات نہ ہو جائے، جس سے میری یا بچوں کی شامت آ جائے۔ بچے بھی باپ کی محبت کو ترستے رہتے ہیں بیوی بھی شوہر کی طرف سے کوئی تعریف یا حوصلہ افزائی کا جملہ سننے کو بے تاب

رہتی ہے۔اس کے سر پر تو ہر وقت ایک تلوار لٹکتی رہتی ہے۔کہ تم میری فرمانبردار نہیں ہو،تم تو جنت جا ہی نہیں سکتی۔مزید غصہ آئے تو طلاق کی دھمکیاں ملنا شروع ہو جاتی ہیں۔

ان باتوں پر راقمہ کا تبصرہ تو ایک ہی ہے کہ جنت کے سرٹیفکیٹ شوہر کے ہاتھ میں نہیں ہیں۔اگر بیوی اپنی ہمت اور استطاعت کے مطابق شوہر کی وفادار اور فرمانبردار ہے۔تو پھر فکر نہ کریں جنت اللہ رب العزت کے ہاتھ میں ہے۔وہ ہر کسی کے خلوصِ نیت اور عمل صالح کو دیکھتا ہے۔مرد عورت کے لیے قوام ہے/محافظ ہے/سرپرست ہے۔نگران ہے مگر اس کا حاکم اور تھانیدار نہیں۔جو شوہر ہر وقت بیوی کو اپنی جوتی کی نوک پر رکھتا ہے۔اس کی ناقدری اور حق تلفی کرتا رہتا ہے،تو اسے اللہ کے ہاں اسے سزا بھگتنا پڑے گی،الّا یہ کہ اس کی بیوی خود اس کو معاف کر دے۔اسلام کی تو یہ تربیت ہے کہ فریقین یعنی میاں بیوی میں سے ہر ایک کو اپنے اپنے فرائض ادا کرتے رہنا چاہیے۔اور اپنے حقوق میں جو کچھ کمی رہ جائے، اس کی تلافی کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا بھی کرے اور ساتھ ہی صبر و حوصلہ سے کام لے۔ ان شاءاللہ،اس کے سارے کام باری تعالیٰ کی معاونت سے صحیح اور آسان ہو جائیں گے۔

عربی کا لفظ ''عائلہ'' سے مراد پورا کنبہ ہے۔خاندان یا گھرانہ عام طور پر میاں بیوی، بچے، پوتے، نواسے، خادم پر مشتمل ہوتا ہے۔کبھی کبھی اس میں بزرگ والدین بھی شامل ہوتے ہیں۔کسی بھی خاندان کا آغاز میاں بیوی سے ہوتا ہے۔نکاح کے ذریعے سے امت مسلمہ کے ایک نئے گھرانے کا آغاز ہوتا ہے۔پھر آگے بچوں کی پیدائش/پرورش اور تعلیم و تربیت کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ خاندان بڑھتا جاتا ہے۔

بعینہٖ یہی معاملہ خاندانِ نبوت کا بھی تھا۔آپ کے خاندان میں آپ کی ازواجِ مطہرات،اپنے بچے، پھر داماد اور نواسے نواسیوں پر مشتمل تھا اور یہاں خادم بھی موجود تھے۔

نبی پاک ﷺ کے حرم مبارک میں گیارہ ازواجِ مطہرات شامل تھیں۔ان میں سے دو تو آنحضور ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں ہی انتقال فرما گئیں۔یعنی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور حضرت زینب خزیمہ رضی اللہ عنہا اس طرح ایک وقت میں آپ کے حرم میں نو ازواجِ

مطہرات موجود تھیں۔ ان میں سرداران قبیلہ کی نازک اندام شہزادیاں بھی موجود تھیں۔ آپ کے اصحاب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بیٹیاں بھی شامل تھیں۔ ان میں بیوائیں بھی تھیں اور مطلقہ خواتین بھی تھیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان میں سے واحد کنواری بیوی تھیں پھر ان میں مزاج کی تیز خواتین بھی موجود تھیں اور شیریں زبان بھی۔ اس مبارک گھرانے کا اصل عنوان تقویٰ، سادگی، خلوص ومحبت اور صاف گوئی تھا۔ دلوں میں کوئی رنجش اور کدورت نہ تھی۔ بلکہ شگفتگی اور خوش گواری اس گھرانے کا اصل جوہر تھا۔

رسولِ پاک ﷺ کا اپنا فرمان مبارک ہے:

خَيْرُكُمْ خيركُمْ لِاَهْلِهٖ وَاَنَا خَيْرٌ لِاَهْلِي

''تم میں سے بہترین وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے حق میں بہتر ہے اور میں تم سب سے زیادہ اپنے اہل خانہ کے حق میں بہتر ہوں۔'' (ترمذی)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک بار پوچھا گیا گھر میں آپ ﷺ کی مصروفیات کیا ہوتی تھیں جواب دیا آپ ﷺ گھریلو کاموں میں مشغول رہتے تھے۔ وہ کپڑوں کی دیکھ بھال کر لیتے۔ بکری کا دودھ دھو لیتے، جانوروں کو چارہ ڈالتے۔ مگر جب نماز کا وقت آتا تو سب کام چھوڑ چھاڑ کر نماز کے لیے نکل جاتے۔

ازواجِ مطہرات سے آپ ﷺ کا حسن سلوک:

قرآن پاک میں ارشاد ربانی ہے:

عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ

''اپنی بیویوں کے ساتھ حسن سلوک کرو۔'' (النساء:۹)

اور نبی رحمت اس آیت کی مجسم تفسیر تھے۔ مزاج مبارک میں بڑی شگفتگی تھی۔ آپ ﷺ کی عائلی زندگی جنت کا نمونہ تھی۔ فریضہ نبوت کی گرنبار ذمہ داریاں ایک طرف آپ کو بہت پریشان کر دیتی تھیں۔ کہ ساری دنیا تک یہ پیغام میں کس طرح پہنچا سکوں گا؟

تو دوسری طرف اہل خانہ کے لیے دیدہ ودل فرشِ راہ تھے۔حضرت خدیجہ آپ کی پہلی بیوی تھیں۔عمر میں پندرہ سال بڑی تھیں۔عمر کے اس فرق کے باوجود زوجین میں بڑی ہم آہنگی تھی۔پچیس سالہ رفاقت کے دوران کبھی ان میں شکررنجی نہ ہوئی۔کبھی شکوہ نہیں ہوا۔ حضرت خدیجہ کی موجودگی میں آپ ﷺ نے کوئی دوسری شادی نہ کی۔ان کی وفات سے آپ ﷺ کو شدید حزن وملال ہوا۔ان کی وفات والے سال کو آپ ''عام الحزن'' فرمایا کرتے تھے۔

ان کی وفات کے بعد آپ ﷺ ان کو ہمیشہ محبت بھرے انداز میں یاد فرمایا کرتے تھے۔ان کے ذکر پر اکثر آبدیدہ ہو جاتے۔ان کی بہن ہالہ جب آتیں بڑی محبت سے انہیں ملتے تھے۔ ان کی سہیلیوں کے ہاں تحفے تحائف بھجوایا کرتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک دفعہ آپ ﷺ کی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے محبت دیکھ کر عرض کیا۔ مجھے کسی عورت پر کبھی اتنا رشک نہیں ہوا جتنا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا پر اس کی وجہ نبی پاک ﷺ نے یہ بتائی ''جب لوگوں نے میری تکذیب کی تو انہوں نے میری تصدیق کی، جب لوگوں نے کفر کی روش اختیار کی۔تو وہ اسلام لائیں، جب میرا کوئی مددگار نہ تھا۔تو انہوں نے ل وجان سے میری مدد کی، اور پھر میری اولاد بھی انہی کے بطن سے تھی۔(صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(اور یہ حقیقت ہے کہ اہل خانہ کے تعاون سے انسان بڑے بڑے کارنامے انجام دے لیتے ہیں، مگر جب گھر والیاں گھروں میں نہ رہیں یا بھرپور اعتماد نہ دیں تو بڑے بڑے مردمیدان بھی ہار جاتے ہیں وہ پریشانی ومایوسی کا شکار ہو کر رہ جاتے ہیں)

نبی کریم ﷺ کا ذوق کتنا لطیف تھا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے معاملے میں۔ ابوالعاص غزوہ بدر کے قیدیوں میں شامل ہیں۔انہوں نے عام قیدیوں کی طرح زرفدیہ ادا کرنا ہے تو مکہ سے ان کی زوجہ محترمہ حضرت زینب بنت محمد ﷺ ایک سونے کا ہار بھیج دیتی ہیں۔حضور کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔تو نبی کریم ﷺ اس کو دیکھ کر آبدیدہ ہو جاتے

ہیں'' یہ تو خدیجہ کا ہار ہے'' نبی پاک ﷺ وہ ہار واپس کر دیتے ہیں۔ اور ابوالعاص (اپنے داماد، زینب کے شوہر) کا زرتعاون یہ مقرر کرتے ہیں کہ وہ مکہ واپس جا کر حضرت زینب کو مدینہ بھجوا دیں۔ انہوں نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ اور حضرت زینب کو مدینہ بھیجنے کا بندوبست کیا۔

میں سوچتی ہوں کہ میں ایک عورت ہونے کے باوجود اپنے پندرہ بیس سال پہلے کے زیور کا ڈیزائن یاد نہیں رکھ سکی۔ کیا ذوقِ لطیف پایا تھا پیارے رسول نے، کہ نبوت کی گرانبار ذمہ داریوں کے باوجود اپنی بیوی کا سولہ سترہ سال پہلے والے زیور کو ایک نظر میں پہچان لیا!

☆ ایک دفعہ آپ کے خادم کسی ام المومنین کو اونٹ پر سوار کر کے کہیں لے جا رہے تھے تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: **رِفْقًا بِالْقَوارِيْرِ** یہ نازک آبگینے ہیں۔ لہٰذا اونٹ کو نرمی سے چلاؤ۔

☆ نبی رحمت ﷺ عورت کے مزاج اور فطرت کے خوب شناسا تھے۔ اپنی ازواج سے عدل اور مساوات کا سلوک کرتے۔ اگر ان میں کبھی بتقاضائے بشریت کسی رقابت کا اظہار ہو جاتا تو حسن تدبیر سے حل کروا دیا کرتے۔ آپ ﷺ کا معمول یہ تھا کہ روزانہ نماز عصر کے بعد اپنی تمام ازواج کے گھر باری باری تشریف لے جاتے۔ ان کی خیریت دریافت فرماتے اور ان کے مسائل حل فرماتے تھے۔ بہرحال آپ کسی وقت بھی گھر کی فضا کو بوجھل نہ ہونے دیتے بلکہ ازواج سے ہلکی پھلکی تفریح بھی فرمالیا کرتے، ہنسی کھیل بھی کر لیا کرتے۔ خصوصاً حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے وہ سب میں سے چھوٹی تھیں۔ مگر ذہین تھیں اور سب سے زیادہ معاملہ فہم تھیں۔

آپ ﷺ کا فرمان مبارک ہے کہ:

''کوئی مومن شخص اپنی مومن (بیوی) سے بغض نہ رکھے۔ اگر اس کو اس کی ایک عادت ناپسند ہے تو اس کی کسی دوسری عادت کو وہ پسند بھی تو کرتا ہوگا۔'' (صحیح مسلم)

اگر چہ یہ تبصرہ طویل ہوتا جا رہا ہے اور میں مصنف اور قارئین کے درمیان حائل نہیں ہونا چاہتی۔مگر پھر بھی ایک ایک واقعہ رہ رہ کر میرا دامن پکڑ رہا ہے۔اور مجھے اسے بیان کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ ہوا کچھ یوں کہ نبی رحمت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں تشریف فرما تھے کہ ایک خادم ام المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے گھر سے کھانے کا کوئی پیالہ لایا جو انہوں نے حضور پاک ﷺ کے لیے بھیجا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ہاتھ مار کر اس پیالے کو نیچے گرا دیا۔

نبی کریم ﷺ یہ دیکھ کر گویا ہوئے۔اے عائشہ! یہ کھانا زمین سے اٹھاؤ اور اس کو دوسرے برتن میں ڈال لو۔اب ایک نیا پیالہ خرید کر ان کو واپس بھیجنا۔دوسری طرف خادم کو فرمایا:''تمہاری والدہ کو غیرت آ گئی تھی۔اس لیے انہوں نے ایسا کیا ہے۔تم جا کر یہ بات صفیہ رضی اللہ عنہا کو مت بتانا۔''

عورتوں کے جذبات کی کس قدر صحیح تعبیر اور تشخیص۔مگر ساتھ یہ بات بھی تھی کہ آپ ﷺ ان کی تربیت کا کوئی موقع بھی ہاتھ سے نہ جانے دیتے۔ مثلاً حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک بار حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں کہہ دیا کہ:''ان کا قد چھوٹا ہے۔'' آپ ﷺ نے یہ سن کر فرمایا:''عائشہ! تم نے ایسی بات کہہ دی ہے کہ اگر اس کو سمندر کے پانی میں ڈال دیا جائے تو وہ سارا کڑوا ہو جائے۔''

اور میں یہ واقعہ بھی بیان کیے بغیر نہیں رہ سکتی۔کیونکہ یہی تو وہ باتیں ہیں جو خواتین کی طبع، نازک کو بہت اپیل کرتی ہیں۔

عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں رسول اللہ ﷺ نے مجھے (مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:
''بلاشبہ مجھے علم ہے، جب تم مجھ سے خوش ہوتی ہو اور جب تم مجھ سے ناراض ہوتی ہو۔''
میں نے عرض کیا، آپ ﷺ کیسے پہچان لیتے ہیں؟ آپ ﷺ نے جواب دیا''جب تو مجھ پر خوش ہوتی ہے تو (گفتگو کے دوران) تو کہتی ہے''نہیں محمد کے رب کی قسم''، اور جب تو مجھ پر ناراض ہوتی ہے تو (دوران گفتگو تو کہتی ہے''نہیں! ابراہیم کے رب کی قسم''،

عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے کہا: ''اللہ کی قسم یا رسول اللہ آپ درست فرماتے ہیں۔ لیکن میں صرف آپ ﷺ ہی کا نام تو چھوڑتی ہوں۔'' (صحیح مسلم و صحیح بخاری)

مگر یہ صرف پیار اور محبت و مودت ہی کے مسائل نہیں ہیں۔ آپ ساتھ ساتھ خواتین کے فرائض بھی ان کو احسن انداز میں یاد دلاتے ہیں۔ مثلاً آپ ﷺ کا ایک فرمان مبارک:

''ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا، کون سی عورت بہت ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ عورت جو اپنے خاوند کو خوش کرے جب وہ اس کی جانب نظر اٹھائے، اس کے حکم کی اطاعت کرے جب وہ اس کو (شریعت کے مطابق) حکم دے اور اپنے وجود اور خاوند کے مال میں خاوند کی مرضی کے خلاف وہ کام نہ کرے جو اس کے خاوند کو ناپسند ہو۔ (نسائی، بیہقی فی شعب الایمان)

حقیقت یہ ہے کہ ڈاکٹر آفتاب صاحب نے اس موضوع پر خوب لکھا ہے:

''پیرایہ بیان بھی بہت اچھا ہے، ہمارے صالح مردوں تک یہ بات ضرور پہنچتی رہنی چاہیے کہ وہ گھر کی فضا کو گھٹن اور بوجھل پن کا شکار نہ ہونے دیں۔ بلکہ اسوۂ حسنہ کی پیریو کرتے ہوئے سنت پر عمل پیرا ہونے کا ثواب بھی لیں۔ اور بیوی سے موافقت کر کے گھر کی فضا کو بھی جنت بنالیں۔ ڈاکٹر صاحب نے ساتھ ساتھ جگہ جگہ درمیان میں ہمارے ہاں کے غلط رسوم و رواج پر بھی تبصرہ کر کے اصلاح کی کوشش کی ہے۔ مثلاً جہیز/حق مہر/ رشتہ کرتے وقت خواہ مخواہ کے خود پیدا کردہ مسائل اور مسرفانہ اخراجات وغیرہ۔ پھر واقعہ افک سے حاصل کردہ سبق کا بھی ذکر کر کے بے حیائی کی اشاعت سے منع کیا گیا ہے۔

کتاب لکھتے وقت ان کے جذبات میں عقیدت و محبت، قلم کی روانی، بیان کی سلاست ادب کی چاشنی اور وسعت معلومات سب کچھ اس میں موجود ہے۔ مگر پیارے رسول کی دلکش اور من موہنی تصویر کھینچنے کا جذبہ سب پر حاوی ہے۔ ساتھ ہی انہوں نے اپنے پیغام کا ذاتی نمونہ بھی پیش کر دیا ہے کہ زیر بحث کتاب کی تحریر، تصنیف اور پروف ریڈنگ، گیٹ اپ غرض ہر مرحلے پر میں اپنی اہلیہ کو ہر جگہ شامل رکھا ہے۔

محترم جناب ڈاکٹر صاحب اوران کی اہلیہ نے آپ کے لیے جو عظیم تحفہ کتاب کی شکل میں پیش کر دیا ہے، خود پڑھیں۔ دوسروں کو پڑھائیں۔ اسے حرز جاں بنائیں، خود اس پر عمل کریں۔ اور اسوۂ حسنہ پر عمل پیرا ہونے کا ثواب بھی حاصل کریں۔ اپنے گھروں کے ماحول خوشگوار بنائیں۔ اپنے بچوں سے دوستی پیدا کریں۔ ان کے احساسات اور جذبات کو سمجھیں۔ اور جونہی سمجھیں کہ بچوں کا معاملہ کہیں گڑبڑ ہو رہا ہے۔ اس کی شادی کر دیں۔ مگر یہ ساری تعلیم دے کر، ذمہ داریاں سمجھا کر۔ اللہ تعالیٰ ہماری کوششوں میں برکت ڈالے اور ان کو ہمارے لیے صدقہ جاریہ بنائے۔

دین و دنیا کے لیے دعاؤں کی درخواست کے ساتھ۔

خاکسار

ثریا بتول علوی

۱۹/ ربیع الاوّل ۱۴۴۲ھ

۶ نومبر ۲۰۲۰ بروز جمعۃ المبارک

آغازِ سخن

کس بیم و رجا کے عالم میں طیبہ کی زیارت ہوتی ہے
اک سمت محبت ہوتی ہے، اک سمت شریعت ہوتی ہے
(ماہرالقادری)

سیرت طیبہ ﷺ، ایک ایسا موضوع ہے جس پر بہت احتیاط کے ساتھ قلم اٹھانے کی ضرورت ہے۔ جذبات محبت کو جادۂ شریعت کی حدود میں رکھنے کی کوشش کرنے سے دلی جذبات کا اظہار نہیں ہو پاتا اور شریعت کی حدود و قیود کا بدرجۂ اتم خیال رکھنے سے یہ موضوع اس قدر احتیاط کا طالب ہوتا ہے کہ رہوارِ قلم رک رک جاتا ہے۔

ادب گاہیت، زیر آسماں ز عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید، جنیدؒ و بایزیدؒ اینجاست!

جس بارگاہ میں سانسوں کا زیر و بم بھی احتیاط کا طالب ہوتا ہے، وہاں قلم کی ایک معمولی لغزش بھی گناہِ عظیم سے کم نہیں۔ تاہم گذشتہ چودہ صدیوں سے سیرتِ طیبہ ﷺ پر قلم اٹھانے والوں کی کمی نہیں رہی۔ جس ذات ﷺ کی تعریف و توصیف خود خالق کائنات نے کی، اس سے تقویت پا کر بعثتِ نبوی ﷺ سے لے کر آج تک نہ معلوم کتنے عشاق نے اس باسعادت مضمون کو اپنا موضوعِ سخن بنایا ہوگا۔ دنیا کے مختلف خطوں، زمانوں، زبانوں اور فکر و عمل سے بہرہ ور ان گنت خوش نصیب ہوں گے جنہوں نے اس چشمۂ صافی سے اپنے جسم و جاں کو اُجلا کیا ہوگا۔ زمان و مکاں سے ماوراء امتِ محمدیہ ﷺ کی چودہ سو سالہ تاریخ، نبی اکرم ﷺ سے مسلمانوں ــــــ بلکہ غیر مسلموں کی بھی محبت اور قلبی و ذہنی اور روحانی وابستگی کی تاریخ ہے۔ اس ربط و تعلق کا اظہار مختلف انداز سے ہوتا رہا

ہے اگر چہ اظہار کے پیرائے مختلف ہیں لیکن ان سب کا محرک آپ ﷺ کی ذاتِ گرامی سے محبت ہی رہا ہے۔ ادب کی کون سی صنف ہے جسے آپ ﷺ کی تعریف وتوصیف اور اسوۂ حسنہ کے بیان کے لئے استعمال نہیں کیا گیا!

قرآن کریم کی آیات سے لے کر اس سلسلے کا آغاز نعت گوئی کی صورت میں ہوا اور حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو ثنا خوانِ محمد ﷺ میں اولیت کا شرف حاصل ہوا۔ پھر اسی صف میں شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ، امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ، مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ و دیگر اصحابِ علم شامل ہیں۔ اس سلسلۃ الذہب کی ایک طویل قطار میں عرب و ایران نیز ہند و پاکستان کے نامی گرامی شعراء اور ادیب بھی کھڑے نظر آتے ہیں۔ ماضی قریب میں مولانا حالی، ظفر علی خاں، علامہ اقبال، ماہر القادری، نعیم صدیقی اور دیگر بے شمار عشاقانِ نبی ﷺ کا ایک گروہِ انبوہ ہے جو حضور ﷺ کی مدحت اور شان میں اپنے اپنے طور پر گلہائے عقیدت نچھاور کرتے نظر آتے ہیں۔

قرآن کریم میں سیرتِ طیبہ ﷺ کے متعدد پہلوؤں کو جس قدر واضح انداز میں پیش کیا گیا ہے اس کو دیکھتے ہوئے شاید یہ کہنا غلط نہ ہو کہ اگر علیحدہ سے سیرت پر کوئی کتاب موجود نہ بھی ہوتی تو صرف قرآن کی مدد سے ہی سیرت پر ایک گلدستۂ اسوۂ حسنہ تیار کرنا چنداں مشکل نہ تھا۔ اسی طرح کتب احادیث میں بھی اللہ کے رسول ﷺ کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔ بقول پروفیسر عبدالرحمن عبد "سیرت کے کتنے ہی مختلف النوع پہلو ہیں۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ سیرت تو گلستانِ ہزار رنگ و بو ہے" انہوں نے متعدد کتب سیرت کے نہایت مستند حوالے اپنی کتاب میں درج کیے ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس موضوع پر کس قدر علمی کام ہو چکا ہے۔

تاریخی طور پر سیرتِ طیبہ ﷺ پر کتب کی بھی کمی نہیں رہی۔ قطع نظر ان مہمات کتب کے جو ماضی بعید میں سیرت کے موضوع پر اہل علم نے عربی، فارسی، انگریزی اور دوسری زبانوں میں لکھیں، صرف اردو میں ہی، مغلیہ دورِ حکومت کے زوال سے لے کر برطانوی

دور غلامی میں جو کتب لکھی گئیں، وہ ازخود ایک ایسا بیش بہا خزانہ ہے جس کی نظیر، دنیا کے دینی، مذہبی اور ادبی لٹریچر میں ڈھونڈے سے بھی نہیں ملتی۔ اس ضمن میں اگر کوئی طالب علم ان تمام چھوٹی بڑی کتب ومقالہ جات کی صرف فہرست ہی بنانا چاہے تو شاید ہی اسے کامیابی نصیب ہو۔ بلاشبہ موجودہ امت مسلمہ کے لئے وہ ایک گرانقدر سرمایہ ہے جس سے خوشہ چینی کر کے دین و دنیا کی برکات حاصل کی جاسکتی ہیں!

زمانۂ حال کی یہ تمام کتب (تفسیر، حدیث، سیرت) اگرچہ ایک خاص علمی اور تحقیقی حیثیت کی حامل ہیں تاہم ذخیرۂ سیرت کی اس قدر فراوانی کے باوجود اس موضوع پر ہر لحاظ سے دادِ تحقیق دینے کی گنجائش موجود رہی ہے اور یہ سلسلہ تاابد جاری رہے گا۔ ان کتب میں آپ ﷺ کی زندگی کے تمام واقعات، ولادت سے لے کر وصال تک، تاریخی اور زمانی اعتبار سے بیان کیے گئے ہیں جو اس نوعیت کی تحقیقی کتب کا ازخود ایک انداز اور خاصہ ہے۔ اگرچہ ہر کتاب میں مصنف کے ذوق نظر کو بھی دخل حاصل ہوتا ہے تاہم ان میں سے جو بھی جلوۂ مصطفیٰ ﷺ سے جس انداز میں اور جس جس طریق پر گھائل ہوا، اس نے اسی پہلو پر دادِ تحقیق دی لیکن

حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

ادھر زمانے کا عام چلن کہ امت، جس نے کسی زمانے میں علم وتحقیق کے میدان میں ایک عالم میں جھنڈے گاڑے تھے اور موجودہ یورپ/ امریکہ کا علمی تفوق اور برتری، جس کی رہین منت ہے، ◆ وہ خود علم کی ترویج واشاعت اور تحقیق کے میدان میں اپنی اس حیثیت کو برقرار نہ رکھ سکی اور یوں دنیا کی پسماندہ قوموں میں شمار ہونے لگی۔ جمالِ مصطفیٰ ﷺ کی وہ ضوفشانیاں ہی تھیں جن سے محرومی کے نتیجے میں اقبال رحمۃ اللہ علیہ سے یہ دعا کرنی پڑی

◆ اشارہ ہے اس تحریکِ احیائے علوم (RENNAISANCE) کی جانب جو چودھویں صدی سے سترھویں صدی عیسوی میں سپین کی فتح کے نتیجے میں مسلمانوں کی آٹھ سو سالہ دور حکومت میں واقع ہوئی تھی!

مکن رسوا حضور خواجہؐ مارا
حساب من ز چشم او نہاں گیر!

''اے اللہ روز قیامت مجھے حضور ﷺ کے سامنے رسوا نہ کیجیو اور میرا حساب ان کی نظروں کے سامنے نہ لینا!''

آج ضرورت اس امر کی ہے کہ امت مسلمہ کا پڑھا لکھا طبقہ بالخصوص نوجوان نسل (لڑکے اور لڑکیاں) اس متاعِ گم گشتہ کو بازیاب کرنے کے لئے اپنا تن من دھن سب کچھ لٹا کر اس عظمتِ رفتہ کو حاصل کرے کہ

ایں پری از شیشۂ اسلافِ ماست
باز صیدش کن کہ او ازقافِ ماست!
(اقبالؒ)

''علم کی یہ دولت ہمارے اسلاف کی شاندار علمی خدمات کی عکاس ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اسے دوبارہ حاصل کریں کہ وہ ہمارے ماضی (کوہ قاف) کا سرمایہ ہے۔''

سیرتِ طیبہ ﷺ پر کتب کے بارے میں، جیسا کہ بتایا گیا، کہ ان میں کوئی ایسا پہلو نظر نہیں آتا جو نظر انداز کیا گیا ہو لیکن بدقسمتی سے اس گرانقدر سرمایے سے، امت مسلمہ کا ایک بہت بڑا طبقہ، کماحقہٗ استفادہ نہیں کر پایا جس کا نتیجہ امت کی حالیہ زبوں حالی اور عالمی الحادی قوتوں کا وہ غلبہ ہے جو آج امت کو اپنے شکنجے میں جکڑے ہوئے ہے۔ امت ذہنی، علمی، تحقیقی امور ہی میں مغرب کی دریوزہ گر نہیں بلکہ معاشی اور سیاسی طور پر بھی نقد دل ہار بیٹھی ہے اور یوں ان کی پالیسیوں کی پابند سلاسل!۔ الحادی قوتیں ایک عرصے سے اس امر کے درپے رہی ہیں کہ کسی طرح امت کے خاندانی نظام کو تلپٹ کر دیا جائے کہ جن ماؤں کی گود میں پلنے والی نسلیں آج بھی جذبۂ جہاد سے سرشار ہیں اور ناموسِ رسالت ﷺ پر اپنی جانیں قربان کرنے کو دین و دنیا کی کامیابی گردانتی ہیں۔

بتولِؓ باش و پنہاں شو ازیں عصر
کہ در آغوش شبیرےؓ بگیری!

''حضرت فاطمہ (بتولؓ) کی زندگی کا طرزِ عمل اختیار کرتے ہوئے اپنی شخصیت کو زمانے کی نگاہوں سے بچالے کہ ایسی گود میں ہی شبیرؓ (حضرت حسینؓ) جیسی شخصیت پروان چڑھتی ہے۔''

امت مسلمہ کے خاندانی نظام کو سبوتاژ کرنے کے لیے اپنے علمی تفوق کے ساتھ ساتھ استبدادی نظام اور قبضے کے تحت ماضی میں عیسائی مشنریز کا ایک جال تھا جس نے ہسپتالوں، سکولوں اور کالجوں نیز دیگر رفاہی کاموں کے ذریعے، امت کے عقائد اور تعلیمات کو مسخ کرنے کی کوششیں کیں۔ برطانوی دورِ حکومت میں ان کوششوں کو بہت زیادہ کامیابی حاصل نہ ہوسکی لیکن ان کے نافذ کردہ تعلیمی نظام اور اس ملک میں پہلے سے رائج دینی تعلیم کے نظام کو (جس میں ان کی تمام تر دنیوی زندگی (سول سروس) کو چلانے کے لئے مردانِ کار تیار کیے جاتے تھے کہ مسلمانوں نے مختلف ممالک بالخصوص برصغیر ہندوستان میں طویل عرصے تک حکومتی نظام چلایا) بند کرنے کے نتیجے میں وہ اس حد تک ضرور کامیاب ہوگئے کہ اس ملک میں ایک ایسا طبقہ پیدا ہوگیا جو انگریزی مفاد کے لئے انگریز کے دماغ سے سوچتا تھا اگرچہ پیدائشی طور پر وہ ہندوستان کا باشندہ تھا (سید مودودی رحمۃ اللہ علیہ ۱۹۹۸ء)

قیامِ پاکستان کے بعد اس طبقے نے آہستہ آہستہ ملک وملت کو اپنی ریشہ دوانیوں اور مختلف سیاسی گماشتوں کی بدولت گذشتہ ۷۰ سالوں میں جمالِ مصطفےٰ ﷺ سے اس قدر دور کردیا کہ آج کی نوجوان نسل بتدریج دین سے بیگانہ ہوتی چلی گئی اور نوبت بہ اینجا رسید کہ وہ اپنے مشاہیر اور شاندار ماضی کو بھی بھول گئی۔ واضح رہے کہ آج کل یہ خدمت وطن عزیز کے دور دراز علاقوں میں سینکڑوں غیر سرکاری تنظیمیں (NGO's) سرانجام دے رہی ہیں جو غیر ملکی (یورپین/ امریکن) حکومتوں سے فنڈز حاصل کرکے وطن عزیز میں دینی اور اخلاقی اقدار کو سبوتاژ کرنے میں کوشاں ہیں!

ادھر ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں شکست کے نتیجے میں دینی تعلیمات کو مجتمع رکھنے کے لئے اس وقت کے اہل علم نے جس خانقاہی/ مدرسہ نظام کی تشکیل کی، اس نے مغربی تعلیم کے اصل الاصول ''دین و دنیا کی دوئی'' کے تصور کو ایک طرح سے قبول کر لیا۔ یورپ میں انقلابِ فرانس (۹۹-۱۷۸۹) کے نتیجے میں دین و دنیا کی دوئی کا نظریہ جڑ پکڑ چکا تھا۔ جسے علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے ''لا کلیسا، لا سلاطین لا الٰہ'' کے ایک مصرعے میں بیان کیا۔ اس نعرے کا یورپ میں یہ مطلب ہے کہ انسانوں کو زندگی بسر کرنے کے لئے کسی الہامی طاقت، بادشاہی نظام اور مذہب کی ضرورت نہیں۔ یوں اہل یورپ کی زندگی سے عیسائیت کو دیس نکالا مل گیا اور پوپ اعظم نے اپنے آپ کو ویٹی کن سٹی (روم کا ایک شہر) تک محدود کر لیا۔ اور دنیاوی معاملات (سیاست، معیشت، تعلیم، معاشرت وغیرہ) کو عیسائیت کی تعلیمات سے بے نیاز کر دیا۔ یورپ میں یہ نظریہ مختلف پادریوں بالخصوص سینٹ پال (Saint Paul) کی خود ساختہ تعلیمات اور دین عیسوی میں ایجاد و اختراع کے نتیجے میں رونما ہوا۔ تاہم مسلم ممالک میں مغرب سے متاثر طبقہ اسی انداز میں اسلام کو بھی عیسائیت کی طرح ایک مذہب سمجھ کر اس میں کمی وبیشی کرنے کا حامی ہے! جس کی بدترین مثالیں قادیانی مذہب اور فتنہ و انکار حدیث ہے!

برصغیر میں برطانوی دور حکومت کے تعلیمی نظام کے متوازی مدارسِ دینی میں تعلیمی نظام کی جو بنیاد پڑی تھی، اگر چہ ان معلمین امت نے اسے بہت پاکیزہ جذبات کے ساتھ شروع کیا تھا لیکن انگریزی حکومت سے مخاصمت کی بناء پر یہ ایک متوازی نظام تعلیم کی صورت اختیار کر گیا جس کا ظہور ایک ایسے طبقے کی شکل میں ہوا جو دنیوی معاملات سے بے دخل ہو کر صرف نماز اور دیگر عبادات کی ادائیگی تک محدود ہو کر رہ گیا اور دو تین صدیوں کے تعامل سے اس وقت صورت حال یہ ہے کہ دینی (Religious) اور دنیوی/ سیکولر (Secluar) نظام ہائے تعلیم متوازی چل رہے ہیں جس کے نتیجے میں نونہالانِ وطن کو کم از کم دو طبقوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ (محمد آفتاب خان و اسماء آفتاب ۲۰۱۷ء)

مسلم حکمرانوں نے برصغیر ہند پر قریباً ایک ہزار سال حکومت کی۔ اس تمام دوران اگر چہ ہندوستان کی کچھ آبادی نے اہل علم و فضل کی کوششوں کے نتیجے میں اسلام قبول کیا لیکن مسلم بادشاہوں کی جانب سے اسلامی تعلیمات کو عام کرنے کا مقصد جسے اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ کا مقصد زندگی قرار دیا ہے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ

''اب دنیا میں وہ بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت اور اصلاح کے لیے میدان میں لایا گیا ہے تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔''

اس تعلیم پر عمل نہ ہو سکا۔ یوں امت، ہندوؤں اور دیگر غیر مسلموں کو مسلمان تو نہ بنا سکی البتہ اس نے خود ہندووانہ رسم و رواج اور معاشرتی طور طریقوں کا چلن سیکھ لیا جس کا نتیجہ لڑکیوں کو وراثت سے محرومی، عورت کی تذلیل اور تشدد، نیز شادی بیاہ کے لئے جہیز، حق مہر کی زیادتی اور دیگر رسم و رواج سے خاندان کے ادارے کو اس قدر کمزور کر دیا گیا کہ گھروں میں لڑکیاں مناسب بر کی تلاش میں بیٹھی رہ جاتی ہیں اور ان کی مانگ میں چاندی نمودار ہو جاتی ہے جب کہ دوسری جانب نوجوان نسل میں ٹی وی، انٹرنیٹ اور فحاشی کے متعدد ذرائع (پرنٹ اور الیکٹرانک) کے ذریعے صنفی آوارگی اور بے راہ روی اس قدر عام ہو گئی ہے جسے واضح کرنے کے لئے کسی ثبوت کی ضرورت نہیں۔ وطن عزیز میں آئے دن اخبارات اور ٹی وی میں ایسے واقعات کا تذکرہ آتا رہتا ہے۔ حال ہی میں چند ایسے ہولناک واقعات درپیش آئے ہیں جس میں ایک عام نوجوان لڑکے سے لے کر یونیورسٹیوں میں اعلیٰ ترین تعلیم (دینی اور دنیوی) سے آراستہ اور وابستہ لوگ (پروفیسر/ ڈائریکٹر/ ڈین وغیرہ) کے سکینڈل ''سرعام'' ٹی وی پر دکھائے جاتے ہیں۔ ملک کا نو دولتیا طبقہ کرپشن، رشوت، ذخیرہ اندوزی اور ملاوٹ وغیرہ کے ذریعے نہ صرف اپنی خرمستیوں میں

مصروف ہے بلکہ ملک کی اعلیٰ ترین عدالتیں انہیں سزا دینے کے ساتھ ساتھ ''بیماری کا بہانہ'' بنا کر ملک سے فرار ہونے کی سہولت بھی فراہم کرتی ہیں۔اس ''کارخیر'' میں وکالت کرنے والے اعلیٰ دماغ،صحت کے اداروں کے سربراہان اور دینی جماعتیں بھی شریک ہیں

خداوندا یہ تیرے سادہ دل بندے کدھر جائیں
کہ درویشی بھی عیاری ہے، سلطانی بھی عیاری!
(اقبالؒ)

ادھر والیانِ منبر و محراب ہیں جو صرف زبانی تلقین نماز اور روزہ میں مصروف عمل ہیں قرآن وحدیث اور اسوۂ رسول ﷺ پر زبان کی حد تک تو تلقین ہوتی ہے لیکن اس تلقین میں سوزِ غزالی نہیں۔مجال ہے جو آج تک کسی پیر، مولوی یا مذہبی لیڈر نے اپنے پیروکاروں کی حرام کی کمائی سے استفادہ نہ کرنے کا اعلان کیا ہو۔''درباروں اور آستانوں کی آمدنی'' ان کے اور ان کے خاندانوں کے لیے سیاسی کاروبار میں قبضہ گروپ/ مافیا کی حیثیت اختیار کر گئی ہے۔ایسی حالت میں دیکھئے دور سے مرقد اقبال سے آواز آ رہی ہے

یہی شیخ حرم ہے جو چرا کے بیچ کھاتا ہے
گلیم بوذر و دلق اویسؓ و چادرِ زہراؓ

لیکن یہ امر مزید روح فرسا ہے کہ کلامِ اقبال کو بھانڈ مراثیوں کے سپرد کر کے اولاد اقبال اور وارثانِ علم وفہم اقبال بھی منقار زیر پر بنے بیٹھے ہیں۔اقبال نے کہا تھا

وہی جواں ہے قبیلے کی آنکھ کا تارا
شباب جس کا ہو بے داغ، ضرب ہو کاری!

آج معاشرے میں بے داغ شباب اور ضرب کاری کی صلاحیت، صنفی آوارگی اور جنسی بے راہ روی کے اس سونامی نے نوجوان سے چھین لی ہے جس کی وجہ سے دنیا میں بدچلنی کا چلن عام ہو گیا ہے!

امت مسلمہ کو سیرتِ طیبہ ﷺ کی کتب سے استفادہ نہ کرنے کی وجہ جہاں درجِ

بالا دو صفات سے نوجوان نسل کی بیگانگی اور محرومی ہے وہاں منبر و محراب سے سیرت طیبہ ﷺ کے فہم اور ادراک کی تبلیغ و اشاعت سے کوتاہی کو بھی بہت دخل حاصل ہے۔ کتب سیرت میں امت کے لئے بالعموم اور نوجوان نسل کے لیے بالخصوص، ان کی زندگی کے مختلف ادوار (طفولیت، بلوغت سے قبل اور بعد از بلوغت نیز عائلی زندگی) گذارنے کے لئے ایسی راہ نمائی ملتی ہے جس کی مثال دنیا کے لٹریچر میں ڈھونڈے سے بھی نہیں ملتی۔ لیکن سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں ایسے اساتذہ کی بھرمار ہے جو خود دینی تعلیمات اور اخلاق سے بے بہرہ ہیں

کہاں سے آئے صدا لا الہ الا اللہ!

راقم الحروف نے زرعی یونیورسٹی فیصل آباد سے ریٹائرمنٹ کے بعد وطن عزیز میں فحاشی، عریانی اور جنسی بے راہ روی کے اس گھر گھر پھیلتے طوفان (میڈیا کی قہرمانیوں کے پیش نظر) امت کی نوجوان نسل کو آگاہ کرنے کے لئے تحقیقی اور علمی سرگرمیوں کا آغاز کیا۔ وقت کی یہ ضرورت ہے کہ امت مسلمہ کے اہل علم ونظر نے ماضی بالخصوص اپنے دور عروج نیز چودہ سوسالہ دور میں جو نہایت مفید علمی اور تحقیقی کام سرانجام دیا اور تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے نہایت مفید ایجادات سائنس کے مختلف میدانوں میں کی تھیں جس کی بناء پر بعد ازاں یورپ میں تحریک احیائے علوم (RENAISSANCE) اور تحریک احیائے کلیسا (REFORMATION MOVEMENT - 1517-1648) کا آغاز ہوا، ان تمام تر کوششوں سے امت مسلمہ کی نوجوان کو آگاہ کیا جائے۔ اس طرح کا علمی کام اس لیے سرانجام نہ دیا جا سکا کہ وہ بیشتر عربی زبان کی کتب میں تھا لیکن امت ایک عرصہ (قریباً تین صدیوں سے عربی کی تعلیم سے بے بہرہ کر دی گئی ہے یہ سلسلہ تا حال جاری ہے!) یوں ماضی میں کیا گیا تحقیقی اور علمی تمام کام نوجوان نسل کی نظروں سے اوجھل رہا___ ادھر یورپ کے اہل علم نے عربی سیکھ کر نہ صرف اس قسم کے تحقیقی کاموں کا سہرا اپنے سر باندھ لیا بلکہ نوجوان نسل کو یہ باور بھی کرا دیا گیا کہ ان کا ماضی تاریک اور جہالت کا دور تھا!

اگر چہ ماضی قریب میں اس مغالطے کو دور کرنے کی چند کوششیں مختلف مسلمان اہل علم کی جانب سے کی گئیں تاہم میڈیکل سائنس، جس میں ماضی بعید میں بے شمار نابغۂ روزگار ماہرین (ابن سینا 1215۔1288)، ابن نفیس، الزہراوی و دیگر نے بہت ٹھوس اور بنیادی معلومات فراہم کیں۔ دوران خون کی تھیوری (BLOOD CIRCULATION) کا خالق ابن نفیس (1215۔1288) ہے جسے بعدازاں ولیم ہاروے (WILLIAM HARVEY) نے انگریزی میں بیان کر کے اس نظریے کو اپنے نام کر لیا۔ اسی طرح توالد و تناسل (REPRODUCTIVE PHYSIOLOGY) کا موضوع ہے۔قرآن کریم میں بالعموم چار سو سے زائد آیات جو 65 سے زائد سورتوں میں درج ہیں کا تعلق اس موضوع سے ہے بالخصوص سورۂ مریم میں تو اس مضمون کے مختلف پہلوؤں پر نہایت جامع انداز میں جو راہ نمائی دی گئی ہے، وہ اپنے اندر سمندر کی سی گہرائی اور گیرائی کی حامل ہے۔ یاد رہے کہ ایسی تمام تر معلومات قریب کے زمانے (قریباً دو سو سال قبل) یورپ میں تحقیق کے نتیجے میں دریافت ہوئیں تاہم دلچسپ امر یہ ہے کہ مسلم اہل علم نے قرآن وحدیث سے راہ نمائی حاصل کر کے انہیں جن اصطلاحات کے ساتھ بیان کیا تھا وہ اصطلاحات آج بھی طلباء کو پڑھائی جاتی ہیں!

علم توالد وتناسل کا ایک بہت ہی اہم پہلو حصہ اس علم کا انطباقی پہلو (IMPLICATIVE ASPECT) ہیں جس میں کائنات کی تمام ذی روح اشیاء میں دو مختلف جنسوں (GENDER) کا تصور (KHAN AND SIDDEQUI, 1989) اور انسانوں میں اس کی بنیاد پر شادی بیاہ/ نکاح کا قیام، عائلی زندگی میں زوجین کے مابین تعلقات، بچوں کی پیدائش اور پرورش و تعلیم وتربیت، طلاق/خلع، جنسی عوارض جیسے نہایت اہم امور شامل ہیں۔◆

◆ مثال کے طور پر قرآن کریم نے حمل کے نتیجے میں جو تبدیلیاں عورت کے رحم میں واقع ہوتی ہیں، ان کی واضح شکل چودہ صدی قبل بتادی تھیں جب کہ موجود میڈیکل سائنس نے آج سے قریباً دو سو سال قبل یہ اشکال دریافت کی ہیں اور ان کے نام بھی قرآنی اصطلاحات سے ماخوذ ہیں۔ (محمد آفتاب خان 1990)

اللہ تعالیٰ کا کرم خاص ہے کہ گذشتہ بیس سالوں میں نوجوان نسل کو موجودہ دور کے جنسی سونامی کے مضمرات اور خطرناک عواقب سے آگاہ کرنے کے لیے ہماری ایک درجن سے زائد کتب اندرون و بیرون ملک شائع ہو چکی ہیں۔ ان تمام کتب میں قرآن و حدیث نیز فقہ کی کتب سے استفادہ کرتے ہوئے انسانوں میں جبلت جنسی کے متعدد پہلوؤں کو واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اسی ضمن میں یہ خیال آیا کہ اس تمام علمی ورثے کو کتب سیرت کی نہایت اعلیٰ اور مہمات کتب (جو گذشتہ دو تین صدیوں میں اردو زبان میں شائع ہو چکی ہیں) سے استفادہ کر کے ایک جامع کتاب شائع کی جائے جس میں جستہ جستہ بکھرے ہوئے، ان تمام واقعات اور راہ نمائی کو اس صورت میں مرتب کیا جائے جو حضور ﷺ کی عائلی زندگی سے تعلق رکھتے ہوں تا کہ قاری کو ان کے پڑھنے میں آسانی ہو۔

ترتیب زمانی کے لحاظ سے حضور ﷺ کی سیرت متعدد کتب میں بہت تفصیل کے ساتھ نہایت ہی محققانہ انداز میں بیان ہوئی ہے جو ازخود اپنی جگہ پر ایک عظیم شاہکار کی حیثیت رکھتی ہے تاہم عائلی زندگی کے تمام واقعات کو یک جا کرنے تا کہ ایک طالب علم بالخصوص نوجوان نسل کو سیرتِ طیبہ کے اس خزینے سے بہرہ مند ہو کر اپنی عملی زندگی میں ان پر عمل کرنے میں آسانی پیدا ہو سکے، کی ضرورت اپنی جگہ برقرار ہے!

شنیدم آنچہ از پاکانِ امت
ترا بہ شوخیٔ رندانہ گفتم
(اقبالؒ)

''میں نے جو کچھ اکتساب علم، امت کے پاک بازلوگوں سے کیا، اسے شوخی رندانہ کے انداز میں من وعن بیان کر دیا!''

تفسیر و سیرتِ طیبہ ﷺ کا جس قدر علمی سرمایہ ہماری دسترس میں تھا، اس سے استفادہ کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا گیا تاہم بہت زیادہ استفادہ تفہیم القرآن اور سیرت سرورِ عالم از سید مودودی رحمۃ اللہ علیہ محسنؐ انسانیت (نعیم صدیقی 1978) الرحیق المختوم

(مولانا صفی الرحمن مبارکپوری 1976) نیز (سیرت النبیؐ) شبلی نعمانی سید سلیمان ندوی (1968) پروفیسر عبدالرحمن عبد (آنحضور ﷺ کے نقش قدم پر، جلد چہارم) و دیگر کتب سے کیا گیا ہے۔ پروفیسر ثریا بتول علوی صاحبہ (2000) کی کتاب (جدید تحریک نسواں اور اسلام۔ 2000) کے بارے میں بھی ایک اہم کتاب ہے جس سے استفادہ کیا گیا ہے۔ احادیث کی تخریج Sunnah.com میں موجود صحاحِ ستہ نیز دیگر کتب سے اخذ کردہ ہیں۔ ہم ان تمام اہل علم کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں ان کے درجات میں ترقی کے لئے دست بہ دعا ہیں۔ ان کتب کے پبلشر صاحبان کے لئے بھی دعا کرتے ہیں کہ ان سب کی مساعی جمیلہ کی بدولت دینی لٹریچر کی اشاعت کا سلسلہ جاری ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ والا شان سے توقع ہے کہ ان کا یہ صدقہ جاریہ، نہ صرف ان کے بلکہ ان کے خاندانوں اور اہل خانہ کے لئے بھی خوشنودی رب کا باعث بنے۔

اس کتاب کا پیش لفظ بھی ہماری ایک نہایت قابل پروفیسر بہن ثریا بتول علوی صاحبہ نے تحریر کیا ہے جو از خود ایک گرانقدر مقالے سے کم نہیں۔ پروفیسر صاحبہ نہ صرف یہ کہ ایک علمی خانوادے سے تعلق رکھتی ہیں بلکہ از خود دینی تعلیمات کے موضوع پر ایک سند کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان کے گرانقدر خیالات کے لیے ہم نہ صرف ان کے شکر گزار ہیں بلکہ اللہ رب العزت سے بھی دعا گو ہیں کہ انہیں اس کا اجر اپنی شان کے شایان عطا فرمائیں!

اس کتاب کے پبلشر بھی ہماری دعاؤں کے حق دار ہیں کہ وہ بھی دنیاوی نفع سے بڑھ کر رضائے الٰہی کے طلب گار ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی نیت اور کاروبار میں وسعت وفراوانی فرمائے کہ وہ دینی لٹریچر کی اشاعت کو جاری رکھیں۔ اپنے کمپوزر رشید سجانی کا شکریہ ادا کرنا بھی بہت ضروری ہے کہ وہ ترجیحاً اس کام کو خوش دلی سے سرانجام دیتے ہیں۔ ان کے لئے دل سے نکلنے والی دعاؤں کا تحفہ۔ اپنے بچوں بالخصوص پوتے پوتیوں اور نواسے/نواسیوں کے لئے بھی بہت دعائیں کہ بعض اوقات انہیں بھی توجہ دینے میں کوتاہی ہو جاتی ہے۔ اگر ہماری اس تحریر سے ان کو بھی کسی قسم کی راہ نمائی مل جاتی ہے تو ہم سمجھیں گے کہ ہمیں اس کا صلہ دنیا ہی میں مل گیا تاہم اصل معاملہ تو قبولیتِ رب کریم کا ہے جو اگر مل جائے!

حسب سابق اس مرتبہ بھی پروف ریڈنگ کے لئے قرعہ اپنی عزیز بہن پروفیسر امینہ سراج صاحبہ اور صاحب علم وتقویٰ بھائی پروفیسر سراج صاحب کے نام نکلا۔ انہوں نے اس کتاب کی اغلاط کو دور کرنے میں ممکن حد تک مدد کی۔ نیز سراج بھائی نے ایک اچھوتی بات کی جانب بھی توجہ دلائی کہ اپنی اہلیہ کی کنیت (ام انس) کے حوالے سے اگر میں بھی ابوانس لکھوں تو مناسب رہے گا۔ تعمیل ارشاد میں سرورق پر اسی طرح کر دیا گیا ہے تاہم آغازِ سخن میں اپنا پورا نام بھی درج کر دیا ہے۔ تا کہ کسی قسم کا کوئی ابہام نہ رہے۔

اختتام کتاب پر اس امر کا اظہار بھی ضروری ہے کہ عقیدت ومحبت سے تیار کیا گیا یہ گلدستہ، اپنی استطاعت کی حد تک اغلاط سے پاک رکھنے کی کوشش کی گئی ہے تاہم بتقاضائے بشریت تمام تر اغلاط وتسامح کے لیے ذاتی طور پر ذمہ دار ہیں لیکن بارگاہ الٰہی میں معافی اور درگذر کے خواست گار ـــــ تاہم ہر وہ صحیح بات جو احاطۂ تحریر میں آئی ہے وہ صدقہ اور عنایت ہے میرے رب کریم کا!

اخلاصِ عمل مانگ نیاگان کہن سے
شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدارا!

ابوانس (ڈاکٹر محمد آفتاب خان)
اُمّ انس (مشکورہ آفتاب:
بانی اسلامی جمعیت طالبات،
پاکستان۔ واوّلین ناظمہ اعلیٰ
اسلامی جمعیت طالبات

مارچ ۲۰۲۱ء
راولپنڈی

باب اوّل

اسلام میں عائلی زندگی کی اہمیت

ایک طویل عرصے سے مسلم عوام الناس کو اس غلط فہمی میں مبتلا کر دیا گیا ہے کہ اسلام ایک ایسا مذہب ہے جس میں چند مخصوص عبادات (نماز، روزہ اور زکوۃ کی ادائیگی کو) بجالانا ہی کافی ہے تاہم زندگی کے دیگر تمام پہلوؤں اور معاملات میں اپنی مرضی، خاندانی روایات، معاشرے کا چلن اور غیر اسلامی دنیاوی قوانین پر عمل کیا جا سکتا ہے۔ یہ طرز فکر و عمل قرآن و حدیث اور اسوۂ رسول ﷺ کی ٹھیٹ تعلیمات کے بالکل برعکس ہے۔ اگرچہ برصغیر ہندوستان پر مسلمان بادشاہوں نے قریباً ایک ہزار سال تک حکومت کی تاہم اس تمام دور میں بحیثیت مجموعی یہاں کے باشندوں کی اسلامی تعلیم و تربیت کا فریضہ ایک مقصد اور مشن کے طور پر ان کا مطمح نظر نہیں رہا۔ اس تمام خطے میں اسلام ان بزرگوں کی دعوتِ وتبلیغ سے پھیلا جن کا سلسلہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے زمانے کے تاجروں اور بعد ازاں محمد بن قاسم کے دیبل (سندھ) کے علاقے کی فتح سے ہوا۔ مغل بادشاہ اکبر نے اپنی حکومت کے استحکام کے لیے ہندو، آتش پرست خواتین سے شادیاں کیں اور ان کی دلجوئی کے لیے محل میں مختلف اقسام کے مشرکانہ افعال کرنے کی اجازت دی۔ اس طرح بدعات اور گمراہیوں کا ایک ایسا راستہ کھل گیا جو دین اکبری سے موسوم کیا جاتا ہے اور بعد میں جہانگیر کے دور میں سجدۂ تعظیمی کے نام سے بادشاہ وقت کو سجدہ کرنے کا طریقہ ایجاد ہوا۔ اس قسم کے مشرکانہ افعال اور اعمال کا قلع قمع کرنے کا سہرا احمد سرہندی (1664-1563) کے سر ہے جنہیں مجدد الف ثانی کہا جاتا ہے۔ شاہ ولی اللہ (1762-1704) اور ان کے خاندان کے متعدد اہل علم نے قرآن کریم کا فارسی اور اردو میں ترجمہ کیا۔ شاہ ولی اللہ نے برصغیر میں ہم

حدیث کی بنیاد ڈالی۔ بعد ازاں اسی سلسلۃ الذہب کے اہل علم وتقویٰ کی پیروی کرنے والوں کے نتیجے میں برصغیر کی ایک بڑی آبادی نے اسلام قبول کیا لیکن یہ ''نومسلم'' مکمل طور پر تصور توحید، رسالت اور آخرت سے روشناس نہ ہو سکے اور قبول اسلام کے بعد بھی اپنے جدی پشتی رسم ورواج سے چھٹکارہ نہ پا سکے جس طرح دورِ اولیں میں رسول اللہ ﷺ کی تعلیم وتربیت کے نتیجے میں اہل عرب شرک اور کفر سے باز آ گئے تھے۔ آج بھی اگر کوئی صاحب علم موجودہ مسلم معاشرے کی رسم ورواج اور عقیدے کی بنیادوں کا ایک بے لاگ تقابلی جائزہ لے تو ہمارے افکار واعمال کی تہہ سے ہزاروں سال قبل، اپنے آباء واجداد کے ہندووانہ اور مشرکانہ اعمال کا پتہ چلانا چنداں مشکل امر نہیں۔ رہی سہی کسر برصغیر پر انگریزی راج کی دو صدیوں نے پوری کردی۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا نوحہ درج ذیل فارسی رباعی میں یوں پڑھا

اے تہی از ذوق و شوق و سوز و درد
می شناسی، عصرِ ما، باما چہ کرد؟
عصرِ ما، مارا زما بیگانہ کرد
از جمالِ مصطفیٰ بیگانہ کرد!

''اے مسلمان جو علم دین کے حصول سے روگرداں اور شریعت پر عمل کے ذوق وشوق سے تہی ہے۔ کیا تجھے معلوم ہے کہ اس دور جدید نے تیرے ساتھ کیا داؤ کھیلا ہے اس دور جدید نے، امت مسلمہ کو اپنے تشخص سے بیگانہ کر دیا ہے کہ ہم نے جمال مصطفیٰ ﷺ سے اپنے آپ کو بیگانہ کر لیا ہے۔''

اس رباعی میں جمالِ مصطفےٰ ﷺ (یعنی اسلام) سے لاعلمی اور دوری کو امت مسلمہ کی حالیہ زبوں حالی اور ذلت ونکبت کا سبب گردانا گیا ہے۔ خلافتِ راشدہ کے بعد امتِ مسلمہ اس مقصدِ وحید کو بھول گئی جو اس دنیا میں بنی اسرائیل (یہود) کی معزولی کے بعد، اسے امت وسط کے منصب جلیل پر فائز کرتے ہوئے اللہ رب العزت نے طے فرمایا تھا۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ

الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ط (سورہ آل عمران 110)

جمالِ مصطفیٰ ﷺ کے اس بنیادی تصور کو سمجھنے کے لیے جس کی بناء پر یہ امت دنیا کے علمی و عملی امامت کے منصب پر فائز کی گئی تھی، ہمیں تاریخ کے صفحات کی ورق گردانی کرنی پڑے گی لیکن چونکہ اس وجہ سے ہم اپنے موجودہ موضوع سے کسی حد تک دور ہو جائیں گے، اس لئے اس سے صرفِ نظر کرتے ہوئے اپنی گفتگو کو موضوع کی حد تک محدود رکھنے کی کوشش کریں گے۔◆

گذشتہ صفحات میں ہم نے اسلام بطور دین یعنی زندگی کے لائحہ عمل (Code of Life) کے سمجھنے کی جانب اشارہ کیا ہے۔ آج ضرورت اس امر کی ہے کہ امت، دین کے اس تصور کا کما حقہٗ ادراک کرے کہ اسلام ایک جامع ضابطۂ حیات ہے جو انسانوں کی تمام تر دنیوی زندگی سے لے کر مرنے تک زندگی کے تمام پہلوؤں (عقائد، عبادات، تعلیم، معاشرت، معیشت، سیاست، حتیٰ کہ بین الاقوامی تجارت و معاملاتِ صلح و جنگ وغیرہ) کے بارے میں مکمل راہ نمائی دیتا ہے اور یقیناً انسان کی خاندانی اور عائلی زندگی اس راہ نمائی سے مستثنیٰ قرار نہیں دی جاسکتی۔ اللہ تعالیٰ نے یہ راہ نمائی قرآن کریم اور ''قرآنِ ناطق'' (اسوۂ رسول ﷺ) کی شکل میں عطا کی ہے!

قبل ازیں کہ ہم قرآن و حدیث کی روشنی میں اس اسوۂ حسنہ کا مطالعہ کریں جو عائلی زندگی کے بارے میں ہمیں حاصل ہوئی ہیں، یہ ضروری ہے کہ ہم اسلامی تعلیم و تربیت کے ضمن میں توالد و تناسل کے اس پہلو کا مطالعہ کریں جو دراصل جبلت جنسی کا ایک عملی اور انطباقی (Implicative) پہلو ہے۔ کیونکہ اس کی روشنی میں ہم اس راہ نمائی کی حکمت اور پس منظر سے آگاہ ہوسکیں گے جو اسلام نے عائلی زندگی کے بارے میں اسوۂ

◆ اس ضمن میں ہم اپنے قارئین کو اپنی کتاب ''جنسی تعلیم: مسلم والدین کو درپیش مسائل اور ان کا حل'' (2016) پڑھنے کی سفارش کریں گے جس کا انگریزی ترجمہ حال ہی میں برطانیہ کے ایک پبلشر نے شائع کیا ہے۔ (تفصیل حوالہ جات میں دیکھئے)

رسول ﷺ کی شکل میں دی ہے۔

اسلام میں توالد وتناسل کی اہمیت:

قرآن کریم میں انسان کی خلقت (توالد وتناسل) کے بارے میں جو ذکر ہوا ہے، ◆ اس کا مقصد اسے اس امر سے آگاہ کرنا ہے کہ وہ خود بشمول اس وسیع وعریض کائنات، کسی خالق کا پیدا کردہ ہے اور مخلوق کی حیثیت سے اسے اپنے خالق، مالک اور رازق (اللہ رب العزت) کے احکامات پر عمل کرنا چاہیے۔ سیرتِ رسول ﷺ کا وہ عظیم الشان ذخیرہ جو احادیث کی متعدد کتب بالخصوص صحاحِ ستہ میں محفوظ ہے، وہ دنیا کے دینی لٹریچر میں نمایاں ترین حیثیت کا حامل ہے جس کی مثال ڈھونڈے سے بھی نہیں ملتی۔ اس کی نمایاں ترین خصوصیات میں یہ امر قابل توجہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے انسانی زندگی کے نہایت پرائیویٹ امور کے بارے میں بھی جو راہ نمائی دی ہے، وہ ہر قسم کی عریانیت اور فحاشی سے پاک ہے۔ نیز تمام دنیا میں اربوں مسلمان اپنی روزمرہ زندگی میں ان پر عمل کررہے ہیں۔ اس ضمن میں اہل علم (ماہرین تفسیر، حدیث، فقہ اور عربی لٹریچر و دیگر) کو توجہ دلانے کی ضرورت ہے کہ وہ انسانوں بالخصوص مسلمانوں کی عائلی زندگی میں جبلت جنسی کی تعلیم و تربیت کے ان پہلوؤں پر توجہ دیں جو سیرتِ طیبہ ﷺ سے ہمیں حاصل ہوتے ہیں۔ اور نہ صرف اپنے خطباتِ جمعہ، شادی بیاہ کے موقعہ پر بلکہ تحقیقی انداز میں تحریری شکل (بشمول انگریزی) میں بھی امت کی نوجوان نسل کی راہ نمائی کریں۔ (حالیہ دور میں میڈیا بالخصوص الیکٹرانک کے ذریعے جو گفتگو وقتاً فوقتاً ٹی وی، انٹرنیٹ پر دکھائی جاتی ہے، اس میں کم تعلیم یافتہ/ اور کم تجربہ کار ماہرین صحیح راہ نمائی نہیں دیتے۔ یوں اکثر و بیشتر ناقص اور نامکمل معلومات کے باعث نوجوان نسل کے لئے مزید پریشانی اور الجھنوں کا باعث بنتے ہیں)۔ واضح رہے کہ اس راہ نمائی کی والدین/ بزرگ نسل کو بھی ضرورت ہے مثلاً یہ کہ وہ اپنے بچوں

◆ قرآن کریم میں چارسو سے زائد آیات، ۶۵ سے زائد سورتوں میں، تولید وتناسل کے مختلف پہلوؤں پر راہ نمائی دیتی ہیں۔ (ڈاکٹر محمد آفتاب خان اور ڈاکٹر محمد احسن، ۲۰۱۴)

کو طلاق دینے کے صحیح طریقے سے (قرآن وحدیث کی روشنی میں) آگاہ کریں کہ اکثر مائیں اپنے لڑکوں کو نو بیاہتا لڑکی (بہو) سے بہت حد تک متنفر کرنے میں ایک اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ یوں نوجوان لڑکے غصے میں آکر بیک وقت تین طلاق دے کر نہ صرف خود بلکہ اپنی بیوی/ بچوں اور دونوں خاندانوں کے لئے لامتناہی مسائل کا شکار ہو جاتے ہیں۔ یوں اللہ اور رسول ﷺ کے بتائے ہوئے طریقہ طلاق کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اپنی آخرت بھی خراب کر لیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جائز امور میں طلاق بری ترین چیز ہے اور مسلمان ہونے کا تقاضہ یہ ہے کہ امت اس راہ نمائی کی دل وجان سے پیروی کرے جو قرآن وحدیث میں بیان ہوئی ہے

گر تو می خواہی مسلماں زیستن
نیست ممکن جز بہ قرآں زیستن

''اگر تو مسلمان کی حیثیت سے زندہ رہنا چاہتا ہے تو قرآنی تعلیمات پر عمل کیے بغیر یہ امر ممکن نہیں۔''

اور

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نہ رسیدی، تمام بولہبی است!

''دامن مصطفیٰ ﷺ کو تھام لو کہ وہی دین ہے ایسا نہ ہونے کی صورت تمام تر بولہب جیسی زندگی ہے!''

اسلام میں خاندانی نظام

اسلام میں خاندانی نظام، نکاح/ شادی کی بنیاد پر استوار ہوتا ہے جس میں بچوں کی پرورش ونگہداشت، تعلیم، تربیت، والدین اور دیگر رشتے داروں کے حقوق وفرائض نیز عائلی زندگی میں زوجین کے تعلقات، کسی قسم کی نااتفاقی کی صورت میں طلاق، نان نفقہ اور دیگر موضوعات کے بارے میں راہ نمائی دی گئی ہے۔ اس لیے خاندانی/ عائلی زندگی کو

مضبوط بنیادوں پر استوار کرنا نہایت ضروری ہے۔ اس موضوع پر اللہ کے رسول ﷺ کی اپنی ذاتی عائلی زندگی (جو دراصل قرآنی تعلیمات کا عملاً اظہار ہے) سے راہ نمائی کے حصول کے لئے یہ سطور لکھی جارہی ہیں۔ ذیل کے صفحات میں جبلت جنسی کی تعلیم وتہذیب کے بارے میں قرآن وحدیث کی راہ نمائی کا اجمالاً ذکر کیا گیا ہے۔

اس ضمن میں سورہ مریم (آیات ۱۶ تا ۱۹) میں ایک بہت ہی جامع انداز میں اس موضوع کے مختلف پہلوؤں پر راہ نمائی دی گئی ہے۔ یہاں اس امر کی صراحت شاید ضروری ہے کہ انسانوں نے توالد وتناسل کے بارے میں ماضی بعید ہی نہیں بلکہ آج کے علمی دور میں بھی بہت زیادہ ٹھوکریں کھائی ہیں۔ دنیا کے مختلف فلاسفر اور دانشوروں نے اس بارے میں جن خیالات کا اظہار کیا (محمد آفتاب خان ۱۹۹۰) وہ ازخود ایک دلچسپ کہانی ہے بلکہ اس کے مطالعے سے اس امر کا بھی پتہ چلتا ہے کہ الہامی ہدایت کے بغیر ایک انسان صحیح اور سیدھا راستہ تلاش نہیں کرسکتا!

سورۂ مریم کی ان آیاتِ قرآنی کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ ان میں بہت ہی حساس نوعیت کے تولیدی وجنسی موضوعات پر نہایت ہی معتدل انداز میں راہ نمائی دی گئی ہے۔ ہر شخص جو ان آیات کا مطالعہ کرتا ہے، اسے یہ تمام تر معلومات اور راہ نمائی بغیر کسی لذتیت یا شہوت کے معمولی سے شائبے کے مل جاتی ہیں۔

قرآن کریم کی ان آیات میں دی گئی راہ نمائی کے علاوہ صحیح بخاری اور ترمذی کی ایک حدیث میں جس کا تعلق انسانی زندگی کی جنسی جبلت سے ہے، کی اہمیت کے بارے میں نہایت جامع انداز میں راہ نمائی دی گئی ہے جو ایک مسلمان کی دنیوی زندگی کی کامیابی کے لئے ازحد ضروری ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ، عَنْ رَسُوْلِ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ "مَنْ يَضْمَنْ لِي مَا بَيْنَ لَحْيَيْهِ وَمَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ أَضْمَنْ لَهُ الْجَنَّةَ" (صحیح البخاری 6474)

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے لیے جو شخص دونوں جبڑوں کے درمیان کی چیز (زبان) اور دونوں ٹانگوں کے درمیان کی چیز (شرمگاہ) کی ذمہ داری دے، میں اس کے لئے جنت کی ذمہ داری دیتا ہوں''

جامع الترمذی میں بھی یہ حدیث نمبر (۲۰۰۴) اسی مفہوم میں روایت کی گئی ہے۔

اگرچہ اس جبلت کی بناء پر انسان، تاریخ کے طویل دور میں بے شمار ٹھوکریں کھاتا رہا ہے لیکن موجودہ دور میں تو اس کی قہرمانیوں سے کوئی ذی شعور انکار نہیں کرسکتا کیونکہ ایک انسان کے ہر چہار جانب جنسی جذبات کو برانگیختہ کرنے والے عوامل کام کررہے ہیں کہ ایک نوجوان (مرد/عورت) کے لئے ان سے صرفِ نظر کرنا ممکن ہی نہیں ـــــ بدیں حالات موجودہ زمانے کے انسان کے لئے ان احادیث رسول اللہ ﷺ کے الفاظ میں جس قدر خوش خبری ہے، وہ احاطۂ تحریر میں لانا ممکن نہیں اور جس پر مسلمانوں کو اپنے رب کا شکر گزار ہونا چاہیے۔

جنسی داعیات اور جبلت کے بارے میں عوام الناس بالخصوص نوجوان نسل (لڑکوں اورلڑکیوں) کا لاعلمی کی وجہ سے غلط افعال میں مبتلا ہونا قابل فہم ہے تاہم ان کے ان تمام غلط افعال و اعمال کے بارے میں اس سے بھی زیادہ خطرناک حقیقت یہ ہے کہ جب وہ اپنے طور پر اس قسم کی معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں تو انہیں مختلف قسم کی غلط معلومات اپنے ہم جولیوں/ دوستوں (Peers)، انٹرنیٹ، ویڈیوز اور دیگر اقسام کے فحش لٹریچر (Pornography) سے حاصل ہوتی ہیں اور یہ غلط معلومات انہیں جنسی افعال کے مزید گڑھوں میں دھکیلنے کا سبب بنتی ہیں...... ◆ نوجوان نسل نیز عوام الناس کو ان غیر فطری اعمال وافعال سے بچایا جاسکتا ہے بشرطیکہ انہیں اس فطری جذبے اور اس کے مختلف پہلوؤں کے بارے میں صحیح راہنمائی حاصل ہو ـــــ قرآن وحدیث کی تعلیمات اس ضمن میں جو راہ نمائی

◆ حالیہ دور میں قصور اور دیگر شہروں میں ہونے والے درندگی کے واقعات اور ایک صوبے کی یونیورسٹی کے ایک ''بزرگ اور عالم پروفیسر'' کے واقعات اس جنسی انارکی کے واضح ثبوت ہیں جو ٹی وی پر دکھائے گئے!

فراہم کرتی ہیں، بجاطور پر یہ دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ یہ معلومات مستند ترین اور نہایت مدلل انداز سے اس طرح دی گئی ہیں کہ ان سے نوجوانوں کے سفلی جذبات مشتعل نہیں ہوتے اور یوں وہ اپنی زندگی کے اس پہلو کو ایک ضابطے کے تحت گذارنے کے قابل ہوجاتے ہیں۔

اسلام میں جنسی تعلیم: چند اہم خصوصیات:

انسانی زندگی کے مختلف ادوار (طفولیت، بلوغت اور بعدازاں عائلی زندگی) میں جنسی اعمال کے بارے میں ایک صحتمندانہ رویہ اختیار کرنا بہت ضروری ہے۔ اسلام نے اس پہلو کو نظرانداز نہیں کیا بلکہ ایسی جامع اور متوازن راہ نمائی فراہم کی ہے کہ ایک انسان ان پر عمل پیرا ہوکر اپنی زندگی کو امن وسکون اور عافیت کے ساتھ گذار سکتا ہے اور یوں وہ ان تمام گھمبیر مسائل سے بھی نجات حاصل کرسکتا ہے جس میں موجودہ دور کا انسان بری طرح سے پھنسا ہوا ہے۔ ذیل میں ہم ان چند اہم ترین خصوصیات کا ذکر کریں گے جو اسلام کے جنسی نظامِ تعلیم کو دنیا کے دیگر نظامہائے جنسی سے ممتاز ومیز کرتے ہیں۔ (محمد آفتاب خان **2016**)

☆ ...... اسلامی تعلیمات میں جنسیت کو ایک سنجیدہ موضوع کی حیثیت سے دیکھا گیا ہے۔ اسے کلی طور پر ایک ایسا موضوع نہیں گردانا گیا جس کا مقصد محض لذت کا حصول ہو جیسا کہ مغرب اور دیگر ممالک میں ہے۔

☆ ...... اسلام میں اس موضوع پر معلومات، انسانی زندگی کے مختلف پہلوؤں کے تحت دی گئی ہیں جس میں طہارت اور پاکیزگیٔ جسم وذہن کو اولین اہمیت دی گئی ہے کہ مختلف طبعی، جسمانی افعال (احتلام، حیض ونفاس، مباشرت) کے نتیجے میں ضروری ہوتا ہے کہ ایک انسان غسل کے ذریعے طہارت اور پاکیزگی حاصل کرے کہ اس کے بغیر ایک مسلمان نماز کی ادائیگی اور قرآن کی تلاوت بھی نہیں کرسکتا۔ اسی طرح عائلی زندگی میں زوجین کے درمیان دیگر پرائیویٹ تعلقات، بچوں کی پرورش ودیگر امورِ زندگی کے بارے میں تمام تر معلومات عریانیت اور فحاشی سے ہٹ کر پاکیزہ طریق پر دی گئی ہیں اور اس قسم کے دیگر موضوعات کو زیر بحث لاتے ہوئے تہذیب اور

اخلاق کے جملہ امور کا خاص خیال رکھا گیا ہے!

☆......اسلام میں جنسیت کے موضوع پر الگ سے صرف حصولِ لذت کے لئے کوئی انداز اور پیرایہ اختیار نہیں کیا گیا (جب کہ مغربی لٹریچر کی یہی ''خوبی'' ہے کہ اس قسم کے تمام امور میں صرف اور صرف حصول لذت اور جذبات کو بھڑکایا جاتا ہے)۔ اسلامی تعلیمات میں عائلی زندگی میں خوشحالی اور زوجین کے درمیان محبت ومودت اور سکون و اطمینان پیدا کرنے کو ایک خاص مقصد قرار دیا گیا ہے۔ (سورہ روم:۲۱) تاکہ یہ تعلق ایک صحت مند خاندان کی شکل اختیار کر سکے جو بالآخر نسل انسانی کے فروغ میں معاون ثابت ہو۔

☆......اس مقصد کے لئے میاں بیوی کے درمیان تعلقات کو عبادت قرار دیا گیا ہے اور اسے ''حسنہ'' (کسی عمل کا بہترین پہلو) کہا گیا ہے جب کہ شادی سے باہر ہر قسم کے جنسی تعلق/فعل کو حرام قرار دے کر اسے قابل تعزیر جرم قرار دیا گیا ہے۔ نیز زوجین کے درمیان اس تعلق کو ایک بہت ہی انفرادی/ پرائیویٹ معاملہ قرار دے کر اسے دوسروں کے سامنے بیان کرنے سے بھی منع کیا گیا ہے کہ اس سے اخلاقی مفاسد پھیلنے کا خدشہ ہوتا ہے۔

☆......قرآن کریم کی دیگر تعلیمات کی طرح، جنسیت کے موضوع پر دی گئی ہدایت اور حضور ﷺ کی احادیث زمان ومکان کی قید سے آزاد ہیں جن میں کسی قسم کے ردو بدل کا اختیار کسی فرد یا ادارے (اتھارٹی) کو نہیں۔ یہ احکامات غیر مبدل اور مستقل نوعیت کے حامل ہیں۔

درج بالا سطور میں ایک انسان کی زندگی میں جبلت جنسی کے حوالے سے چند اشارات کیے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے انسان اور اپنے پیغمبر (حضرت آدم علیہ السلام) کے لئے جنت میں ایک رفیقۂ حیات پیدا فرمائی۔ قطع نظر ان تمام آراء اور فلسفیانہ خیالات کے جو عورت (حضرت حوا علیہا السلام) کے

بارے میں تاریخ کے مختلف ادوار میں مختلف مذاہبِ فکر کی جانب سے کہے گئے، یہ واضح ہے کہ جنسی داعیہ کے حوالے سے انسانیت اس طویل دور میں دو انتہاہوں کے درمیان ٹھوکریں کھاتی رہی ہے۔

(KHAN, M.A, 2006 ریاض اختر ۲۰۰۸ء)

ایک انتہا کا تعلق بے لگام جنسی بے راہ روی سے ہے جب کہ دوسری انتہا تجرد کی زندگی بسر کرنے اور جنسی جبلت کو ختم کر دینے سے ہے۔ پہلی انتہا کے موید ین ''جنسیت برائے لذت کوشی (Sex For Fun)'' ''جنسیت برائے جنسیت (Sex For its Own Sake)'' اور ''بے لگام جنسیت (Free Sex)'' جیسے تصورات کے علمبردار ہیں۔ ان کے خیال میں ایک انسان اپنے جنسی جذبے کی تسکین ''جب چاہے''، ''جہاں چاہے'' اور ''جس کے ساتھ چاہے'' کرنے میں مکمل طور پر آزاد ہے اور اس پر اس بارے میں کسی قسم کی کوئی پابندی یا قدغن نہیں ہے۔ ان کے نزدیک کوئی مذہبی، اخلاقی یا معاشرتی پابندی اس جذبے کی تسکین اور تکمیل میں حائل نہیں ہونی چاہیے۔ واضح رہے کہ یہ کوئی ایسا انوکھا اور نیا نظریہ نہیں جو آج کے روشن خیال انسانوں کو پہلی مرتبہ سوجھا ہو بلکہ اس کے ڈانڈے ہزاروں سال قبل مصری تہذیب سے ملتے ہیں جس کی جانب قرآن کریم نے ہماری راہ نمائی سورہ یوسف (۲۳: ۱۲ تا ۳۲) میں فرمائی ہے جب کہ مصر کے دولت مند طبقے کی ایک عورت نے حضرت یوسف علیہ السلام کو ورغلانے کی کوشش کی تھی اور جس کی تائید بعد میں اسی طبقے کی عورتوں کے ایک بہت بڑے گروہ نے ایک دعوت میں کی تھی جو موجودہ زمانے کے گروپ سیکس (Group Sex) کی مثال سمجھی جاسکتی ہے۔ تاہم موجودہ دور میں مغربی ممالک/ امریکہ میں بے لگام جنسی عمل عیسائیت کی اس تعلیم کا ایک بدیہی نتیجہ ہے جس کا تعلق جنسی جبلت کو ختم کر دینے کے راہبانہ تصورات (Celibacy/ monaticism) سے ہے۔ جو سخت گیر اور متعصب عیسائی پادریوں نے بائبل کی تعلیمات کے برعکس رائج کی تھیں اور جس پر وہ خود عرصہ دراز تک عمل درآمد کرتے رہے۔

قرآن کریم نے اس کی تردید سورہ الحدید (۲۷:۵۷) میں کی ہے۔

عیسائیت میں تجرد کی زندگی بسر کرنے کا تصور سب سے پہلے سینٹ پال (Saint Paul) ◆ نے دیا تھا جس کے تحت یہ قرار پایا کہ ایک انسان کی نجاتِ اخروی کے لئے ضروری ہے کہ وہ عورت سے کسی قسم کا کوئی تعلق نہ رکھے۔" اس کے نزدیک بائبل کی تعلیمات کے تحت خدا کو خوش کرنا اور شادی ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ عیسائی راہبوں کی ان تعلیمات کا یہ نتیجہ نکلا کہ یورپ میں تجرد کی زندگی بسر کرنے کا رواج صدیوں تک جاری رہا حتیٰ کہ وکٹورین عہد میں مرد وعورت کے درمیان جنسی تعلق بطور میاں بیوی کے صرف اولاد کے حصول کے لئے مناسب گردانا جاتا تھا جب کہ اس عمل میں لذت کا حصول فریقین کے لئے کسی صورت میں بھی مناسب نہیں گردانا گیا بالخصوص عورت کے لیے تو گویا یہ ایک شجر ممنوعہ تھا کہ وہ اس عمل سے کسی قسم کا کوئی حظ یا لذت اٹھائے! جب کہ اسلام میں زوجین کے درمیان مباشرت میں حصول لذت کو ایک مقصد قرار دیا گیا ہے۔ (سورۃ الروم)

عیسائی مذہب کی جنسی اخلاقیات کے اس بہت ہی مختصر جائزے سے بآسانی یہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ رہبانیت نے انسان کی اس اہم ترین جبلت کو غیر ضروری طور پر دبانے کی وجہ سے ایک ایسی غلطی کا ارتکاب کیا جو انسانی نسل کو بڑھانے کا واحد ذریعہ ہے کیونکہ یہ واضح ہے کہ انسانی جبلّتوں کو مکمل طور پر ختم نہیں کیا جاسکتا!

انسانی زندگی میں جنسیت صرف ایک جبلت ہی نہیں بلکہ یہ انسانوں میں ایک قوتِ محرکہ اور زندگی کو رواں دواں رکھنے والا جذبہ بھی ہے۔ یہ ایک ایسی طاقت ہے جس سے انسانی کردار میں نظم وضبط پیدا ہوتا ہے۔ ایک انسان اس جذبے کا کس طریق پر اپنی زندگی میں مظاہرہ کرتا ہے اور اس کے غلط یا صحیح استعمال سے اس کی زندگی میں یا تو بگاڑ پیدا ہوجاتا

◆ یہ شخص دراصل یہودی تھا اور اس کا تمام خاندان بھی یہودیت کا پرچار کرتا تھا۔ اس کی اپنی ازدواجی زندگی کی ناکامی کے بارے میں بھی مغربی مفکرین نے شک وشبہ کا اظہار کیا ہے۔ اس نے عیسائیت میں یونانی افکار واعمال کا چلن عام کیا!

ہے یا وہ حسن عمل کا نمونہ بن جاتی ہے۔قوموں اور ملکوں کی سطح پر جب جنسیت کا بے محابہ اور غلط استعمال کیا جاتا ہے، جیسا کہ امریکہ اور مغربی ممالک میں عام طور پر ہو رہا ہے تو پھر ایسے حالات میں انسانی زندگی کا معیار اور اس کا سماجی تانا بانا روبہ زوال ہو جاتا ہے۔تاریخ اس امر کی گواہ ہے کہ جہاں اور جس دور میں بھی جنسی اعمال بے لگام ہو جاتے رہے تو اس کا لازمی نتیجہ اس قوم، ملک اور معاشرے کے لئے بحیثیت مجموعی بہت برے اور دوررس اثرات کی شکل میں ظاہر ہوا ـــــ تاریخ میں روم و یونان اور قدیم مصری تہذیبوں کا معدوم ہو جانا اس امر کا واضح ثبوت ہے کہ جب ان تہذیبوں اور ممالک میں جنسی افعال کا چلن عام ہو گیا تو ان اقوام کا دنیا سے وجود ختم ہو گیا اور اب ان تہذیبوں کا ذکر صرف تاریخ کے صفحات میں ہی ملتا ہے۔ایسے حالات میں خاندان کا ادارہ سب سے زیادہ اور بری طرح سے متاثر ہو کر تباہ ہو جاتا ہے کیونکہ بے محابہ جنسی افعال میں ملوث ہونے سے شادی/ نکاح کا تقدس ختم ہو جاتا ہے ـــــ واضح رہے کہ شادی/ نکاح کی بناء پر صرف نسل انسانی ہی میں اضافہ نہیں ہوتا بلکہ اس کے نہ ہونے کی وجہ سے انسانوں کے درمیان پائی جانے والی فطری خواہش اور جذبۂ محبت وخیر سگالی جو ایک دوسرے ساتھ ہمدردی اور تعاون کے ضرورت مند ہوتے ہیں اور جو جنسی عمل کے علاوہ، زوجین کو ایک دوسرے کے ساتھ جوڑنے کے لئے ایک مستقل تعلق کی بنیاد بنتے ہیں، وہ بھی تباہ ہو جاتے ہیں۔انسانی معاشرے اور بالآخر تہذیب وتمدن کے قیام کے لیے ایک مرد اور عورت (بطور شوہر اور بیوی) ایک ایسے مستقل اور دیرپا تعلق کو استوار رکھنے کے ضرورت مند ہوتے ہیں جس سے وہ ایک دوسرے کے ساتھ باہمی رفاقت اور پیار محبت قائم رکھ سکیں۔دونوں میں بچوں کی خواہش ایک ایسے جیون ساتھی کی متلاشی ہوتی ہے جس کے ساتھ وہ ایک خوشحال خاندان کی شکل میں زندگی گذار سکیں۔اللہ تعالیٰ نے مرد و عورت کے درمیان ایک ایسی طلب اور محبت کے جذبات پیدا کر دیئے ہیں جو ہر وقت اس امر کے متقاضی ہوتے ہیں کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ رہ کر ایک خاندان اور معاشرے میں زندگی بسر کر سکیں۔زوجین کی حیثیت سے دونوں ایک دوسرے کے ساتھ جڑے رہتے

ہیں تا کہ وہ ایک مشترکہ مقصد زندگی (بچوں کی پرورش اور دیکھ بھال) کا فریضہ سرانجام دے سکیں۔ مرد وزن کے درمیان جنسی محبت اور لذت کوشی ایک ایسا محرک ہے جو دونوں کے لئے ایک معاشرتی زندگی استوار کرنے کی بنیاد بنتا ہے اور تمام عمر ایک مستقل قوتِ محرکہ کا کام کرتا رہتا ہے (سید مودودیؒ ۲۰۰۰)

انسانی زندگی میں جنسیت کا موضوع انفرادی اور اجتماعی زندگی کے دونوں پہلوؤں پر محیط ہے۔ خاکہ نمبر ا کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اس کا تعلق تولید تناسل کے ذریعے نہ صرف نوعِ انسانی کے دنیا میں فروغ وتسلسل سے ہے بلکہ انسان کی معاشرتی زندگی کے نقطہ نظر سے بھی اس کی از حد اہمیت ہے۔ نکاح کے ذریعے ایک خاندان وجود میں آتا ہے جس کی ضرورت انسانی زندگی میں ذہنی، جسمانی، نفسیاتی، جذباتی اور اخلاقی نشوونما کے لئے از حد ضروری ہے اور بالآخر جس کا دائرہ بڑھتے بڑھتے قبائل اور اقوام کے قیام اور انسانی تہذیب وتمدن کی شکل میں نمودار ہوتا ہے۔

انسانی زندگی میں قحبہ گری، زنا، جنسی تشدد (عورتوں، مردوں، بچوں کے ساتھ ہمہ اقسامِ تشدد) بھی اسی جنسیت کے بگاڑ کی مختلف صورتیں ہیں۔ انسان کی انفرادی زندگی میں عارضی ومستقل بانجھ پن (Infertility/ Sterility) نیز تولیدی امراض کے مسائل کے علاوہ جنسی انحرافات (Sexual Perversions) از قسم مشت زنی، لواطت، ہم جنس پرستی/ (Gaysim) اور عورتوں میں ہم جنس پرستی (Lesbianism) کا تعلق بھی جنسیت کے ساتھ وابستہ ہے۔ مزید برآں بے لگام جبلت (Free Sex) کے نتیجے میں ناجائز حمل، غیر شادی شدہ ماؤں کا وجود (Unwed Mothers)، ناجائز بچوں کی پیدائش (Illegitimate Births) اور اس سے متعلقہ مسائل از قسم اسقاطِ حمل (Abortion) وغیرہ بھی چند ایسے مسائل ہیں جن کا ایک گہرا تعلق براہ راست یا بالواسطہ جنسیت کے ساتھ ہے۔

آزاد جنسیت کے فروغ کی وجہ سے انسانیت کو متعدد امراضِ خبیثہ از قسم سوزاک، آتشک وغیرہ کا بھی سامنا رہا ہے جو زمانہ قدیم سے انسانوں کی ایک بڑی تعداد کو لاحق ہوتے

گوشوارہ نمبر ا: انسانی زندگی میں جنسی جبلت کا اہم کردار

I- شادی/ نکاح/ پیدائش (خاندان/ قبیلے/ اقوام/تہذیب)

II- جسمانی جذباتی اور نفسیاتی تسکین

III- سماجی مسائل (طلاق/ خاندانی تفریق/غیر شادی شدہ مائیں/ ناجائز بچوں کی پرورش)

IV- صحت کے مسائل (بانجھ پن/جنسی امراض بالخصوص ایڈز)

V- جنسی تشدد (گھروں میں بچوں/عورتوں پر تشدد)

VI- جنسی انحرافات (مشت زنی/لواطت (مردوزن)

رہے ہیں تاہم موجودہ زمانے میں ایک مہلک ترین بیماری ایسی بھی ہے جس کا نہ صرف یہ کہ ابھی تک کوئی شافی علاج دریافت نہیں ہوسکا بلکہ کوئی ایسا طریقہ بھی فی الحال دریافت نہیں ہوا جس کے ذریعے اس کے خلاف انسانی جسم میں قوتِ مدافعت (Immunity) ہی پیدا کی جاسکے اس بیماری کا نام (AID's) ہے جو ایک وائرس کی وجہ سے مباشرت وجنسی افعال کی ہمہ اقسام (طبعی اور غیر طبعی) کے ذریعے پھیلتی ہے اور نہ صرف ایسا انسان اس بیماری کو دوسرے انسانوں تک منتقل کرنے کا سبب بنتا ہے بوجہ زنا وغیرہ بلکہ ایسا شخص اپنی ذات کو لاحق ہونے والی دیگر بہت سی عام بیماریوں کے خلاف بھی مؤثر دفاعی نظام (Immunity System) کی صلاحیت بھی کھو بیٹھتا ہے اور آئے دن نت نئی عام بیماریوں (نزلہ/زکام) کا ہمہ وقت شکار رہتا ہے اور یوں بالآخر سسک سسک کر مرجاتا ہے۔

انسانی زندگی میں جنسی جبلت کی اس اہمیت اور ضرورت کی وضاحت کے بعد یہ امر واضح کرنے کی ضرورت ہے کہ الہامی ہدایات (اسلام) کی اس واضح اور دوٹوک موقف کے علی الرغم، انسان کی یہ بدقسمتی ہے کہ نہ صرف اس نے ان روشن ہدایات کی خلاف ورزی کی بلکہ بنی اسرائیل نے تو اپنے انبیاء علیہم السلام پر نہ صرف متعدد نہایت گھناؤنے الزام لگائے بلکہ ان کی عائلی زندگی کو بھی متہم کرنے سے باز نہیں آئے۔ اسی سلسلے میں انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی زندگی پر بھی کیچڑ اچھالی۔ (محمد آفتاب خان، امّ انس ۲۰۲۰)۔ منافقین مدینہ کے لیڈر عبداللہ بن ابی نے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا صدیقہ پر جو الزامات لگائے، ان کا رد خود قرآن کریم میں کردیا گیا (سورہ النور)۔ اسی طرح قرآن کریم کی مختلف سورتوں (سورہ النسا، الاحزاب اور التحریم، الطلاق) میں عائلی زندگی سے متعلق قوانین اور ہدایات نہایت تفصیل کے ساتھ زیر بحث آئی ہیں جس کے بارے میں تفصیلاً گفتگو ہم آئندہ صفحات میں کریں گے۔ تاہم یہ امر نہایت افسوس ناک ہے کہ حضور ﷺ کی عائلی زندگی (بالخصوص تعدد ازواج، لونڈیوں کا مسئلہ وغیرہ) کے بارے میں جو امور یہود ونصاریٰ کو حضور ﷺ کی حیات میں نہیں سوجھے تھے، وہ ایک عرصے بعد ماضی قریب میں مستشرقین کو سوجھے۔ ان

میں ولیم میور (William Muier) ڈیوڈ مارگولیتھ (David Margoliouth) اور واٹ (W.W. Watt) جیسے مشہور نام شامل ہیں۔ان تمام نے معروضی ریسرچ (Objective Research) اور علمی تحقیق کے نام پر عرصہ دراز سے یہ سلسلہ جاری رکھا۔ یہاں یہ بتانا بہت ضروری ہے کہ صلیبی جنگوں ۱۰۹۶ (Crusades تا ۱۲۷۱) میں یورپ کے عیسائی پادریوں نے اسلام کی بڑھتی ہوئی طاقت اور وسعت پذیری کو روکنے کے لئے یہ سلسلہ سینکڑوں سالوں سے جاری رکھا ہوا ہے۔انہوں نے اس قسم کا پروپیگنڈہ اس زوروشور سے جاری رکھا کہ اس کے اثرات آج بھی یورپ کے عوام اور خواص ہی نہیں بلکہ درج بالا اور زمانۂ حال کے اہل علم (Ruben Levy 1962) وغیرہ بھی کسی نہ کسی شکل میں اسے جاری رکھے ہوئے ہیں۔اس سے بھی زیادہ افسوسناک یہ امر ہے کہ اس پروپیگنڈے سے بہت سے مسلم اہل علم بھی متاثر ہوکر یہی راگ الاپنے لگے اور ہمارے کالجوں، یونیورسٹیوں کے پروفیسر صاحبان بھی اپنے طلبا/ طالبات کو (بغیر کسی تنقیدی حقائق) یہی سبق دہرانے لگے اور یوں اس قسم کے اعتراضات نسل نو میں اسلامی تعلیمات کے بارے میں پھیل رہے ہیں۔ یہ امر باعث اطمینان ہے کہ ماضی قریب میں بہت سے مسلم اور غیر مسلم اہل علم نے ان نام نہاد ''معروضی علمی کوششوں'' کا بہت دقتِ نظر کے ساتھ تفصیلی جائزہ لیا ہے (سید سلیمان ندوی، ۱۹۰۹، سید مودودیؒ ۱۹۷۹، نعیم صدیقی ۱۹، اور جبل محمد بابن (Jabal Muhammad Babun, ۱۹۹۸)

ہم اپنی تمام تر علمی بے بضاعتی اور عملی کمزوریوں کے باوجود یہ کہنا چاہیں گے کہ ہم کسی ایسی ''معروضی علمی تحقیق'' کو اس بھاری بھرکم اصطلاح کی وجہ سے ماننے سے انکار کرتے ہیں کیونکہ مغربی اہل علم کا یہ ایک معروف طریقہ ہے کہ وہ ہر ایسی بات کو اس اصطلاح کے پردے میں بیان کرتے ہیں جس کا تعلق اسلام، پیغمبر اسلام ﷺ یا الہامی ہدایت سے ہو تاہم وہ اس کے خلاف ہرزہ سرائی کرنا چاہتے ہوں۔اور جس سے ان کے مخصوص ذہن (اسلام دشمنی) کی عکاسی ہوتی ہے ـــــ اس لحاظ سے ہمارے نزدیک یہ اصطلاح قابل

قبول نہیں۔ہم معروضی طریق تحقیق صرف صرف اس طریقے کو ہی سمجھتے ہیں جو

☆......عام عقل وفہم کے ذریعے سمجھی اور سمجھائی جاسکتی ہو۔

☆......جس کے لئے دوراز کار تاویلات،توضیحات یا دلائل کی ضرورت پیش نہ آتی ہواور

☆......سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ انسانی فطرت (دل/ دماغ) سے میل کھاتی ہو۔نیز

☆...... ہر ایسا طرز تحقیق جو مخصوص رنگ کی عینک سے حالات کا مطالعہ کرے اور اس سے صرف وہی معنی اور مطلب اخذ کرے جو صاحب تحقیق کے ذہن میں پہلے سے موجود ہوں اور وہ اسے کسی خاص پس منظر کے ساتھ ثابت کرنے کی کوشش کرے، ہمارے نزدیک وہ نتیجہ/ نتائج کسی طرح بھی اس علمی اصطلاح کے زمرے میں نہیں آتا!...... ہم بلاکسی احساسِ کمتری/ برتری میں مبتلا ہوئے، اور دینی امور، تاریخ اور علمی معاملات میں کوئی بھی جارحانہ انداز اختیار کیے بغیر، تمام علمی مسائل کی تشریح وتوضیح اس انداز سے کرنا چاہتے ہیں جس طرح ایک متوازن شخصیت کا حامل فرد فطری انداز میں سوچ بچار کرتا ہے۔

ہم نے اس موضوع پر اپنی مختلف کتب (دیکھئے حوالہ جات) میں بھی ان دینی اور تاریخی موضوعات پر گفتگو کرتے ہوئے،اسی سوچ کا اظہار کیا ہے۔آج اس امر کی ضرورت اس لیے بھی پیش آرہی ہے کہ گذشتہ تین چار صدیوں سے پاکستان اور ہندوستان میں رہنے والی امت مسلمہ نے جس طریق پر قرآن وحدیث نیز سیرتِ طیبہ ﷺ کی تعلیمات کے چشمہ ٔ ہائے صافی سے اغماض برتا اور منبر ومحراب سے اسلام کی تعلیمات سے انہیں آگاہ کرنے کی کوششیں، خلافت راشدہ کا نظام ختم ہونے کے بعد کم سے کم تر ہوتی چلی گئیں، ضرورت ہے کہ آج امت مسلمہ کے سامنے اسوۂ رسول ﷺ کو اجاگر کیا جائے۔

لا پھر اک بار وہی بادہ و جام اے ساقی
ہاتھ آ جائے مجھے میرا مقام اے ساقی!

(علامہ اقبالؒ)

باب دوم

موجودہ زمانے میں مسلمان خواتین کی حالت زار

انسانی زندگی میں خاندان ایک ایسا ادارہ ہے جو مرد و زن کے رشتہ مناکحت کے نتیجے میں وقوع پذیر ہوتا ہے۔ زمانہ حال میں خاندانی سطح پر بھی مسلمان مرد اور عورت اس حالت سکون و اطمینان سے زندگی نہیں گزار رہے جسے قرآن نے مودت و رحمت قرار دیا ہے۔ (سورہ الروم:١٩) اگر مرد معاشی پریشانی کی وجہ سے اپنی بیوی بچوں کے لیے نان ونفقہ کے علاوہ ان کی تعلیم و تربیت، صحت و تندرستی، مناسب رہائش اور دیگر سہولتوں کا انتظام نہیں کرسکتا تو دوسری جانب گھریلو خاتون، ہر وقت ایک ایسی پریشانی میں مبتلا رہتی ہے جہاں وہ اپنے بچوں کو بھوک سے بلبلاتا دیکھتی ہے، ان کی تعلیم و تربیت کا انتظام نہ ہونے پر دل گرفتہ رہتی ہے، ان کے لیے رہائش اور صحت وتندرستی کی مناسب سہولتوں کے فقدان کی وجہ سے ذہنی کشمکش اور پریشانی میں مبتلا رہتی ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسے حالات میں خاوند کے گھر آنے پر جب وہ اپنی پریشانیوں، اور تنگ دستی سے مجبور ہو کر ان امور کا تذکرہ اس کے ساتھ کرتی ہے تو خاوند، جو خود بھی اس قسم کی پریشانیوں کا شکار ہوتے ہیں، اس وجہ سے میاں بیوی کے درمیان تلخی اور غم وغصہ کے جذبات جنم لیتے ہیں جو بالآخر لڑائی جھگڑے کا پیش خیمہ ثابت ہوتے ہیں ـــــ ہمارے پڑھے لکھے اور دولتمند طبقے کے مرد وخواتین، اس لڑائی جھگڑے کو تشدد پر محمول کرتے ہیں (اگرچہ یہ کسی حد تک یہ صحیح بھی ہے) تاہم اس تشدد کی وجوہات جس میں معاشی تنگ دستی، جو ایک بہت بڑا فیکٹر ہے کو نظر انداز کر دیتے ہیں اور جب اس کا ایک ''نیم حکیمانہ'' حل حکومتی اداروں کی جانب سے کسی آرڈیننس یا قانون سازی کی شکل میں آتا ہے تو اس پر مثبت اور مخالف ہر دو جانب سے ایک طوفانِ بے محابہ کا

آغاز ہو جاتا ہے ــــــ ہر شخص اس بخار (تشدد) کا ذکر کرتا ہے اور اپنی دانست میں اس کے علاج کی تدابیر کا بھی بہت شدومد کے ساتھ اظہار کرتا ہے تاہم جن وجوہات کی بناء پر یہ بخار/تشدد ہوتا ہے، ان کی جانب اور ان کی اصلاح کی جانب کوئی توجہ نہیں کرتا ــــــ واضح ہو کہ اس کا واحد حل ایک ایسے نظامِ حکومت کا قیام ہے جہاں وسائل کی تقسیم منصفانہ ہو، جہاں ہر شخص کو (بلا لحاظ مذہب، عقیدہ، جنس، رنگ و نسل وغیرہ) رزق کی فراہمی، علاج معالجہ کی سہولت حصولِ تعلیم اور چھت کی فراہمی، حکومت کا فرض اولین ہو اور اگر حکومت اپنے اس فرض اولین سے کسی درجے میں بھی غفلت کا شکار ہو تو ان سب کے لیے لازم ہو کہ وہ اپنی تمام تر توجہات اور توانائیاں، ایسی نااہل حکومت کے خاتمے اور ایک اچھی قیادت کو برسر اقتدار لانے پر صرف کریں۔ لیکن مجال ہے جو کسی کے منہ سے یہ بات نکلے۔ ایسے عالم میں، جو لوگ اس قسم کی بات کہتے ہیں، ان پر اقتدار پر قابض قلیل طبقے کی جانب سے نیز منبر و محراب سے بھی ''اقتدار طلبی'' کی پھبتی کسی جاتی ہے! ــــــ یہ ایسے ہی ہے کہ تبدیلی اقتدار کا مطالبہ کرنے والے تو وہ لوگ ہیں جو کسی ''فعل ممنوعہ'' کا ارتکاب کرنے چلے ہیں جبکہ اقتدار پر قابض اور ان کے ہم نوا وہ لوگ ہیں جنہیں وحی خداوندی کی بناء پر من مانی ناجائز اور غیر انسانی طرز حکومت کرنے کا اختیار حاصل ہے!

خاندانی سطح پر تنگ دستی اور معاشی بدحالی کے بعد تشدد اور پریشانی کی اہم ترین وجہ دین سے دوری، اغماض اور لاعلمی ہے اور امت کا من الحیث المجموع منافقانہ رویہ ہے۔ قریباً ایک ہزار سال تک ہندوؤں کے ساتھ رہنے سہنے اور گزشتہ دو تین صدیوں میں بالخصوص انگریز کی سیاسی اور تہذیبی غلامی کا یہ نتیجہ نکلا ہے کہ معاشرہ دو حصوں میں تقسیم ہو کر رہ گیا ہے۔ ایک حصہ (جو غالب اکثریت میں ہے) غرباء، متوسط طبقے، بشمول اپر مڈل کلاس کے ہندووانہ تہذیب اور رسم و رواج کا اسیر ہے۔ اس طرز عمل کو گزشتہ ۴/۵ دہائیوں کی حکومتی پالیسیوں اور میڈیا کی یلغار کی وجہ سے بہت زیادہ پذیرائی حاصل ہوئی ہے۔ جبکہ معاشرے کا دوسرا خوشحال طبقہ ایسے لوگوں پر مشتمل ہے (جو نہایت قلیل تعداد میں ہے)

جس نے گزشتہ سالوں میں ناجائز طریقوں، رشوت، لوٹ کھسوٹ کے مروجہ طریقوں سے اپنی اوقات ◆ سے زائد دولت اکٹھی کر کے مغربی طرز معاشرت اختیار کر لی ہے ـــــ ہر دوطبقوں کے لوگ اپنی اپنی دانست میں ہندووانہ معاشرتی طریقوں اور مغربی تہذیبی چال چلن پر نہایت سختی کے ساتھ کاربند ہیں جبکہ معاشرتی زندگی میں اسلامی طور طریقوں اور ہدایات ربانی و اتباعِ رسول ﷺ کو یکسر نظر انداز کر دیا گیا ہے جن پر عمل پیرا ہونے سے نہ صرف اس دنیا میں بہت ہی آسانیاں ہیں بلکہ اس میں ان کی اخروی فلاح کا راز بھی مضمر ہے!

اسلامی معاشرے میں اس دورنگی اور منافقانہ طرز عمل کا بدیہی نتیجہ معاشی کشمکش، معاشرتی ناہمواری اور نفرت کی شکل میں رونما ہو رہا ہے جس کے اثرات گھر گھر دیکھے جا سکتے ہیں۔ بے شمار معاشرتی مسائل کی جڑوں میں آپ کو یہی دو وجوہات کار فرما نظر آئیں گی۔ والدین، اپنی بیٹیوں کے رشتوں کے لیے مناسب بَر کی تلاش میں سرگرداں رہتے ہیں تا آنکہ بیٹیوں کی مانگ میں چاندی آنے لگتی ہے جبکہ لڑکے والوں کی نظریں جہیز (گاڑی، کوٹھی، اعلیٰ نوکری اور زیور وغیرہ) پر لگی ہوتی ہے اور یوں معاشرے کے لڑکے اور لڑکیاں طویل عرصے تک انتظار کرنے کے بعد جب شادی کے بندھن میں بندھتے ہیں تو چونکہ ہر دو فریقین، عمروں میں طوالت کے باعث، پختہ عادات و اطوار اختیار کر چکے ہوتے ہیں تو ایسے عالم میں ایک دوسرے کے ساتھ ذہنی و عملی موافقت اور باہمی ایثار اور Understanding نہیں ہو پاتی اور بہت ہی معمولی باتوں پر اختلافات کا آغاز ہو جاتا ہے جبکہ آغاز جوانی میں شادی ہونے کی صورت میں فریقین کی عادات پختہ نہ ہونے کی وجہ سے وہ ذہنی طور پر بہت زیادہ تعاون کرنے والے ہوتے ہیں۔ اور یوں ایسی شادیاں بالعموم تادیر قائم رہتی ہیں۔

◆ اشارہ ہے سینما گھروں کے باہر بلیک میں ٹکٹ بیچنے والے افراد اور معمولی حیثیت کے فونڈری مالکان نیز ملک و ملت سے بغاوت کر کے انگریز سے ناجائز زمین اور مراعات یافتہ نو طبقے کے افراد جو اس ملک کے نظام حکومت پر قابض ہیں! (وکیل انجم)

بچوں اور بچیوں کی تاخیر سے شادی کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہوتی ہے کہ اکثر و بیشتر مائیں، جنہیں اپنے بیٹے کے لیے بھانجی ربھتیجی لانے کا بہت ہی زیادہ اشتیاق ہوتا ہے (اور جو اکثر و بیشتر اپنے لڑکے کو دودھ معاف نہ کرنے کی دھمکی دے کر شادی کے لیے مجبور کرتی ہیں) وہی ماں ساس بن کر شادی کے چند دنوں بعد ہی اپنی بھتیجی ربھانجی کے خلاف ہو جاتی ہے اور یوں گھر میں ایک ایسی ''سرد جنگ'' کا آغاز ہو جاتا ہے جس کا بالآخر نتیجہ دو متحارب گروپوں کی شکل میں برآمد ہوتا ہے ــــ ایک جانب لڑکے کے ماں، باپ، بھائی، بہن اور دوسری جانب نو بیاہتا رنا تجربہ کار لڑکی ــــ خاوند بے چارہ، چکی کے ان دو پاٹوں کے درمیان پسنا شروع ہو جاتا ہے ــــ نتیجہ بالعموم فریق اول کی ''فتح عظیم'' کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے جبکہ فریق ثانی نہ صرف خود بلکہ اس کا خاندان ''شکست فاش'' سے دو چار ہونے کی صورت میں تمام عمر کے لیے اپنی اس ''ہار'' کا ماتم کرنے کے لیے زندہ رہ جاتے ہیں ــــ یا پھر اکثر حالتوں میں معاملہ عدالتوں کی نذر ہو جاتا ہے جہاں عدل و انصاف کا مذاق اڑانے والے وکلاء، عدالتی نظام اور طریق کار، فریقین اور معاشرے کو ایک طویل عرصے تک اس حالت عذاب میں مبتلا رکھتے ہیں، اور یوں موجودہ مسلم معاشرے میں، گھریلو سطح پر اس چپقلش کی ایک بہت ہی گھناؤنی شکل تشدد کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے (جس میں طبقہ نسواں کی ماڈرن خواتین پیش پیش ہوتی ہیں)۔

تشدد کی مختلف اقسام میں سے ایک بہت ہی بہیمانہ صورت تو وہ ہے جس کی بہت ہی خوبصورت انداز میں تصویر کشی، تہمینہ درانی نے اپنی کتاب ''مینڈ ا سائیں'' یا My Feudal Lord میں کی ہے۔ یہ کتاب اس نو دولتیے طبقے کے گھناؤنے اور مکروہ ترین چہرے کی ایک بہت ہی جامع تصویر پیش کرتی ہے جس میں جسمانی تشدد، جنسی تشدد، ذہنی اور نفسیاتی تشدد، غرضیکہ ہر قسم کے تشدد کی متعدد مثالیں ملتی ہیں اور مزید باعث حیرت یہ امر ہے کہ اس پر کسی NGO یا منبر و محراب کی جانب سے کوئی صدائے احتجاج بلند نہیں ہوئی جبکہ ہر دو فریق، مختلف مسائل رموضوعات پر ہنگامے، احتجاجی مظاہرے کرنے سے کبھی بھی

نہیں چوکتے لیکن طبقہ اناث پر ڈھائے جانے والے مظالم کا کوئی بھی نوٹس نہیں لیتا!____
فاعتبرو یااولی الابصار!

گھریلو پیمانے پر تشدد کی ایک اور بہت ہی بہیمانہ صورت ہمیں اخبارات ورسائل نیز الیکٹرانک میڈیا کے ذریعے روزانہ حاصل ہوتی رہتی ہیں جو بالعموم مڈل اور اَپر مڈل کلاس کے گھروں سے متعلق ہوتی ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اکثر اوقات نئی نویلی دلہن مٹی کے تیل کا چولہا پھٹ جانے سے مرجاتی ہے یا ساری عمر کے لیے اپاہج ہوکر رہ جاتی ہے____ اس المیے کا ایک بہت ہی انوکھا پہلو یہ ہے کہ کسی ایک واقعے میں بھی ساس، سسر، نند، دیور یا خاوند کے گھرانے میں سے کوئی ایک فرد کبھی بھی، چولہے کے پھٹنے یا آگ لگنے سے متاثر نہیں ہوا گویا برق گرتی ہے تو ''بیچاری نئی دلہن'' پر!____ سسرالی رشتے دار، ہمیشہ آگ کے اس ''عذابِ دنیوی'' سے محفوظ و مامون رہتے ہیں____ یہاں پر ہمیں کسی NGO کی جانب سے کوئی صدائے احتجاج یا مظاہرہ نظر نہیں آتا کہ وہ طبقہ اناث پر اپنے ہی طبقے کو اس ظلم وستم سے روکنے کے لیے کبھی کوشاں رہے ہوں۔ اسی طرح منبر ومحراب سے بھی عوام الناس کو یہ نہیں بتایا گیا کہ بروزِ قیامت، اللہ تعالیٰ، اس امر کو جاننے کے باوجود کہ ان حادثات میں کس کا کتنا حصہ تھا، وہ اس مظلوم لڑکی سے ہی پوچھیں گے ''تو کس جرم میں قتل کی گئی'' (سورۃ التکویر)____ کیا کبھی ہم نے یہ غور کیا کہ ایسا کیوں ہوگا؟ سوال تو مجرم/ ظالم سے کیا جاتا ہے نہ کہ مظلوم سے؟ واضح رہے کہ یہ امر اللہ تعالیٰ کے غیض وغضب کے انتہائی عالم کا ہوگا کہ وہ ایسے شقی القلب لوگوں سے بات کرنا بھی پسند نہیں فرمائیں گے جو ایسے گھناؤنے فعل کے مرتکب ہوئے تھے۔ (سورۃ التکویر تفہیم القرآن از سید مودودی ۱۹۹۹)۔ ایسے عالم میں فیصلے کی شدت اور سزا کے تصور سے ہی ایک مسلمان (عورت/مرد) کا رواں رواں کانپ جانا چاہیے!

معاشرتی اور گھریلو/ خاندانی مسائل کے بارے میں، ہمارے معاشرے کا ایک بہت ہی افسوسناک پہلو یہ بھی ہے کہ پیر اور مولوی صاحبان اور مدارسِ دینیہ کے بزرگان کی

جانب سے، ان مسائل کے حل کے بارے میں اللہ اور اس کے رسول کی ہدایت پر مبنی کبھی کوئی ایک لفظ بھی نہیں نکلا ___ اس کا یہ نتیجہ ہے کہ نوجوان نسل (بالخصوص طبقہ اناث) یہ سمجھنے پر مجبور ہے کہ شاید اسلام میں ان امور کے بارے میں کوئی راہ نمائی موجود ہی نہیں ہے اور اس تصور کو ٹی وی ر فلمیں اور دیگر ذرائع سے اس قدر پختہ کر دیا گیا ہے کہ کالجوں ر یونیورسٹیوں میں پڑھنے والے بچے ر بچیاں اس کے ذہنی طور پر قائل ہو گئے ہیں!

ایک ایسے دور میں جبکہ مسلمان عورت کو مرد و زن کی مساوات جیسی نام نہاد تحریکوں کے ذریعے ورغلانے کی کوششیں بہت تیزی کے ساتھ کی جا رہی ہوں، وہاں یہ امر نہایت ضروری ہے کہ مسلمان خواتین کو ان تمام حقوق و مراعات نیز ان ذمہ داریوں سے بھی آگاہ کیا جائے جو اسلام نے مرد و عورت پر ایک خاندان کے نظام کو چلانے کے لیے عائد کی ہیں۔ مزید براں یہ اس لیے بھی ضروری ہے کہ موجودہ دور میں مسلمان ممالک میں طبقہ اناث دینی تعلیم نہ ہونے کی بناء پر تشدد اور مختلف مسائل کا شکار ہے جس کی وجہ سے مسلم معاشروں میں طلاق کی شرح میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے اور یوں مسلم خاندانی نظام کے درہم برہم ہونے کا شدید خدشہ پیدا ہو گیا ہے جو دراصل مساوات مرد و زن اور اسی قسم کی دیگر عالمی تحریکوں کا ''مقصد وحید'' ہے!

اسلام نے عورت کو دنیا کے دیگر تمام مذاہب ر تہذیبوں اور نظامِ فکر کے مقابلے میں سب سے زیادہ حقوق و اختیارات عطا کیے ہیں اور انہیں انسانی زندگی میں برابر کا شریک ٹھہرایا ہے۔ یہاں اس امر کی صراحت شاید ضروری نہیں کہ ایک مسلمان عورت دانا اور عقلمند ہوتی ہے اور وہ نہ صرف خود دین سیکھ کر ان تعلیمات پر عمل کرنے کی خواہاں ہوتی ہے بلکہ دوسروں کی اصلاح کے لیے بھی کوشاں رہتی ہے۔ آج ضرورت اس امر کی ہے کہ ایک مسلم عورت، زندگی کے جس دور سے بھی گزر رہی ہو، اسے دینی تعلیمات سے آراستہ ہونا چاہیے۔ ایک طویل عرصے سے مسلمان عورت کی دینی تعلیم کے فریضے سے بہت زیادہ غفلت اور اغماض برتا گیا ہے۔ جس کی بناء پر وہ نہ صرف اپنے والدین، بھائی، بہنوں اور

خاوند کے ہاتھوں مختلف اقسام کے تشدد کا نشانہ بنی ہوئی ہے بلکہ اب تو اغیار نے بھی اسے اس شرف نسائیت سے محروم کرنے کا نشانہ بنایا ہوا ہے جس شرف سے یورپ/امریکہ اور دیگر غیر مسلم ممالک کی خواتین ایک عرصے سے محروم ہیں۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ موجودہ مسلم معاشروں میں مسلمان مرد اور عورت کی زندگی تناقضات کا شکار ہے۔ معاشرے کی غریب اور تنگدست خواتین کا تو کیا کہنا کہ وہ اپنی غربت اور تنگدستی کے ہاتھوں اپنی زندگی نہ جانے کس طریق پر گزارنے پر مجبور رہے ہیں۔ امر واقعہ یہ ہے کہ وہ خواتین جو پڑھی لکھی ہیں (اور بہت حد تک دینی تعلیم سے بہرہ مند بھی ہیں) ان کا بھی یہ حال ہے کہ وہ دینی امور میں افراط وتفریط کا بری طرح سے شکار ہیں۔ شادی/بیاہ، غمی یا دیگر مذہبی رسم و رواج کی پیروی میں وہ اس حد تک غلو میں مبتلا ہیں کہ انھوں نے صرف ان چند رسم و رواج کو ہی دین سمجھ رکھا ہے جو کہ ملاں، پیر یا فقیر نے انہیں بتائے ہیں۔ انہوں نے خود قرآن حدیث اور سیرت سے یہ معلومات حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی۔ جبکہ والدین، حقوق العباد، دیگر بھائی بہنیں، رشتے دار، ہمسایوں اور بنی نوع انسان کی فلاح و کامیابی کے بارے میں نہ صرف بہت حد تک غافل بلکہ ان امور کو دینی تعلیمات بھی نہیں سمجھتیں۔ یہ کوتاہی یا لا پرواہی نتیجہ ہے دینی تعلیمات سے آگاہ نہ ہونے کا جس پر اسلام، نہ صرف ایک انسان کی زندگی بلکہ اس دنیا میں پائے جانے والوں تمام انسانوں کو بحیثیت مجموعی قائم کرنے کا خواہاں ہے یعنی اسلام ایک ایسی بنیاد پر زندگی کو استوار کرنے کا خواہاں ہے جس پر بغیر کسی پہلو کو نظر انداز کیے یا کسی دوسرے پہلو کو بہت زیادہ اہمیت دیئے، ہر چیز اپنے صحیح مقام پر صحیح انداز سے ایک متوازن طریقے پر قائم ہو۔

اسلامی تعلیمات (قرآن و حدیث اور سیرت طیبہ ﷺ) میں ایک ایسے مثالی اور معیاری خاندان کے بارے میں نہایت تفصیل کے ساتھ ہدایات دی گئی ہیں جن کا تعلق ایک فرد (عورت) کے اپنے رب کے ساتھ تعلقات (عبادات) سے لے کر اپنی ذاتی اصلاح و ترقی نیز دوسرے لوگوں کے ساتھ تعلقات کی بحالی بالخصوص اپنی عائلی/ازدواجی

زندگی کو نہایت مضبوط بنیادوں پر استوار کرنے سے ہے جو اس کی زندگی کو نہ صرف اس دنیا میں مسرت و شادمانی کی ضمانت فراہم کرتی ہیں بلکہ آخرت میں بھی سرفرازی اور کامیابی کی ضامن ہے۔

یاد رہے کہ دینی تعلیمات کا حصول از دواجی زندگی کے شروع ہونے سے قبل اس لیے بھی ضروری ہے کہ عورت کی گود میں اگلی نسل نے پرورش پانی ہے اور جس پر اس کی ذاتی زندگی کے اثرات مرتب ہوں گے۔ اس لیے یہ امر بہت ضروری ہے کہ وہ اس نسل کو ان اخلاقی روایات سے سرشار کرے اور ان کی زندگی کو محبت و اخلاص کے جذبات سے ہمکنار کر کے ایسے جذبات محبت پیدا کیے جائیں جن میں رحم، ہمدردی، اور ایسے ہی دیگر احکامات پر عمل کرنا آسان ہوتا کہ وہ سب ایک خاندان کے گھریلو ماحول میں سکون و اطمینان کے ساتھ زندگی بسر کر سکیں۔

یہاں اس امر کو واضح کرنے کی ضرورت بھی ہے کہ رحمت خداوندی نے، مسلمان عورت کو ہر قسم کے ہتک آمیز رویے سے بچایا ہے اور اسے بالکل ہی مردوں کے رحم وکرم پر نہیں چھوڑا بلکہ اسے اس قدر بڑا مرتبہ و مقام عطا فرمایا ہے کہ وہ نسوانیت کے ایک عظیم مرتبے پر فائز ہے۔ اسے اپنی ذات کے لیے روزی کمانے کے لیے تگ و دو کرنے کے بہت بڑے بوجھ سے نجات دی ہے۔ اسے مردوں کے برابر حقوق اور ذمہ داریوں سے بہرہ مند کیا ہے۔ مرد اور عورت، اللہ تبارک وتعالیٰ کی نظر میں نہ صرف برابر ہیں بلکہ ہر دو کو اپنے اپنے اعمال کے لحاظ سے جزا یا سزا ملے گی۔ قرآن کریم میں ایک سورت کا نام ہی النساء ہے نیز دیگر سورتوں میں خواتین کے بارے میں متعدد ہدایات از خود اس امر کی غماز ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں طبقہ اناث کی کس قدر اہمیت ہے۔

جیسا کہ بتایا گیا کہ ایک عورت اپنی ذاتی حیثیت میں (شادی سے قبل اور بعد) ایک ذمہ دار ہستی ہے جو اپنے معاملاتِ زندگی کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ کو براہِ راست جواب دہ ہے۔ اس کی زندگی، اگر اللہ اور رسول ﷺ کے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق بسر ہو تو

نہ صرف آخرت میں بلکہ اس دنیاوی زندگی میں بھی وہ ایک بہت ہی خوشحال اور اطمینان بخش طریق پر زندہ رہتی ہے۔ آئندہ صفحات میں اللہ کے رسول ﷺ کی عائلی زندگی کے حوالے سے گفتگو کی گئی ہے۔

جب ہم اس سوال پر غور کرتے ہیں کہ موجودہ دور میں مسلمان مذہبی راہنما کیوں نوجوان نسل کو صحیح ترین ازدواجی معلومات دینے میں ناکام رہے ہیں؟ــــ تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ مسلم ممالک میں اس کی اہم ترین وجہ دورِ حاضر میں اس موضوع پر تحقیقی کام اور کتب کی شدید کمی ہے جبکہ قرآن حدیث میں انسانی جنسیت کے بارے میں اس قدر گرانقدر راہنمائی موجود ہے کہ اس کا اندازہ کرنا بھی ایک عام انسان کے لیے نہایت مشکل ہے تاہم وہ تمام راہنمائی افادہ عام کے لیے پیش نہیں کی جا سکی ــــ گزشتہ چودہ صدیوں میں مسلم اہلِ علم اور فقہائے کرام نے قرآن و حدیث سے اخذ کردہ راہنمائی کی روشنی میں اس موضوع پر جس تفصیل کے ساتھ فقہی معلومات فراہم کی ہیں، ان کا ایک بہت ہی قلیل حصہ عوام الناس بالخصوص نوجوان طبقے کی راہنمائی کے لیے آسان انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

مزید برآں، جمعہ، عیدین اور دیگر بے شمار مواقع پر خطیب صاحبان اور دیگر مذہبی راہنما اپنے اپنے حلقوں میں نکاح/ بیاہ خاندانی نظام، میاں بیوی کے تعلقات، حقوق و اختیارات، بچوں کی پرورش و نگہداشت، نیز دینی تعلیم و تربیت اور اس قسم کے دیگر بے شمار موضوعات جن کا تعلق ایک مسلمان کی زندگی کے اس اہم ترین پہلو (جنسیت) سے ہے، کے بارے میں راہنمائی دینے میں ناکام رہے ہیں ــــ اس کی اہم ترین وجہ وہ مخصوص سماجی، معاشی، سیاسی، تعلیمی اور ثقافتی حالات رہے ہیں جن سے مسلمانانِ عالم گذشتہ تین چار صدیوں میں یورپین ممالک کی غلامی کی وجہ سے مبتلا رہے ہیں۔ جب تک مسلمانوں نے قرآن و حدیث کی بنیادی تعلیمات کو حرزِ جان بنائے رکھا اور ان احکامات کی تکمیل کرتے رہے تو اس وقت تک وہ دنیا پر حکمرانی کرتے رہے اور علمی و تحقیقی امور میں دنیا کے راہنما رہے تاہم جونہی انہوں نے تعلیماتِ الٰہی سے روگردانی کی تو وہ غلامی کے شکنجے میں

جکڑے گئے۔ اوائل اٹھارویں صدی عیسوی میں ہم مسلمانوں کو بتدریج روبہ زوال دیکھتے ہیں، لیکن اس کے ساتھ ساتھ یورپین اقوام نے سر اٹھانا شروع کر دیا اور انیسویں صدی عیسوی میں وہ اقوام عالم کے سردار بن گئے جبکہ مسلمانوں کو دنیا کی امامت اور پیشوائی کے منصب سے ہٹنا پڑا۔

علمی و تحقیقی کاموں کی شدید کمی کی وجہ سے گزشتہ دو تین صدیوں میں مسلمان نوجوان نسل کو زندگی کے اس اہم ترین پہلو (جنسیت) سے آگاہ کرنے کے لیے بہت کم کتب و رسائل اردو نیز انگریزی زبان میں تصنیف و تالیف ہوئی ہیں جبکہ عربی زبان میں متقدمین نے اس موضوع پر ڈھیروں علمی و تحقیقی کام سرانجام دیا۔ تاہم جب یورپین اقوام نے مسلمان ممالک کو فتح کر کے ان پر اپنا تسلط قائم کرلیا تو انہوں نے ان ممالک میں عربی/ فارسی زبانوں کی تعلیم و تدریس پر پابندی لگادی......اس پالیسی کے نتیجے میں مسلمان اقوام، اپنے حقیقی علمی ورثے سے محروم ہو گئے جو ان دونوں زبانوں میں قرآن اور حدیث و دیگر فقہی لٹریچر میں موجود ہے۔ اگرچہ بعد میں بیشتر ممالک غیر ملکی اقوام کے تسلط اور قبضے سے آزاد بھی ہو گئے تاہم ذہنی غلامی ابھی تک جاری ہے۔ اس صورت حال کے برعکس، مغربی ممالک میں اس موضوع پر بہت سے ماہرین نے نہایت عالمانہ تحقیقی کام سرانجام دیا مثلاً:

SIGMUND FREUD (1905), HAVELOCK ELLIS (1937) KINSEY AND OTHERS (1953 A,B) MASTER, W.H, AND V.E. JOHNSON (1966) وغیرہ نے بے شمار کتب اور رسائل شائع کیے۔

مسلم اہل علم کے اس علمی اور فقہی خزانے کو افادۂ عام کے لیے نہ بتانے سے ایک عام پڑھا لکھا شخص یہ نتیجہ اخذ کرنے پر مجبور ہے کہ مسلم اہل علم نے انسانی زندگی کی اس اہم ترین جبلت (جنسی) کے بارے میں کوئی راہ نمائی نہیں دی ــــــ گویا کہ مسلم امہ کا ماضی علمی طور پر بانجھ ہے!

درج بالا تصریحات سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ موجودہ دور میں مسلم ممالک میں

بھی اس موضوع (بلوغت اور عائلی زندگی کی تعلیم) سے متعلقہ مضامین کے مختلف پہلوؤں پر بہت زیادہ تحقیق کرنے کی ضرورت ہے تاہم اس قسم کی تمام تحقیق و تعلیم، قرآن اور حدیث کی بنیادی تعلیمات کی روشنی میں ہی کی جانی چاہیے۔(اور یا مقبول جان ۲۰۰۶ء، انیس احمد ۲۰۱۲ء، انصار عباسی ۲۰۱۲ء) تاکہ تمام مسلم ممالک میں نوجوان نسل کو درپیش جنسی مسائل کے حل کے لیے راہ نمائی مل سکے۔ تاہم یہاں اس امر کی صراحت بہت ضروری ہے کہ اسلامی تعلیمات کا دائرہ صرف نماز، روزہ اور دیگر عبادات تک ہی محدود نہیں۔ جو لوگ اپنی عملی زندگی میں تمام احکاماتِ الٰہیہ (قرآن و حدیث) کی پابندی کرنا چاہتے ہیں ان کے لیے یہ بہت ضروری ہے کہ وہ اسلام کی ان تعلیمات سے بھی آگاہ ہوں جو اسلام نے ازدواجی زندگی کے بارے میں دی ہیں بالکل اسی طرح ضروری ہے جس طرح کوئی مرد یا عورت روزانہ نماز کی ادائیگی کے لیے نماز پڑھنے کا طریقہ سیکھتا ہے۔ چونکہ مسلمان نوجوان، موجودہ دور میں انٹرنیٹ، ڈش وغیرہ کے ذریعے غیر اسلامی حرکات سے آگاہ ہو رہے ہیں پس ان کے لیے یہ بہت ضروری ہے کہ وہ شریعت کی بتائی گئی جنسی تعلیمات سے بھی آگہی حاصل کریں تاکہ وہ اپنی زندگی کو ان تعلیمات کی روشنی میں گزار سکیں۔ مزید برآں، چونکہ مسلمانوں کی ایک معتد بہ تعداد مغربی ممالک اور امریکہ میں بھی رہائش پذیر ہیں اور ان کے بچے براہ راست ان ممالک کی تہذیبی و ثقافتی روایات و اقدار سے روشناس ہونے کے علاوہ وہاں کے تعلیمی اداروں میں تعلیم بھی حاصل کر رہے ہیں اس لیے ان کے لیے بالخصوص یہ بہت ضروری ہے کہ وہ اسلام کی جنسی اقدار اور روایات اور تعلیمات سے بھی آگاہ ہوں۔ موجودہ زمانے میں ان ممالک میں رہنے والے والدین کے لیے یہ بہت ضروری ہے کہ وہ مغربی ممالک کے جنسی تعلیم کے نظام کی خرابیوں سے بھی آگاہ ہوں کیونکہ صرف ایسے والدین ہی ان خرابیوں کا صحیح طریق پر تدارک کر سکتے ہیں جنہیں ان خرابیوں کا بخوبی شعور و ادراک ہو۔

KHAN, M.A., G.H. RASSOL., S.A. MABUD AND M. AHSAN

SEXUALITY EDUCATION FROM AN ISLAMIC PERSPECTIVE ;

2020, CAMBRIDGE SCHOLARS PUBLISHERS, U.K.

یہاں اس امر کی صراحت ضروری ہے کہ اسلام ایک ایسا طرز حیات ہے جو دنیا کے تمام انسانوں کی ہدایت اور راہنمائی کے لیے بھیجا گیا ہے۔ یہ تعلیمات ہر قسم کے تعصب از قسم جنس، عمر رنگ ونسل، زبان، علاقے اور عقیدے سے بالاتر ہیں۔ ہر وہ شخص جو ان تعلیمات پر کھلے ذہن کے ساتھ غور کرنے کا متمنی ہو، وہ اس صداقت کی گواہی دینے پر مجبور ہوگا کہ یہ تعلیمات ہر شخص کی عقلی وعلمی پیاس کو بجھانے کی اپنے اندر بدرجہ اتم صلاحیت رکھتی ہیں۔ وہ لوگ جو مغربی ممالک میں رہتے ہیں، ان کے دل ودماغ میں جنسیت کے حوالے سے بہت غلط فہمیاں اور مغالطے پائے جاتے ہیں تاہم اس تمام تر پروپیگنڈے کے برعکس جو اسلام کے بارے میں یورپ اور امریکہ میں پایا جاتا ہے۔ اسلامی تعلیمات میں انسانوں کے جنسی معاملات جیسے پیچیدہ مسائل کے بارے میں، جس میں انسانیت موجودہ دور میں مبتلا ہے، بہت ہی متوازن راہنمائی دی گئی ہے اور یوں وہ سب لوگ اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی نہایت آسانی اور سکون وعافیت کے ساتھ گزار سکتے ہیں۔ تاہم یہاں اس امر کی صراحت بہت ضروری ہے کہ اسلام میں جنسی تعلیم کا تصور اور دیگر تفصیلات، مغربی تصورِ جنسی تعلیم سے کوسوں دور ہے۔ مغرب میں اس تعلیم کا مقصد نہ صرف جنسی حظ کا حصول ہے بلکہ اس کا اصل مقصد نوجوان نسل کو ایسے طریقوں سے آگاہ کرنا ہے جس کے ذریعے وہ آزادانہ جنسی عمل کے برے نتائج (ناجائز حمل، ایڈز وغیرہ) سے محفوظ رہ سکیں۔ یہاں اس امر کی جانب بھی اشارہ کرنا ضروری ہے کہ آزادانہ جنسی عمل (Free Sex) کا یہ تصور (جیسا کہ پہلے بھی بتایا جا چکا ہے) دراصل شاخسانہ ہے اس تصور حیات کا کہ اس دنیا میں کسی الہامی طاقت (اللہ/خدا/GOD) نے، انسان کی جنسی جبلت کو قابو میں رکھنے کے لیے کوئی ضابطہ تجویز نہیں کیا اور معاشرے کے افراد، جب چاہیں، جہاں چاہیں اور جس کے ساتھ بھی چاہیں، اس جبلت کی تسکین میں آزاد ہیں۔

موجودہ دور میں، مسلم والدین (جو مسلم ممالک میں رہتے ہوں یا یورپ/امریکہ و دیگر ممالک میں) اور انہیں اپنی اولاد کے بارے میں جن مسائل کا سامنا ہے، اس کتاب کے مندرجات ان کے لیے ہی لکھے جارہے ہیں۔ گذشتہ صفحات میں بھی ہم نے اپنی ایک انگریزی کتاب کا حوالہ درج کیا ہے جو حال ہی میں انگلستان سے شائع ہوئی ہے، اس کا مطالعہ بھی غیر ممالک میں رہنے والے مسلمان لوگوں کے لئے ضروری ہے۔

گذشتہ صفحات میں انہی گذارشات کے بارے میں پروفیسر عبدالرحمن عبد (مرحوم) نے علامہ اقبال کے کلام کے حوالے سے درج ذیل عبارت لکھی ہے جو یہ واضح کرنے کے لئے بہترین مثال ہے جس سے مسلمان عورتوں کا طبقہ دوچار ہے!

''ایک جنگ میں قبیلۂ طے کے سردار کی بیٹی قید ہو کر اس حالت میں آئی کہ اس کے سر پر دوپٹہ نہیں تھا۔ حضور رسالتماب ﷺ نے اپنی چادر اس کے سامنے کر دی کہ وہ سر ڈھانپ لے۔ اس ذکر پر اقبالؒ کو اپنی قوم کی بیچارگی یاد آگئی چنانچہ وہ درد و سوز کا پیکر بن کر کہتے ہیں کہ ملت اسلامیہ دنیا کی باقی اقوام کے مقابلے میں سیاسی، معاشی اور علمی لحاظ سے اس زبوں حالی میں ہے گویا ہمارے سر پر عزت و احترام کی چادر بھی نہیں ہے۔ ہمیں حضور ﷺ کی چادر اور پردہ داری کی زیادہ ضرورت ہے۔ ہم تو قبیلہ طے کی اس عورت سے بڑھ کر عریاں اور نادار ہیں۔

ما ازاں خاتونِ طے عریاں تریم
پیش اقوام جہاں، بے چادریم!

''ہم (امت مسلمہ) تو قبیلہ طے کی اس خاتون سے عریاں تر ہیں اور اقوام عالم میں تو ہماری حالت بے چارگی کی سی ہے!''

مغرب میں خواتین

درج بالا صفحات میں مسلم ممالک میں خواتین کی حالت زار کے بارے میں کسی حد

تک تفصیل سے اظہارِ خیال کیا گیا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ اپنے قارئین کو اس صورت حال سے بھی آگاہ کریں کہ اسلام میں ان لوگوں کے لیے بھی راہ نمائی ہے جس سے مغربی ممالک میں عورت دو چار ہے۔ ہمارے ہاں بالعموم یہ خیال کیا جاتا ہے کہ ان ممالک میں عورت بہت آرام دہ اور ایک آئیڈیل زندگی بسر کر رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلم ممالک میں بھی بہت سے لوگ ان کی پیروی کرنا چاہتے ہیں ـــــ مگر صورت حال یکسر مختلف ہے ـــــ اگر یہ کہا جائے کہ مسلم ممالک میں دینی تعلیمات کے زیر اثر خواتین جس قدر بہتر زندگی بسر کر رہی ہیں، اس سے بدر جہا بہت زیادہ خواتین مغرب میں نہایت تنگی کی زندگی بسر کر رہی ہیں ـــــ صبح سات بجے گھر سے دفتر کام پر (نہایت سردیوں بلکہ برفباری کی حالت میں) وہ ڈیوٹی پر جاتی ہیں اور دوپہر کے بعد (شام ڈھلے) جب گھر آتی ہیں تو گھریلو کام (کھانا پکانا، کپڑے دھونا، بچوں کی دیکھ بھال وغیرہ) علیٰ حالیہ برقرار رہتے ہیں اور خاوندوں کی طرف سے اسے یہ کہہ کر نظر انداز کر دیا جاتا ہے (just Sharing)۔ مغربی ممالک کے مردوں کا اس ''خراجِ تحسین'' کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ ''خاتون صرف اپنا حصہ ادا کر رہی ہے''! اس جملے کی تلخی/کاٹ کا اندازہ صرف وہ لوگ ہی کر سکتے ہیں جو یورپی لوگوں کی ذہنیت اور ان کی طرز زندگی سے آگاہ ہیں!

یورپ میں سولہویں سترہویں صدی عیسوی میں بعینہٖ یہی صورت حال پوپ/پادریوں کے رویے کی وجہ سے عورتوں کے بارے میں پائی جاتی تھی۔ عیسائی راہبوں بالخصوص سینٹ پال (Saint Paul) اور دیگر کی تعلیمات جو وہ بائبل کے نام سے پیش کرتے تھے (درآنحالیکہ یہ صحیح نہیں تھا) نکاح، ثانی کی اجازت نہ تھی۔ اس طرح طلاق ہونے کی صورت میں بھی شادی نہیں کی جا سکتی تھی (جسے وہ لوگ ''مہذب زنا'' کے نام سے پکارتے ہیں)۔ اس دوران، یورپ میں صنعتی انقلاب رونما ہوا تو دیہاتوں سے آبادی کا رخ شہروں کی جانب (Urbanization) ہو گیا کہ کارخانے زیادہ تر شہروں کے قریب واقع تھے۔ انہی ایام میں یورپ میں دو بڑی جنگیں لڑی گئیں اور یوں یورپ و امریکہ میں

کروڑوں مرد مارے گئے یا معذور ہو گئے یا ذہنی ونفسیاتی مریض بن گئے۔ یوں عورتوں کو اپنی اور دیگر خاندان کے لوگوں کی کفالت کے لیے گھر سے نکل کر کارخانوں میں کام کرنے کے لیے جانا پڑا۔ ان کی اس مجبوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے نوجوان صنعت کاروں نے نہ صرف ان کی عزت وعصمت کا سودا کیا بلکہ انہیں کم تر معاوضے پر زیادہ دیر تک کام کرنے پر مجبور کیا۔ انقلابِ فرانس کی وجہ سے یورپ میں اس نعرے کو پذیرائی حاصل ہوئی کہ لاکلیسا، لاسلاطین، لا الٰہ'' ___ یعنی ''انسانی زندگی کے لئے کسی الہامی ہدایت، بادشاہی نظام یا کسی اللہ کی ضرورت نہیں۔'' انسان، اپنی زندگی کے لائحہ عمل بنانے کا خود ذمہ دار ہے اور اگر کوئی کسی الہامی ہدایت پر ایمان رکھنا چاہتا ہے اور اپنی ذاتی زندگی میں اس پر عمل کرنا چاہے تو ایسا کرے تاہم اجتماعی زندگی کے جملہ معاملات کو کسی الہامی ہدایت کے تابع نہیں ہونا چاہیے ___ یوں یورپ/ امریکہ اور دیگر ممالک میں تحریک الحاد (Atheism) کو فروغ حاصل ہوا ___ اور اس نعرے کو اس حد تک وسیع (Generalize) دیا گیا کہ یورپین مفکرین نے اس کی لپیٹ میں تمام الہامی مذاہب (بشمول اسلام) کو بھی شامل کر دیا اور نام نہاد مسلمان اہل علم نے بھی اس کی متابعت میں وہی کچھ کہنا شروع کر دیا۔

اس موقعہ پر یورپی کلیسا اور صنعت کار کے اس ''ناپاک گٹھ جوڑ'' (Unholy Alliance) کا یہ نتیجہ نکلا کہ یورپ میں تحریک الحاد نے جڑ پکڑ لی۔ (سید مودودیؒ ۲۰۰۰) اور یوں اہل مغرب کی زندگی سے عیسائیت کو بے دخل کر دیا گیا اور خود پوپ نے بھی اپنے آپ کو ویٹی کن سٹی (Vatican City) کی چاردیواری میں ''محصور'' کر لیا!

ہم نے یہ طول بیانی صرف اس لیے کی ہے کہ اگر مسلم اہل علم و دین نے بھی نوجوان نسل میں جنسی انارکی کے اس بے محابہ طوفان کا بروقت احساس نہ کیا اور ان کی زندگی میں شادی/ بیاہ اور بالخصوص زوجین اور خاندانی نظام کی بحالی وقیام کے لئے ان مستقل ہدایات اور راہ نمائی کو عام نہ کیا، جو قرآن و حدیث اور اسوۂ رسول ﷺ میں موجود ہیں تو خدانخواستہ، عالمی پیمانے پر تحریک الحاد کو فروغ دینے کے لئے جس قدر منظم کوششیں یہود و

ہنود کی جانب سے کی جا رہی ہیں اور جس کا ایک بہت ہی سریع الاثر طریقہ جنسی انارکی کے طوفان کی شکل (ٹی وی، انٹرنیٹ، ڈش، موبائل فون وغیرہ) میں ہمارے گھروں میں داخل ہو چکا ہے اور جسے روز بروز نت نئے پروگراموں/طریقوں کے ذریعے تقویت حاصل ہو رہی ہے ان کے ذریعے نوجوان نسل نہ صرف ان ذرائع سے غلط معلومات حاصل کر کے گمراہ ہو رہی ہے۔ بلکہ وہ فحش فلموں اور دیگر عریانیت نگاری (PORNOGRAPHY INDUSTRY) سے متاثر ہو کر مختلف جنسی افعال میں عملاً ملوث بھی ہو رہے ہیں۔ یاد رہے کہ آج سے نصف صدی قبل اس قسم کے افعال کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا اور جس کے بارے میں حالیہ دنوں میں، ملک کے مختلف دانشور اور اہل علم نے اخبارات میں صدائے احتجاج بھی بلند کی ہے (جنرل عبدالقیوم ۲۰۱۲) انصار عباسی (۲۰۱۲)، غلام اکبر خان (۲۰۱۱)۔

درج بالا صفحات میں، ہم نے عیسائیت کے جنسی اخلاقیات کا ایک بہت ہی مختصر جائزہ لیا ہے تاہم اس سے بآسانی یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ عیسائیت نے انسان کی اس اہم ترین جبلت (SEXUAL INSTINCT) کو غیر ضروری طور پر دبانے کی وجہ سے ایک ایسی غلطی کا ارتکاب کیا ہے جو انسانی نسل کو بڑھانے کا واحد ذریعہ ہے کیونکہ یہ امر واضح ہے کہ انسانی جبلّتوں (بھوک، پیاس، آرام، جنسیت وغیرہ) کو ختم نہیں کیا جا سکتا۔ کسی بھی انسانی جبلّت کو اس طریق پر ختم کرنے کا جو نتیجہ نکلتا ہے، وہ برٹینڈ رسل BERTREND RUSSEL) (1970 کے الفاظ میں ''مذہبی راہ نماؤں کے عورتوں (ننوں NUNS) کے ساتھ ناجائز تعلقات بدستور قائم رہے۔'' اس طرح ایک دوسرے مورخ لیکی (LECKY, 1830-1903) اپنی کتاب تاریخ اخلاق یورپ (۱۸۹۷) میں یوں رقم طراز ہے کہ ''چرچوں میں ننوں کی قیام گاہیں قحبہ خانوں کا منظر پیش کرتی تھیں اور اکثر چرچوں کے تہہ خانوں میں بے شمار عورتوں اور بچوں کے ڈھانچے پائے جاتے تھے جہاں جنسی تشدد کے واقعات راہبوں کی جانب سے ظہور پذیر ہوتے تھے'' ___ ظاہر ہے کہ ایسے غیر انسانی اقدامات کا فطری طور پر یہی نتیجہ نکلنا چاہیے تھا۔'' عیسائیت کے ان غیر فطری اخلاقیات کے نتیجے میں جب یورپ

اور امریکہ میں دو عظیم جنگوں کے نتیجے میں مرد وزن کی آبادی میں تفاوت پیدا ہوا اور صنعتی انقلاب کی وجہ سے شہروں کی جانب آبادی کا بہاؤ ہوا (جس کا ذکر گذشتہ صفحات میں کیا جاچکا ہے) تو وہاں ایسے حالات پیدا ہو گئے کہ لوگ ایک دوسرے کو جانتے نہ تھے (جیسا کہ عام طور پر شہری زندگی میں ہوا کرتا ہے (اور فی زمانہ جس کا مظاہرہ اسلام آباد، کراچی، لاہور وغیرہ میں ہو رہا ہے) نیز شادی بیاہ کے بارے میں عیسائی مذہب کی خودساختہ۔۔۔ ناروا پابندیوں کی وجہ سے، عورتوں اور مردوں کو اپنی جنسی جبلّت کی تسکین کا جائز موقعہ نہ ملا تو پھر وہاں جنسی انارکی کا وہ طوفان بر پا ہوا جو بالآخر اس بے محابہ جنسی آزادی (FREE SEX) کی شکل میں ظہور پذیر ہوا جسے موجودہ زمانے کے امریکن اور یورپین دانشور اور اہل علم (SEXUAL TRAGEDY) اور (SEXUAL SUICIDE) کا نام دیتے ہیں (ALBERT, ELLIS, 1962; GILDER, G.F. 1972) یورپ اور امریکہ میں جنسیت کے اس بے محابہ طوفان کا ایک اور پہلو بھی ہماری توجہ کا مستحق ہے جسے آج کی دنیا میں ''مساواتِ مرد وزن'' یا (FEMINISM) کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ نہایت مختصر الفاظ میں اس تحریک/نعرے کے بارے میں بھی چند گذارشات پیش کی جائیں۔◆

تحریک مساواتِ مرد وزن: ایک اجمالی جائزہ

جیسا کہ درج بالا سطور میں بتایا گیا کہ عیسائی راہبوں بالخصوص سینٹ پال نے عیسائیت میں رہبانیت کو فروغ دیا جس کا مطلب جنسی جبلّت کو ختم کرنے کے لیے دنیاوی علائق کو تیاگ دینے اور لنگر لنگوٹ کس کر جنگلوں، پہاڑوں اور غاروں میں زندگی بسر کرنے سے ہے۔ نکاح ثانی کے مطلقاً حرام ہونے اور طلاق کی نفی کی وجہ سے یورپ میں تحریک اصلاح کلیسا (REFORMATION MOVEMENT) کا آغاز مارٹن لوتھر (MARTIN LUTHER) نے کیا اور یوں انقلاب فرانس کے نتیجے میں یورپ اور امریکہ آزاد جنسیت

◆ اس ضمن میں پروفیسر ثریا بتول علوی صاحبہ کی کتاب کا مطالعہ بہت مفید رہے گا۔

(FREE SEX) کے تصور سے آشنا ہوئے جس کا ذکر گذشتہ صفحات میں کیا جا چکا ہے!

اسی طرح یہ بھی بتایا جا چکا ہے کہ صنعتی انقلاب کی وجہ سے عورت گھر سے باہر نکل کر کام کرنے پر مجبور ہوئی۔ اس لحاظ سے اٹھارویں صدی عیسوی یورپ کی عورتوں کے لیے بالخصوص اور عالم انسانیت کے لئے بالعموم ایک ایسی منحوس صدی ثابت ہوئی جس کے آلام، ومصائب سے انسانیت آج تک نجات حاصل نہیں کر پائی۔ عورت جب گھر سے باہر نکلی اور صنعت کار نے اس کی محنت کا صحیح معاوضہ دینے میں لیت ولعل کیا تو اس کے خلاف ردعمل شروع ہوا جو بتدریج بڑھتا ہوا مظاہروں، جلسے جلوسوں اور ذرائع ابلاغ کی تشہیری مہم کے ذریعے روز بروز زور پکڑتا چلا گیا۔ یوں نتیجتاً صنعت کار/ سرمایہ دار کو انہیں مردوں کے برابر معاوضہ دینا پڑا اور ان کے اوقات کار میں کمی بھی کرنی پڑی۔ مزید چند دیگر سہولتیں بھی دیں۔

جب یورپ کی عورت نے یہ حق حاصل کر لیا تو اس کے بطن سے اس سوچ نے جنم لیا کہ آخر عورت شادی/ بیاہ کے چکر میں کیوں پڑے؟ چند دانشور خواتین نے انہیں سمجھایا کہ عورت کا جسم اس کی اپنی ملکیت ہے، اس لئے وہ کیوں شادی کے ذریعے کسی کی محکوم اور دست نگر بنے کہ اب وہ خود بھی کمانے کے قابل تھی؟ ـــــ مردوں نے اس سلوگن کو اپنے لیے نہایت خوش کن موقعہ جانا کہ اس طرح وہ خاندان کی کفالت کی ذمہ داری سے سبکدوش ہو گئے جب کہ جنسی جبلّت کی تسکین کے لئے وہ جس سے چاہتے اور جب چاہتے اور جہاں چاہتے کسی عورت سے بھی تعلق قائم کر سکتے ہیں اور اس تعلق کے نتیجے میں پیدا ہونے والے، بچے کی کفالت اور پرورش و دیکھ بھال کی ذمہ داری سے بھی بری الذمہ ہو سکتے ہیں ـــــ یوں عورت نے اپنے گلے میں وہ پھندہ از خود ڈال لیا کہ اب وہ اپنی ذات اور اس ناجائز تعلق سے پیدا ہونے والی اولاد کی خود کفالت کرنے پر مجبور ہو گئی ـــــ اور یوں، یورپ، امریکہ اور دیگر ممالک میں عورت، مردوں کے ہاتھوں صرف جنسی تسکین اور لذت کے حصول کا ذریعہ بن کر رہ گئی! (ثریا بتول علوی ۲۰۰۰)

انسانی زندگی میں، جنسیت کی اہمیت اور ضرورت کے بارے میں جو اشارات درج

بالاصفحات میں کیے گئے ہیں، ان کے مطالعے سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ جب اور جس جگہ بھی جنسیت اس قدر عام ہو جاتی ہے، جیسا یورپ اور امریکہ نیز دنیا کے دیگر مما لک میں ہے تو پھر وہاں معاشرے اور اس قوم کو اس کی بہت بھاری قیمت ادا کرنی پڑتی ہے۔ قدیم یونان، روم، ہندوستان اور مصری تہذیبوں کا خاتمہ اس امر کا واضح ثبوت ہے۔ نیز یہاں اس امر کی صراحت بھی ضروری ہے کہ دنیا بھر میں جہاں جہاں جنسی جذبے کی تسکین بے محابا انداز میں کی جا رہی ہے، وہاں خاندانی نظام تلپٹ ہو کر رہ گیا ہے۔ طلاقوں کی بھرمار، غیر شادی شدہ ماؤں کا ایک جم غفیر، حرامی بچوں کی لامحدود تعداد اور ان کے نتیجے میں پیدا ہونے والے دیگر بے شمار سماجی، قانونی مسائل اور جرائم اس قدر زیادہ ہو گئے ہیں کہ ان سے عہدہ برآ ہونا کسی قوم، ملک کے لئے ممکن نہیں۔ ایسے عالم میں خاندان کا ادارہ، جس کے ذریعے مستقبل کی نسل کی پرورش اور تربیت کا فریضہ سرانجام دیا جاتا ہے، وہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو کر رہ جاتا ہے۔

(WETZEL, J.R. 1995; WAIT, T.J AND M. GALLAGHER 1999)

اور یوں بالآخر وہ قوم صفحۂ ہستی سے معدوم ہو جاتی ہے اور اس کا ذکر تاریخ کے صفحات میں ہی باقی رہ جاتا ہے!

حذر اے چیرہ دستاں، سخت ہیں فطرت کی تعزیریں!

باب سوم

عالم عرب: مختصر تاریخی اور جغرافیائی حالات

سیرتِ رسول اللہ ﷺ کی عظمت کا صحیح ادراک کرنے اور اس کے مطابق اپنی زندگی میں عمل کرنے کا داعیہ پیدا ہونے کا خیال ایک انسان کے دل میں اس وقت ہی پیدا ہوسکتا ہے جب کہ اُسے آج سے چودہ سو سال قبل عرب کے جغرافیائی حالات اور تاریخی پس منظر کا علم ہو۔ موجودہ عرب ممالک بالخصوص مکہ، مدینہ اور سعودی عرب کو دیکھ کر ان حالات و واقعات کو صحیح طریق پر سمجھا ہی نہیں جا سکتا جب تک کہ ماضی کے ان حالات سے اسے واقفیت حاصل نہ ہو۔ ذیل میں ہم نہایت مختصر طور پر ان جغرافیائی حالات اور تاریخی نیز معاشی، معاشرتی، مذہبی اور قبائلی زندگی کے بارے میں معلومات درج کر رہے ہیں۔ جو رسولؐ اللہ کی بعثت سے قبل اور بعثت کے وقت تھے۔

اس ضمن میں ہماری تمام تر معلومات ان احوال و کوائف سے اخذ کردہ ہیں جو متعدد اہل علم نے سیرتؐ کی کتابوں میں درج کی ہیں ـــــ ان مہمات کتب میں شبلی نعمانی / سید سلیمان ندوی کی سیرت النبیؐ (۱۹۶۸)، شاہ معین الدین احمد ندوی کی تاریخ اسلام (۱۹۵۴)، نعیم صدیقی کی محسن انسانیت (۱۹۷۸)، مولانا صفی الرحمن مبارکپوری کی الرحیق المختوم (۱۹۷۶)، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی نبیؐ رحمتؐ (۱۹۸۷)، سید ابوالاعلیٰ مودودی کی سیرت سرور عالم (۱۹۷۹) اور پروفیسر عبدالرحمن عبد کی چار کتب سیرت بہت اہم ہیں بالخصوص شبلی نعمانی / سلیمان ندوی، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اور مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوری نے بہت تفصیل کے ساتھ ان جغرافیائی نیز تاریخی حالات پر روشنی ڈالی ہے۔ جن کے پڑھنے سے رسولؐ اللہ کی دعوت کی اہمیت اور کامیابی کے کٹھن مراحل کا اندازہ ہوتا ہے۔

کون سی منزل میں ہے، کونسی وادی میں ہے
عشق بلاخیز کا قافلۂ سخت جاں

سید ابوالحسن علی ندوی نے اپنی کتاب کے ایک باب میں اس عنوان کے تحت ''محمد رسولؐ اللہ جزیرۃ العرب میں کیوں مبعوث ہوئے؟'' بہت عمدہ بحث کی ہے جو پڑھنے کے لائق ہے۔ اسی طرح دیگر اہل علم نے بھی مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔ دلچسپی رکھنے والے حضرات براہ راست مطالعہ کر سکتے ہیں۔

لفظ ''عرب'' کے لغوی معنی بے آب و گیاہ زمین کے ہیں۔ یہ خطہ طبعی حالات اور جغرافیائی اعتبار سے بڑی اہمیت کا حامل ہے جو ہر چہار جانب سے صحرا اور ریگستان سے گھرا ہونے کے باعث بیرونی مداخلت سے محفوظ قلعہ کی مانند ہے۔ یہ دنیا کے تمام براعظموں کے عین درمیان میں واقع ہے اور خشکی/زمینی راستوں سے ان کے ساتھ جڑا ہوا ہے جس کی بناء پر یہ مختلف قوموں اور ملکوں سے تجارت وثقافت کے لحاظ سے مرکز کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس میں قدیم زمانے سے مختلف قومیں اور قبائل آباد ہیں۔ اسکے کل رقبے کا تخمینہ ۱۰ لاکھ سے ۱۳ لاکھ مربع میل لگایا گیا ہے۔

قرآن کریم سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں اپنے بیٹے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے کا حکم دیا۔ جب انہوں نے اس حکم کی تعمیل کی تو اللہ تعالیٰ نے پکارا ''اے ابراہیم علیہ السلام! تم نے خواب کو سچ کر دکھایا، ہم نیکوکاروں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں'' (سورہ الصافات ۱۰۳۔۱۰۷) باپ اور بیٹے دونوں نے مل کر خانہ کعبہ کی تعمیر کی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ساری دنیا کے لوگوں کو حج کرنے کے لئے آواز دی۔

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے۔ ان سے بارہ قبیلے وجود میں آئے جنہوں نے مکہ ہی میں بود و باش اختیار کی۔ ان کی معیشت کا دار و مدار زیادہ تر تجارت پر تھا۔ بعد میں یہ قبائل جزیرۃ العرب کے مختلف اطراف میں بلکہ بیرونِ عرب میں بھی پھیل گئے۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے ایک بیٹے قیدار کی نسل مکہ ہی میں پھلتی پھولتی رہی یہاں تک کہ

عدنان اور پھر ان کے بیٹے مَعَدّ کا زمانہ آ گیا۔ عدنان، نبی ﷺ کے سلسلۂ نسب میں اکیسویں پشت میں ہیں۔

قریش کا قبیلہ کنانہ سے وجود میں آیا یہ قبیلہ فہر بن مالک بن نفر بن کنانہ کی اولاد ہے۔ پھر قریش بھی مختلف شاخوں میں تقسیم ہو گئے جن میں قصی بن کلاب کے تین بیٹے عبدالدار، اسد بن عبدالعزیٰ اور عبد مناف بہت مشہور ہیں۔ ان میں سے عبد مناف کے چار بیٹے ہوئے جن سے چار ذیلی قبیلے وجود میں آئے یعنی عبد شمس، نوفل، مطلب اور ہاشم۔ انہی ہاشم کی نسل سے اللہ تعالیٰ نے ہمارے رسول ﷺ محمد ﷺ کا انتخاب فرمایا۔

تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ عدنان کی نسل جب زیادہ بڑھ گئی تو وہ چارے اور پانی کی تلاش میں عرب کے مختلف اطراف میں بکھر گئے ـــــ تہامہ میں بنو کنانہ کے خاندان رہ گئے تھے۔ ان میں سے قریشی خاندان کی بود و باش مکہ کے اطراف میں تھی۔ یہ بکھرے ہوئے اور پراگندہ لوگ تھے تا آنکہ قصی بن کلاب منظر عام پر آیا اور قریشیوں کو متحد کر کے انہیں شرف و عزت سے بہرہ ور کیا۔

قصی نے اقتدار سنبھال کر متعدد اصلاحات کیں۔ اس نے مکہ میں ''دارالندوہ'' تعمیر کیا جہاں تمام بڑے بڑے فیصلے ہوتے تھے۔ بحیثیت صدر وہ خانہ کعبہ کی خدمت اور کلید برداری کا کام سرانجام دیتا تھا۔ مزید حاجیوں کے لئے پانی کی فراہمی اور ان کی میزبانی کے فرائض بھی اس کے ذمہ تھے۔ قصی کا پہلا بیٹا عبدالدار تھا مگر دوسرا بیٹا عبد مناف، جو قصی کی زندگی ہی میں شرف و قیادت کے مقام پر پہنچ گیا تھا لیکن قصی نے تمام اختیارات اور مناصب کی وصیت عبدالدار کے لئے کر دی تھی۔ عبد مناف کی وفات کے بعد چچازاد بھائیوں کے درمیان اختلاف ہو گیا تاہم بعد ازاں انہوں نے مناصب کی تقسیم کر لی۔ چنانچہ سقایہ اور رفادہ (حاجیوں کی خدمت) کے مناصب عبد مناف کو مل گئے اور دارالندوہ کی سربراہی اور دیگر اختیارات عبدالدار کو حاصل رہے۔ عبد مناف نے اپنے حاصل شدہ مناصب کے لئے قرعہ ڈالا تو قرعہ ہاشم بن عبد مناف کے نام نکلا۔ لہٰذا ہاشم ہی نے عمر بھر یہ

خدمت سرانجام دی۔ ہاشم کی وفات پر ان کے بھائی مطلب نے ان کی جانشینی کی اور مطلب کے بعد ان کے بھتیجے عبدالمطلب بن ہاشم نے جو رسول اللہ ﷺ کے دادا تھے، نے یہ منصب سنبھال لیا۔ان کے بعد یہ منصب ان کی اولاد میں رہا حتیٰ کہ جب اسلام کا دور آیا تو حضرت عباس بن عبدالمطلب اس منصب پر فائز تھے۔

عرب کا قبائلی نظام:

ملک عرب مختلف قبائل کے درمیان تقسیم تھا جن کا نظام مختلف سردار چلایا کرتے تھے وہ سردار بہت زیادہ زیرک اور فہم و فراست کے مالک ہوتے تھے۔ وہ اپنے قبیلے کے لوگوں کے ساتھ بہت محبت اور رواداری کا سلوک روا رکھتے تھے۔ مال و دولت خرچ کرتے تھے اور داد و دہش کے ذریعے اپنی ذات کو عوام الناس اور دیگر قبائل کی نظر میں بڑا ثابت کرنے کے لئے بالخصوص شعراء کی نظروں میں مقبول بننے کے لئے کوشاں رہتے تھے (جو آج کل کی اصطلاح میں اس زمانے کے میڈیا کے اینکر پرسن ہوتے تھے کہ مال و دولت لے کر جسے چاہیں آسمان پر چڑھا دیں اور مخالف کو اس قدر ذلیل و خوار کردیں کہ وہ لوگوں کی نظروں میں گرجائے)۔◆

سیاسی حالات:

بظاہر اس موضوع کا کوئی براہ راست تعلق ہمارے اصل موضوعِ کتاب کے ساتھ نظر نہیں آتا تاہم ہجرتِ مدینہ کے بعد آپ ﷺ نے جو نظام قائم کیا، وہ آپ ﷺ کی سیاسی سوجھ بوجھ کا ایک بہت ہی نادر پہلو ہے۔آپ ﷺ کے ان اقدامات کے نتیجے میں

◆ موجودہ زمانے کے اینکر پرسنز کے لئے غور و فکر کا مقام ہے کہ انہیں ایک نسبت خاص ہے عرب کے جاہلانہ نظام کے شعراء سے!

زمانہ ایک حیات ایک، کائنات بھی ایک
دلیل کم نظری قصۂ قدیم و جدید!
(علامہ اقبالؒ)

نہ صرف یہود بلکہ متعدد قبائل کے درمیان ایک دستوری معاہدہ ہوا (اگر چہ یہود نے اس کی متعدد مرتبہ خلاف ورزی بھی کی) لیکن اسلامی حکومت کے قیام میں ان سیاسی حالاتِ عرب کو ایک اہم مقام حاصل ہے۔

سیاسی طور پر عرب، جن تین سرحدی غیر مما لک سے گھرا ہوا تھا، ان کی سیاسی حالت بہت انتشار اور انتہائی زوال کا شکار تھی۔ انسانیت بندہ و آقا کے دو طبقوں میں منقسم تھی۔ سارے فوائد سے سر براہان (بادشاہ) اور ان کے امراء وخاندان فائدہ اٹھا رہے تھے جب کہ سارا بوجھ عوام الناس اور غلاموں پر تھا۔ ان پر ظلم وستم کی بناء پر زندگی اس قدر تنگ کر دی گئی تھی کہ وہ حرفِ شکایت بھی زبان پر نہ لا سکتے تھے!

اندرونِ عرب قبائل جھگڑوں، فسادات اور مختلف اختلافات کا شکار تھے۔ بات بات پر تلواریں چل جاتی تھیں جن کا بیشتر شکار بوڑھے، عورتیں اور بچے ہوتے تھے۔

شبلی نعمانی اور سید سلیمان ندوی کی سیرت النبی ﷺ میں عرب کے قبائل اور ان کے رسم و رواج، چال چلن اور سیاسی و سماجی حالات کے بارے میں بہت تفصیل کے ساتھ لکھا ہے، جس کی ایک جھلک درج ذیل تحریر سے دیکھی جاسکتی ہے۔

''اگر چہ تمام جزیرۂ عرب ایک واحد ملک اور متحد قوم تھا تا ہم نہ تو تاریخ نے اس کے ملکی وقومی اتحاد کا نشان دیا اور نہ سیاسی حیثیت سے کسی زمانے میں تمام عرب ایک پرچم کے نیچے جمع ہوا۔ جس طرح گھر گھر کا الگ الگ خدا تھا، اسی طرح قبیلہ قبیلہ کے جدا رئیس تھے۔ شیبان، ازو، قضاعہ، اسد، طے، اوس، خزرج، ثقیف اور قریش کی الگ الگ ٹولیاں تھیں۔ جو دن رات خانہ جنگیوں میں مبتلا رہتی تھیں۔ بکر وتغلب کی ۴۰ سالہ جنگ کا ابھی ابھی خاتمہ ہوا تھا۔ کندہ اور حضر موت کے قبائل کٹ کٹ کر فنا ہو چکے تھے ـــــ تمام ملک قتل وغارت گری، سفا کی، خونریزی کے خطرات میں گھرا ہوا تھا۔ خاص حرم اور اشہر حرم میں بنو قیس اور قریش کے درمیان حرب فجار کا سلسلہ جاری تھا ـــــ ملک کا ذریعہ معاشی غارت گری کے بعد فقط تجارت تھی جو حج کے مقدس مہینے میں امن کی وجہ سے ممکن تھی لیکن اسے بھی وہ کبھی

بڑھا اور کبھی گھٹا دیتے تھے تا کہ جرائم پیشہ قبائل اپنا دھندہ جاری رکھ سکیں کیونکہ غارت گری ہی ان کا ذریعۂ معاش تھا۔۔۔۔ مکہ کے آس پاس اسلم اور غفار وغیرہ قبائل آباد تھے جو حاجیوں کا اسباب چرانے میں بدنام تھے۔ طے نہایت ممتاز اور نامور قبیلہ تھا لیکن وزدانِ طے (چور) بھی اپنی شہرت میں ان سے کم نہ تھے''

ادھر اندرون عرب یہ حالات تھے جب کہ ملک کے تمام سرسبز اور زرخیز صوبے روم اور فارس دو عظیم طاقتوں کے پنجہ میں تھے رومیوں نے دوسری صدی عیسوی میں یہودیوں سے شام و فلسطین کی برائے نام حکومت بھی چھین لی تھی اور مجبوراً اندرون ملک یہودیوں نے مدینہ سے شام تک اپنے قلعے قائم کر لیے تھے۔ جو ان کے جنگی قلعے اور مالِ تجارت کے گودام تھے۔ قریظہ، قینقاع، خیبر، فدک، تیماوادی القریٰ ان کی بڑی بڑی چھاؤنیاں تھیں''۔۔۔۔ یہ تھے مختصراً وہ حالات جو بعثت نبوی ﷺ کے وقت عرب کے تھے تاہم ہجرت کے بعد جب مہاجرین و انصار کے درمیان مواخاۃ اور بھائی چارہ قائم ہو گیا تو حالات بدل گئے اور اس ملک میں ایسا امن قائم ہوا جس کی پیشین گوئی رسولِ خدا ﷺ اکثر اوقات کر چکے تھے کہ ''ایک زمانہ آئے گا جب حیرہ سے ایک خاتون محمل نشین تنہا سفر کرے گی اور خدا کے سوا کسی کا اس کو خوف نہ ہوگا'' اس موقع پر لوگوں کو تعجب ہوتا تھا لیکن ہجرتِ مدینہ کے بعد جب اسلامی حکومت کو استحکام نصیب ہوا تو پھر اسی زمانے میں عدی بن حاتم نے شہادت دی'' کہ انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ آنحضرت ﷺ کی پیشین گوئی کے مطابق لوگ صنعاء سے حجاز تک تن تنہا سفر کرتے تھے اور اللہ کے ڈر کے سوا کوئی اور خوف راستہ میں نہ تھا''

عربوں کی مذہبی حالت اور مختلف مذاہب:

عرب میں رہنے والی بیشتر آبادی اگرچہ دین ابراہیمی کے پیروکار ہی کہلاتی تھی لیکن اہل مکہ بت پرست تھے۔

نصرانیت، یہودیت اور مجوسیت

عرب میں بعثت نبوی ﷺ کے وقت مختلف مذاہب کا وجود تھا۔ بقول شبلی نعمانی/ سلیمان ندوی ''اگرچہ زمانہ اور مدت کا یقین مشکل ہے لیکن یہ تینوں مذاہب ایک مدت دراز سے عرب میں رائج ہو چکے تھے۔''

☆ ......قبائل ربیعہ اور غسان نصرانی تھے۔ اس مذہب کو اس قدر ترقی ہو چکی تھی کہ خود مکہ میں ایسے لوگ موجود تھے۔ مثلاً ورقہ بن نوفل جو عبرانی زبان میں انجیل پڑھ سکتے تھے۔

☆ ......حمیر، بنو کنانہ، بنو حرث بن کعب، یہ قبائل یہودی تھے۔ مدینہ منورہ میں یہود نے پورا غلبہ پا لیا تھا اور تورات کی تعلیم کے لئے متعدد درسگاہیں قائم تھیں، جن کو بیت المدارس کہتے تھے۔ جبکہ خیبر کی تمام آبادی یہودی تھی۔''

☆ ......قبیلہ حمیر جو یمن میں رہتا تھا، آفتاب پرست تھے۔ کنانہ چاند کو پوجتے تھے۔

☆ ...... ہر دو مصنّفین نے ان بتوں کے نام بھی درج کیے ہیں جن کی مختلف قبائل پوجا کرتے تھے۔ سید مودودیؒ نے مختلف بتوں کی تفصیل دی ہے جن کی اہل عرب پرستش کرتے تھے۔

مذہب حنیفی:

سیرت النبی کی جلد اول میں لکھا ہے کہ دین ابراہیمی جس کی بنیاد خالص توحید تھی بھی موجود تھا لیکن امتداد زمانہ اور جہالت کی بناء پر شرک آلود ہو گیا تھا کہ خود خانہ خدا میں بتوں کی پرستش ہوتی تھی لیکن بالکل فنا نہیں ہوا تھا۔ بعثت رسول ﷺ سے کچھ ہی پہلے بتوں کی پرستش کے خلاف ردعمل کا آغاز ہو چکا تھا۔

☆ ......قریش کے متعدد اہل ثروت لوگوں (ورقہ ابن نوفل، عبداللہ بن جحش، عثمان بن الحوریث اور زید بن عمرو بن نعقل) یاد رہے کہ ورقہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے برادر

عم زاد تھے۔ زید حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے چچا تھے، عبداللہ بن جحش حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے بھانجے تھے۔ عثمان، عبدالعزیٰ کے پوتے تھے) کے دل میں یہ خیال آ گیا تھا کہ بتوں کے سامنے سر جھکانا، جو نہ سنتے ہیں، نہ مدد کر سکتے ہیں، نہایت بے ہودہ اور فضول عمل ہے ــــــ ان میں سے بہت سے ایسے لوگ تھے جن کے اپنے رشتے دار بعد ازاں مسلمان ہوئے ان میں زید (حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے چچا) بالخصوص اہم ترین ہیں جو یہ کہتے تھے کہ ''اے اہل قریش، تم میں سے کوئی شخص بجز میرے، ابراہیم علیہ السلام کے دین پر نہیں''!

☆ ......امیہ، نامی شاعر (جو عتبہ رئیس مکہ اور امیر معاویہ کا نانا تھا) اس کے سو (۱۰۰) اشعار حضور اکرم ﷺ نے ایک صحابی سے سنے اور فرمایا کہ ''امیہ مسلمان ہوتے ہوتے رہ گیا''

سیرت النبی ﷺ میں مزید تصریح کی گئی ہے کہ اگرچہ بت پرستی کی مخالفت کرنے والوں میں ان مختلف مذاہب کی تعلیمات کے اثرات اور ان کی وجہ سے عربوں کی زندگی میں کیا کچھ اصلاح ہوئی، اس کے بارے میں بہت فکر انگیز نکات سیرت النبی ﷺ میں اٹھائے گئے ہیں۔ تاہم ان کا خلاصہ درجِ ذیل تحریر سے بآسانی کیا جا سکتا ہے۔

''بتوں پر آدمیوں کی قربانی چڑھائی جاتی تھی، باپ کی منکوحہ بیٹے کو وراثت میں ملتی تھی۔ حقیقی بہنوں سے ایک ساتھ شادی جائز تھی۔ ازواج کی کوئی حد نہ تھی، قمار بازی، شراب خوری، زنا کاری کا رواج عام تھا۔ بے حیائی کی یہ حالت کہ سب سے بڑا شاعر امراء القیس جو شہزادہ بھی تھا، قصیدہ میں اپنی پھوپھی زاد بہن کے ساتھ اپنی بدکاری کا قصہ مزے لے لے کر بیان کرتا ہے اور یہ قصیدہ کعبہ پر آویزاں کیا جاتا ہے۔'' ــــــ مزید لکھا ''لڑائیوں میں لوگوں کو زندہ جلا دینا، مستورات کا پیٹ چاک کر ڈالنا، معصوم بچوں کو تہ تیغ کرنا عموماً جائز تھا''

صدیوں سے عربوں میں بہت سے ایسے رسم و رواج جڑ پکڑ گئے تھے جن کا دین

ابراہیمی سے کوئی تعلق نہ تھا تاہم وہ بیت اللہ کی تعظیم اور اس کا طواف کرتے تھے۔ حج اور عمرہ اور دیگر احکامات پر عمل بھی کرتے تھے لیکن اس کے ساتھ ساتھ ان میں بے شمار بدعات اور غلط رسوم بھی داخل ہو گئی تھیں۔ چنانچہ کعبہ میں مرد ننگے ہو کر طواف کرتے تھے اور عورتیں اپنے سارے کپڑے اتار کر صرف ایک چھوٹا سا کھلا ہوا کرتہ پہن لیتیں اور اس میں طواف کرتیں اور دورانِ طواف یہ شعر پڑھتی جاتیں

''آج کچھ یا کل شرم گاہ کھل جائے گی لیکن جو کھل جائے میں اسے دیکھنا حلال نہیں قرار دیتی'' (مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری ۱۹۷۶)

عرب میں یہودیوں اور عیسائیوں کی بھی ایک بڑی تعداد اس وقت موجود تھی۔ اہل عرب بالخصوص مدینہ کے لوگ یہودی روایات اور مذہبی رسم و رواج سے بہت حد تک متاثر تھے۔ بالخصوص یہودی علماء نے اپنے مذہبی رسم و رواج کا ایک ایسا ڈھونگ رچا رکھا تھا جس کی وجہ سے یہود کو عرب کے جاہلی معاشرے میں عزت کا مقام حاصل تھا۔ جسے موجودہ مسلم معاشرے میں ''پیری فقیری'' کے کاروبار سے تشبیہ دی جا سکتی ہے جن کے دام میں یہودی اور دیگر اقوام عرب بری طرح سے جکڑے ہوئے تھے عین اسی طرح جس طرح آج کے مسلم معاشرے کی حالت ہے!

عربوں میں شادی/ بیاہ کے رواج:

صاحبانِ سیرت النبی ﷺ نے عربوں کے ہاں شادی بیاہ کے رسم و رواج کے بارے میں چند اچھوتے انکشاف کیے ہیں۔ ذیل کے دو واقعات سے ان کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

☆...... ہاشم ایک بار تجارت کی غرض سے شام گئے۔ راستہ میں مدینہ میں ٹھہرے، وہاں سال کے سال بازار لگتا تھا، بازار میں گئے تو ایک خاتون کو دیکھا جس کی حرکات و سکنات سے شرافت اور فراست کا اظہار ہوتا تھا، اس کے ساتھ حسین و جمیل بھی تھی۔

دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ خاندانِ بنی نجار سے ہے اور سلمیٰ نام ہے، **ہاشم نے اس سے شادی کی درخواست کی، اس نے قبول کرلی**، غرض نکاح ہو گیا۔ شادی کے بعد یہ شام کو چلے گئے۔ اور غزہ میں جا کر انتقال ہو گیا۔ سلمیٰ کو حمل رہ گیا تھا، لڑکا پیدا ہوا، اس کا نام شیبہ رکھا گیا۔ اس نے قریباً ۸ سال تک مدینہ میں پرورش پائی۔ ہاشم کے بھائی مطلب کو معلوم ہوا تو وہ انہیں وہاں سے واپس لائے۔''

☆......جیسا کہ بتایا جا چکا ہے کہ شیبہ کو جب مطلب، مدینہ سے ان کی ماں سے لے کر مکہ واپس آئے تو لوگوں نے انہیں مطلب کا غلام سمجھا لہٰذا انہیں عبدالمطلب کہہ کر پکارا۔ لیکن انہوں نے واضح کیا کہ یہ میرے بھتیجے (یعنی ہاشم کے بیٹے ہیں)۔ انہی عبدالمطلب کے دس یا بارہ بیٹے تھے۔ انہوں نے چاہِ زمزم کی کھدائی کے موقعہ پر منت مانی تھی کہ اگر خدا نے انہیں دس بیٹے دیئے اور وہ جوان ہوئے (یعنی ان کی حفاظت کے لئے) تو وہ ایک بیٹے کو کعبے میں خدا کی راہ میں قربان کر دیں گے ــــــ قربانی کے لئے دسوں بیٹوں کو لے کر کعبہ میں آئے اور پجاری سے کسی ایک کے نام کے لئے قرعہ ڈالنے کو کہا۔ اتفاق سے عبداللہ کا نام نکلا ــــــ یہ انہیں لے کر قربان گاہ کو چلے، عبداللہ کی بہنیں جو ساتھ تھیں رونے لگیں اور کہا کہ ان کے بدلے دس اونٹ قربان کریں ــــــ بعد ازاں قرعہ میں وہ اونٹوں کی تعداد بڑھاتے گئے حتیٰ کہ ۱۰۰/ اونٹوں پر آ کر یہ قرعہ بنام اونٹ نکلا اور یوں عبداللہ کی قربانی سے بچ گئے۔

جب عبداللہ قربانی سے بچ گئے تو عبدالمطلب (شیبہ) کو ان کی شادی کی فکر ہوئی۔ قبیلہ زہرہ میں وہب بن عبدمناف کی صاحبزادی کا نام آمنہ تھا جو قریش کے تمام خاندانوں میں بہت ممتاز تھیں۔ اور وہ اپنے چچا وہیب کے پاس رہتی تھیں۔ عبدالمطلب وہیب کے پاس گئے اور عبداللہ کی شادی کا پیغام دیا۔ انہوں نے منظور کیا عقد ہو گیا۔ **اس موقع پر خود عبدالمطلب نے بھی وہیب کی بیٹی سے جن کا نام ہالہ تھا، شادی کی**۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ انہی ہالہ کے بطن سے ہیں۔ ہالہ رشتے میں آنحضرت ﷺ کی خالہ ہوئیں اور

اسی بناء پر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کے خالہ زاد بھائی بھی ہیں۔‘‘

☆......اس ضمن میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح کا معاملہ بھی ہے، جو مختصراً ان حالات پر روشنی ڈالتا ہے جو اس وقت عرب میں رائج تھے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کے پاس شادی کا پیغام بھیجا۔ ان کے والد کا انتقال ہو چکا تھا۔ لیکن چچا عمرو بن اسد زندہ تھے۔ عرب میں عورتوں کو یہ آزادی حاصل تھی کہ شادی بیاہ کے متعلق خود گفتگو کر سکتی تھیں اور اس میں بالغہ اور نابالغہ کی قید نہ تھی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے چچا کے ہوتے خود براست تمام مراحل طے کیے۔ تاریخ معین پر ابوطالب اور تمام روسائے خاندان جن میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے مکان پر آئے۔ ابو طالب نے خطبۂ نکاح پڑھا اور ۵۰۰ درہم طلائی مہر قرار پایا‘‘

عربوں کی معاشرتی زندگی میں طبقۂ اشرافیہ میں عورت اور مرد کے تعلقات خاصے ترقی یافتہ تھے (مولانا صفی الرحمن ۱۹۷۶)۔ عورت کو بہت کچھ خودمختاری حاصل تھی۔ ان کا اتنا احترام اور تحفظ کیا جاتا تھا کہ اس راہ میں جنگ وجدل تک نوبت آجاتی تھی۔ تاہم دوسری جانب زنا، بدکاری، شراب نوشی اور دیگر بے شمار اخلاقی وصنفی مفاسد بھی پائے جاتے تھے۔ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے کہ جاہلیت میں نکاح کی درج ذیل چار صورتیں تھیں

☆......کسی شخص کو دوسرے شخص کی زیر کفالت لڑکی کے لئے نکاح کا پیغام دینا اور طرفین کی منظوری کے بعد، مہر کی ادائیگی پر نکاح کر لینا ــــــ اسے اسلام نے قائم رکھا۔

☆......ایک دوسری صورت یہ تھی کہ عورت جب حیض سے فارغ ہوتی تو اس کا شوہر کہتا تھا کہ فلاں شخص کے پاس جا کر اس کی شرمگاہ حاصل کرو یعنی زنا کراؤ اور اس دوران شوہر اس سے علیحدہ رہتا تھا اور قریب نہ جاتا تھا۔ یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہتا جب تک حمل کے آثار ظاہر نہ ہوجاتے۔ حمل کے ظاہر ہونے پر خاوند اپنی بیوی سے مباشرت کر سکتا تھا ــــــ یہ سب کچھ اس لئے کیا جاتا تھا کہ کسی دوسرے قبیلے کے خوبصورت، طاقتور

شخص سے باکمال بچہ حاصل کیا جائے۔ اسے نکاحِ استضباع کہا جاتا تھا۔

☆......نکاح کی تیسری صورت یہ تھی کہ دس آدمیوں سے کم کی ایک جماعت اکٹھی ہوتی۔ سب کے سب ایک ہی عورت سے بدکاری کرتے۔ جب وہ عورت حاملہ ہوتی اور بچہ پیدا ہوتا تو پیدائش کے چند دن بعد وہ عورت ان تمام افراد کو اکٹھا کرتی اور کہتی کہ آپ تمام حالات سے آگاہ ہیں، اب یہ بچہ پیدا ہوا ہے اور اے فلاں وہ تمہارا بیٹا ہے۔ وہ عورت جس کا نام چاہتی، لے دیتی اور اس کا لڑکا مان لیا جاتا!

☆......زنا کی چوتھی شکل وہ مقبول عام طریقہ تھا جو پیشہ ور عورتیں (طوائفیں) روا رکھتی تھیں۔ وہ اپنے گھروں میں جھنڈیاں گاڑے رکھتی تھیں ایک نشانی کے طور پر تا کہ جو چاہے وہ بے دھڑک اندر چلا جائے۔ جب ایسی عورت کسی بچے کی ماں بنتی تو وہ سب اس کے پاس اکٹھے ہوتے اور کسی قیافہ شناس کی رائے کے مطابق اسے کسی بھی شخص کے ساتھ منسوب کر دیا جاتا اور وہ اس سے انکار نہیں کر سکتا تھا۔

درج بالا چار صورتوں کے علاوہ کسی تحدید کے بغیر متعدد بیویاں رکھنے کا رواج عام تھا۔◆ جنگوں میں قید ہونے والی عورتوں کو بھی لوگ اپنے حرم میں شامل کر لیتے تھے تاہم ان کی اولاد کو کسی قسم کے کوئی حقوق و مراعات حاصل نہ تھیں۔ اسلام نے آکر اس قسم کی لونڈیوں/عورتوں اور ان کے بچوں کے حقوق کا نہایت منصفانہ حل تجویز کیا۔

''عربوں میں کثیر الازواجی کی عام عادت تھی۔ قبیلہ بنو ثقیف کے ایک نامور سردار غیلان ابن سلمہ کی دس بیویاں تھیں۔ جب وہ مسلمان ہوا تو احکام اسلام کے مطابق چار کے سوا تمام بیویوں سے اس کو مفارقت کرنی پڑی۔''

☆......عورتوں اور مردوں کی خرید و فروخت بھی بطور ایک معاشی ضرورت ایک ایسی اہمیت کی حامل تھی کہ نہ صرف عرب جاہلیت بلکہ دوسرے متمدن ممالک میں بھی اس کا عام

◆ مغرب میں یہ طریقہ آج بھی رائج ہے لیکن گرل فرینڈ/مسٹرس/کال گرل وغیرہ جیسے ''نام نہاد مہذب اصطلاحوں'' کی آڑ میں!

رواج تھا۔ اس زمانے میں تنخواہ دار ملازمین کا کوئی تصور نہ تھا۔ بڑے بڑے لوگوں کے گھریلو، تجارتی اور کھیتی باڑی کے تمام تر کام غلام/ لونڈیوں کا طبقہ ہی سرانجام دیتا تھا۔

یہ رسم نہ صرف اس وقت کی دنیا میں رائج تھی بلکہ ماضی قریب کے یورپ اور امریکہ میں بھی ایک طویل عرصہ تک جاری رہی۔ آج کے متمدن اور ترقی یافتہ یورپ اور امریکہ کی سربفلک عمارتیں، زمین دوز ٹرینوں کے نظام کو قائم کرنے میں نہ معلوم کتنے غلاموں کا خون اور ہڈیاں کام آئی ہوں گی۔ امریکی شہروں کی یہ چمک دمک دراصل اس علاقے کے ریڈ انڈین (اصل باشندوں) کے قتل عام اور جبری تشدد پر مبنی ''خدمت'' کی رہین منت ہے جس پر ہر امریکی آج عیش وآرام کی زندگی بسر کر رہا ہے۔ انہیں کیا معلوم کہ ان بے شمار سہولتوں کی فراہمی میں کتنے لاکھ غلاموں کا خون ان شہروں کی بنیادوں میں استعمال ہوا تھا؟

اگرچہ امریکہ میں غلامی کا وجود ابراہم لنکن (۱۸۶۴) کی صدارت میں ختم کر دیا گیا تھا تاہم کیا کوئی ایماندار آدمی آج بھی یہ کہہ سکتا ہے کہ امریکہ میں کالے اور گوروں کے درمیان نفرت اور دشمنی کا مکمل طور پر خاتمہ ہو گیا ہے؟ اس کا تازہ ترین ثبوت ایک حبشی کو تشدد کے ساتھ امریکن پولیس نے مار دیا جس کے خلاف آج بھی نہ صرف امریکہ بلکہ دنیا کے دوسرے ممالک میں مظاہرے اور مذمت کی جا رہی ہے! ___ انسان کو انسانوں کی غلامی سے نکالنے کا معقول اور مبنی بر عدل طریقہ، صرف اور صرف اسلام نے سکھایا۔

کس نباشد در جہاں محتاجِ کس
نکتۂ شرع مبین ایں ہست و بس!
(اقبالؒ)

''دنیا میں کسی شخص کو کسی کا بھی محتاج نہیں ہونا چاہیے شرع مبین (اسلام) کی تعلیمات کا یہ بنیادی نکتہ ہے؟''

☆...... درج بالا معاشرتی اور خاندانی خرابیوں سے بڑھ کر سب سے قبیح اور ظالمانہ رسم جو عربوں میں رائج تھی وہ لڑکیوں کا قتل عام تھا جو ان کی پیدائش کے فوراً بعد انہیں مار

دینے کی صورت میں روا رکھا جاتا تھا جس کی تردید اور مذمت خود قرآن میں آئی (سورۃ التکویر ۹-۸)۔ایک صحابی نے جاہلیت کے زمانے میں اپنی بیٹی کو زندہ زمین میں گاڑنے کا واقعہ آپ ﷺ کو سنایا کہ وہ ابا ابا کہتی رہی اور میں نے اسے زندہ گاڑ دیا۔آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔آپ ﷺ نے انہیں قصہ دہرانے کا کہا اور دوبارہ قصہ سن کر آپ اس قدر روئے کہ محاسنِ مبارک تر ہو گئے۔صنفِ نازک کو عزت وشرف کا مقام دینے کا عملی مظاہرہ وہ ہے جو اللہ کے رسول ﷺ کی ذاتِ کریمی نے طبقۂ اناث کو دیا جس کی تفصیلات اس کتاب کے آئندہ ابواب کی زینت ہیں۔

گذشتہ ابواب میں ہم نے ان چند رسوم ورواج اور برائیوں کا ایک اجمالاً جائزہ لیا ہے جو عالم عرب میں زمانۂ جاہلیت میں پائے جاتے تھے لیکن سنت الٰہی یہ نہیں کہ کوئی بھی انسانی معاشرہ تمام تر برائیوں اور خرابیوں کے باوجود قائم رہے۔انسان کی فطرت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے نیکی اور بدی (فجور وتقویٰ) کی دونوں صفات ودیعت فرمائی ہیں (سورہ الشمس، الاعلیٰ: ۱۴)۔عرب جاہلیت کا زمانہ بھی اس اصول سے مستثنیٰ نہیں۔عربوں میں ایسے اخلاق بھی پائے جاتے تھے کہ اگر آج کے انسان کو ان میں سے چند اخلاق کی بھی ایمانداری اور اخلاص کے ساتھ عمل کرنے کی توفیق مل جائے تو موجودہ انسانیت کے بیشتر مسائل اور فساد کا یکسر خاتمہ ہوسکتا ہے!

عربوں کی اخلاقی حالت

عربوں میں کرم وسخاوت اور مصیبت کے وقت کسی کی مدد کرنے کا جذبہ بدرجۂ اتم پایا جاتا تھا۔بھوکوں کو کھانا کھلانے کے لئے وہ اپنے واحد اثاثے اونٹ، بکریوں حتیٰ کہ گھوڑوں کو بھی ذبح کر ڈالتے تھے جو اس صحرائی علاقے میں ان کی گذر اوقات اور زندگی کے لئے نہایت اہم ہوتے تھے۔

شراب نوشی/ جوا بذاتِ خود بہت بڑی برائیاں ہیں تاہم وہ نشے کی حالت اور جوا

جیت کر اس سخاوتِ قلبی کا یوں اظہار کرتے تھے کہ نہ صرف اپنا ذاتی مال بلکہ جوئے میں جیتی ہوئی رقم بھی غریبوں میں بانٹ دیا کرتے تھے۔ اسی طرح ایفائے عہد بھی ایک ایسی اخلاقی صفت ہے جو عربوں میں پائی جاتی تھی۔ عہد کو ان کے نزدیک دین کی حیثیت حاصل تھی جس کو پورا کرنے کے لئے وہ اپنی اولاد اور گھر بار کی تباہی کو بھی خاطر میں نہ لاتے تھے!

خودداری اور عزتِ نفس کا خیال اور ظلم وستم کو برداشت نہ کرنا بھی گویا ان کی فطرتِ ثانیہ تھی۔ وہ نہایت بہادری اور شجاعت کے ساتھ اپنے عزائم کی تکمیل کیا کرتے تھے۔ حلم و بردباری اگرچہ ان کی شجاعت اور بہادری کا ہی ایک جزو تھی لیکن جنگ کی وجہ سے یہ صفت کسی حد تک ماند پڑ گئی تھی۔

درج بالا اخلاقی صفات کے علاوہ ان عربوں کی زندگی نہایت سادہ تھی اور یہی وہ وصف ہے جس نے انہیں اس دور کی ''مہذب اور متمدن ممالک'' میں پائے جانے والی بے شمار برائیوں سے بچایا ہوا تھا۔ ان کی زندگی میں تصنع اور بناوٹ نام کو نہ تھی۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ ان میں سچائی اور امانت کا بہت اہتمام کیا جاتا تھا۔

درج بالا صفحات میں جغرافیائی اور تاریخی حالات کے حوالے سے جو مختصر معلومات زیر بحث آئی ہیں، ان اخلاقی صفات کی موجودگی اس امر کی متقاضی تھی کہ بنی نوع انسان کی قیادت اور راہ نمائی کا بیڑا اٹھانے کی ان میں صلاحیت و اہلیت بدرجۂ اتم پائی جاتی تھی۔ انسانیت اس وقت کی دو عظیم طاقتوں (روم اور ایران) کے درمیان چکی کے دو پاٹوں کے درمیان بری طرح پس رہی تھیں۔ مشیتِ ایزدی ایسے تمام ادوار میں انسانیت کو یوں بری طرح سے پستی نہیں دیکھ سکتی اور ہر ایسے موقع پر راہ نمائی کے لئے فضا کو سازگار بنا دیتی ہے ـــــ یہی اس موقعہ پر بھی ہوا۔ اللہ تبارک تعالیٰ نے اپنے آخری نبی ﷺ کو اپنی آخری کتاب دے کر اس سرزمین میں مبعوث فرمایا کہ آپ ﷺ نے قرآنی ہدایت کی روشنی میں اپنے اسوۂ حسنہ کے ذریعے ان اخلاقی صفات کو اس حد تک صیقل کیا کہ ۲۳ برسوں کی قلیل مدت میں وہ قوم جو ذلت و نکبت کے انتہائی گڑھوں میں ڈوبی ہوئی تھی،

اسلامی تعلیمات سے بہرہ ور ہو کر جب میدانِ عمل میں نکلی تو نہ صرف آپ ﷺ کے وصال تک تمام بلادعرب حلقہ بگوش اسلام ہو چکا تھا بلکہ خلافت راشدہ کا نظام ابھی ختم نہیں ہوا تھا کہ دنیا کی دو بڑی طاقتیں بھی سرنگوں ہو چکی تھیں۔

هُوَ الَّذِيٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَ لَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝ (الصف)

مدینہ منورہ اور انصار:

گذشتہ صفحات میں بیشتر تاریخی و دیگر تفصیلات کا تعلق زیادہ تر مکہ کے حالات سے ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسی قسم کی چند تاریخی و دیگر معلومات مدینہ کے بارے میں بھی بتا دی جائیں۔ سیرت النبی ﷺ کے اہل علم وفضل نے مدینہ اور حضور ﷺ کے ہجرتِ مدینہ کے حالات میں یوں لکھا:

> ''آفتابِ اسلام طلوع مکہ میں ہوا لیکن کرنیں مدینہ کے افق پر چمکیں۔ مدینہ کا اصل نام یثرب ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے جب یہاں قیام کیا تو اس کا نام مدینۃ النبی یعنی ''پیغمبر کا شہر'' پڑ گیا اور پھر مختصر ہو کر مدینہ مشہور ہو گیا۔'' یہ شہر مدتوں سے آباد ہے۔ قدیم زمانے میں یہودی آ کر یہاں آباد ہوئے۔ ان کی نسلیں کثرت سے پھیلیں اور مدینہ کے اطراف ان کے قبضے میں آ گئے۔ جہاں انہوں نے چھوٹے چھوٹے قلعے بنا لیے تھے۔

انصار، اصل میں یمن کے رہنے والے اور قحطان کے قبیلے سے تھے۔ یمن میں جب مشہور سیلاب آیا (سورۃ سبا:١٦) جسے سیل عرم کہتے ہیں تو یہ لوگ یمن سے نکل کر مدینہ میں آباد ہوئے۔ یہ دو بھائی تھے اوس اور خزرج، تمام انصار انہی دو کے خاندان سے ہیں۔ یہ خاندان جب یثرب میں آیا تو یہود نہایت اقتدار رکھتے تھے۔ ان کی آبادی کثرت سے مختلف قلعوں کی شکل میں ٢٠، ٢١ قبیلوں کی شکل اختیار کر گئی تھی۔ انصار کچھ زمانہ تک ان سے الگ رہے لیکن یہود کا اثر اور کثرت دیکھ کر ان کے ساتھ حلیفانہ تعلق قائم کر لیا۔ تاہم

انصار کے لوگ جب تعداد میں بڑھنے لگے اور ان کا اقتدار بڑھتا دیکھ کر یہود نے پیش بینی کے لحاظ سے ان سے معاہدہ توڑ دیا۔

یہودیوں میں ایک رئیس فطیون پیدا ہوا جو نہایت عیاش اور بدکار تھا۔ اس نے یہ حکم دیا کہ جو دوشیزہ لڑکی بیاہی جائے پہلے اس کے شبستان عیش میں آئے۔ یہود نے اس کو گوارا کر لیا تھا لیکن جب انصار کی نوبت آئی تو انہوں نے سرتابی کی۔ اس زمانے میں انصار کا سردار ایک شخص مالک بن عجلان تھا۔ اس کی بہن کی شادی ہوئی تو وہ عین شادی کے دن گھر سے نکلی اور اپنے بھائی مالک بن عجلان کے سامنے بے پردہ گذری۔ مالک کو غیرت آئی۔ اٹھ کر گھر آیا اور بہن کو سخت ملامت کی۔ اس نے کہا ''ہاں! لیکن کل جو کچھ ہوگا اس سے بڑھ کر ہے۔'' دوسرے دن حسب دستور جب مالک کی بہن دلہن بن کر فطیون کی خلوت گاہ میں گئی تو مالک بھی زنانے کپڑے پہن کر سہیلیوں کے ساتھ گیا اور فطیون کو قتل کر کے ملک شام کو بھاگ گیا۔ یہاں غسانیوں کی حکومت اور ابو جبلہ حکمران تھا۔ اس نے یہ حالات سنے تو ایک فوج لے کر آیا اور اوس وخزرج کے روساء کو بلا کر ان کو خلعت اور صلے دیئے اور پھر روسائے یہود کی دعوت کی اور دھوکے سے ایک ایک کو قتل کرا دیا۔ یوں یہود کا زور اب ٹوٹ گیا اور انصار نے نئے سرے سے قوت حاصل کی۔

انصار نے بھی مدینہ اور اردگرد مدینہ میں چھوٹے چھوٹے قلعے بنا لئے تھے۔ ایک عرصہ تک وہ متحد رہے تاہم بعد میں لڑائیوں کے سلسلے (جنگ بعاث) میں ان کے بڑے بڑے تمام سردار مارے گئے۔ انہوں نے قریش مکہ کے ساتھ حلیف بننے کے لئے سفارت بھیجی لیکن ابوجہل نے معاملہ درہم برہم کر دیا''

یہاں اس امر کی صراحت بھی ضروری ہے کہ انصار گو بت پرست تھے لیکن یہود کے ساتھ میل جول کی بناء پر کتب آسمانی سے آشنا تھے۔ چونکہ یہود عموماً یہ خیال رکھتے تھے کہ ایک آخری پیغمبر آنے والا ہے، اس لئے انصار بھی ایک پیغمبر موعود کے نام سے آشنا تھے تاہم اپنی جہالت کی بناء پر یہود کے علمی اور دنیاوی تفوق کے زیر اثر تھے حتیٰ کہ انصار میں

جس کے ہاں اولاد زندہ نہ رہتی تھی تو وہ منت مانتے تھے کہ اگر بچہ زندہ رہ گیا تو اسے یہودی بنادیں گے۔"

مدینہ منورہ کے ضمن میں عبدالرحمٰن عبد (مرحوم) نے "شہر صد نام" (ایسا شہر جس کے سو نام ہوں) کے بارے میں محبت وعقیدت کی گہرائیوں میں ڈوب کر چند حقائق بیان کیے جن کا ذکر ذیل میں اختصار کے ساتھ کیا جارہا ہے کہ حضور ﷺ کی زندگی کے دس سال اس شہر مدینہ میں گزرے تھے اور مزید یہ کہ قیامِ حضور ﷺ کا ہی یہ نتیجہ نکلا کہ مدینۃ النبی ﷺ کے احوال وکوائف اور ماحول میں ذہنی ونفسیاتی لحاظ سے مکہ کے ماحول اور ذہنی ونفسیاتی اثرات میں زمین اور آسمان کا فرق پایا جاتا ہے کہ بقول "مکہ معظّمہ رب ذوالجلال کا پر ہیبت شہر ہے اور مدینہ منورہ رحمت العالمین ﷺ کا خنک شہر ہے، آنکھوں کی ٹھنڈک اور پر جمال شہر ہے، مکہ میں پر شکوہ اور حیرت فزا حرم کعبہ ہے ـــــ حرم شریف سمیت اس سارے حرم سے دل پر عظمت اور دبدبہ طاری ہوتا ہے لیکن حرم نبوی ﷺ میں انوار ہی انوار ہیں" ـــــ

یاد رہے کہ عبدالرحمٰن عبد نے دیگر اساتذہ کے ہمراہ عربی زبان سیکھنے کے لیے ایک عرصہ تک سعودی عرب میں قیام کیا تھا جو سعودی عرب کی حکومت کی جانب سے دیگر مسلم مما لک کے اہل علم کے لیے جاری کیا گیا تھا۔

اس ضمن میں مصنف نے ایک دوسرے اہل علم (حافظ امیر علی) کے حوالے سے یہ لکھا کہ "یہاں مدینہ کی فضا میں محبت کا سچا جذبہ ہے اور ہر طرف جمال ہی جمال ہے اور ایسا کیوں نہ ہو اس "شہر صد نام" کا ایک الحسینہ بھی شہر حسن مجسم" ہے ـــــ

شہر صد نام! دیگر شرکائے سفر نے جب اس کی تفصیل جاننی چاہی تو حافظ امیر علی صاحب نے فرمایا کہ "آپ نے دیکھا ہوگا کہ ماں باپ اور بہن بھائی ننھے منوں کو بدل بدل کر پیار کے ناموں سے پکارتے ہیں ـــــ اسی محبت اور تعلق کی بناء پر اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں۔ حضور رسالتمآب ﷺ کے بھی ننانوے نام ہیں۔ اسی طرح پیارے شہر

مدینۃ النبی ﷺ کے بھی ننانوے نام ہیں'' ــــــ حافظ صاحب نے اپنی بات جاری رکھی ''پہلے اس بستی کا نام یثرب تھا لیکن حضور ﷺ کی یہاں آمد سے، اوراب ازل تک یہاں ان کی بارگاہ ہونے کی وجہ سے ہر قلب مومن نے اس شہر سے پیار کیا ہے اور اسے بے شمار ناموں سے نوازا ہے۔ اسے مدینہ منورہ، مدینۃ الرسول اور مدینۃ النبی کہا جاتا ہے۔ اسے دارالہجرہ، دارالابرار، اور دارالاحرار لکھا گیا ہے ــــــ اس شہر کا ایک نام ''الحونہ'' بھی ہے کہ یہ شہر ہر جانب سے محصون (حصار یعنی محفوظ) ہے۔

عبدالرحمن عبد نے ایک اور دوست کے حوالے سے کہا کہ ''ایک نام تو آپ بھول ہی گئے کہ وہ اپنے معنی کے لحاظ سے مجھے پسند ہے اور وہ ہے ''المختارہ'' یعنی منتخب شدہ۔ گویا یثرب تو ایک شہر ہے عالم میں انتخاب'' ــــــ اس بحث کو مزید جاری رکھتے ہوئے پروفیسر عبدالرحمن عبد نے لکھا کہ ''جواد علی نے تاریخ العرب قبل الاسلام میں ذکر کیا ہے کہ بطلیموس کے جغرافیہ میں یثرب کا نام **JATHRIPA** یثربہ آیا ہے۔ حضور ﷺ نے اس کا نام طابہ اور طیبہ رکھا۔ قرآن کریم نے اسے مدینہ اور یثرب دونوں ناموں سے یاد کیا ہے، (سورۂ الاحزاب)

آں خنک شہرے کہ شہر دلبر است!

''وہ شہر اطمینانِ قلب ونظر ہے کہ وہاں دلبر کی قیام گاہ ہے''

باب چہارم

ولادت باسعادت

محمدؐ بن عبداللہ: چند تاریخی حقائق

اس واقعے کو گذرے صدیوں سے زائد عرصہ بیت گیا تھا مگر مکہ میں اس دن عید کا سماں تھا اور کیوں نہ ہوتا کہ عبدالمطلب نے جو نذر مانی تھی کہ ’’اگر اللہ نے انہیں دس لڑکے عطا کئے اور وہ سب کے سب اس عمر کو پہنچے کہ ان کا بچاؤ کر سکیں تو وہ ایک لڑکے کو کعبے کے پاس قربان کریں گے۔‘‘ (صفی الرحمن: ۱۹۷۴)۔ انہوں نے آج اپنی اس نذر کو پورا کرنے کے لیے اور اپنے عزیز ترین بیٹے عبداللہ کی قربانی کے بدلے سو اونٹوں کو ذبح کیا تھا اور انہیں وہیں چھوڑ دیا تھا کہ کسی انسان یا درندے کے لیے کسی قسم کی کوئی رکاوٹ نہ رہے کہ وہ اس گوشت سے بے دریغ جس طرح چاہیں استفادہ کریں!...... گویا کہ یہ ہر کہہ ومہہ کے لیے ایک دعوت عام تھی جو دو ذبیحوں (حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور آپ ﷺ کے والد عبداللہ) کی اولاد کو دنیا میں مبعوث کرنے کے لیے مشیتِ ایزدی کا ایک انوکھا اقدام تھا ـــــ نبی ﷺ کا خانوادہ اپنے جد اعلیٰ ہاشم بن عبد مناف کی نسبت سے ہاشم کے نام سے معروف ہے جنہیں جاہلیت میں سقایہ اور رفادہ یعنی حجاج کرام کو پانی پلانے اور ان کی میزبانی کرنے کا منصب حاصل تھا۔ ہاشم بڑے معزز اور مالدار تھے۔ یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے مکے میں حاجیوں کو شوربا روٹی سان کر کے کھلانے کا اہتمام کیا تھا جس کی وجہ سے ان کے اصل نام عمرو کی بجائے انہیں ہاشم (روٹی) کو توڑنے والا کہا جانے لگا۔ پھر ہاشم وہ پہلے آدمی بھی ہیں جنہوں نے قریش کے لیے گرمی اور جاڑے کے دو سالانہ تجارتی سفروں کی بنیاد رکھی۔ یہ اشارہ قرآن کی سورت القریش کی جانب ہے جن کے بارے میں اس سورت کے آغاز میں نیز آیات قرآنی کی تشریح میں نہایت مفید معلومات سید مودودیؒ

نے اپنی تفسیر میں درج کی ہیں جو پڑھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔اسی طرح پیر کرم شاہ الازہریؒ نے اپنی تفسیر (۱۴۰۰ھ) میں بھی اہم معلومات درج کی ہیں۔

گذشتہ صفحات میں بتایا جاچکا ہے کہ ہاشم خود تجارت کے لیے ملک شام گئے۔راستے میں مدینہ پہنچے تو وہاں قبیلہ نجار کی ایک خاتون سلمیٰ بنت عمرو سے شادی کر لی اور کچھ دن وہاں ٹھہرے رہے۔بعد ازاں بیوی کو حالت حمل میں چھوڑ کر ملک شام روانہ ہو گئے اور وہاں جا کر فلسطین کے شہر غزہ میں ان کا انتقال ہو گیا۔ادھر سلمیٰ، ان کی بیوی کے بطن سے بچہ پیدا ہوا جس کا نام شیبہ رکھا گیا۔بچہ اپنے ننھیال میں پرورش پا تا رہا جو بعد میں عبدالمطلب کے نام سے مشہور ہوا۔ایک عرصے تک خاندانِ ہاشم کے کسی شخص کو ان کے وجود کا علم نہیں ہو سکا تاہم ہاشم کے بھائی مطلب، جو اپنی قوم میں بہت معزز اور سخاوت کے لیے مشہور تھے، کو جب اس بات کا پتہ چلا تو شیبہ یعنی عبدالمطلب اس وقت بارہ سال کے ہو گئے تھے، وہ ان سے ملنے کے لیے مدینہ گئے اور نہایت محبت سے انہیں گلے لگایا اور مکے کے لیے روانہ ہونا چاہا تو شیبہ نے ماں کی اجازت کے بغیر ان کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا۔اس لیے مطلب نے ان کی ماں سے درخواست کی۔انہوں نے بھی انکار کر دیا لیکن جب انہوں نے بتایا کہ یہ اپنے والد کی حکومت اور اللہ کے حرم کی طرف جا رہے ہیں تو والدہ نے اجازت دیدی۔مطلب کو جب مکہ والوں نے ایک لڑکے کے ساتھ دیکھا تو کہا یہ عبدالمطلب یعنی مطلب کا غلام ہے۔اس پر مطلب نے کہا کہ نہیں یہ میرا بھتیجا یعنی میرے بھائی ہاشم کا لڑکا ہے۔بعد میں شیبہ نے وہاں مطلب کے پاس پرورش پائی اور جوان ہوئے ــــــ مطلب کی وفات پر ان کے چھوڑے ہوئے مناصب انہی عبدالمطلب (شیبہ) کو حاصل ہوئے۔مستقبل میں انہیں اپنی قوم میں اس قدر اعزاز اور شرف حاصل ہوا کہ ان کے آباؤاجداد میں کسی کو وہ مقام نہیں ملا تھا!

عبدالمطلب کے حوالے سے تاریخ میں دو واقعات کا ذکر ہے۔ایک چاہ زمزم کی کھدائی کا اور دوسرا واقعہ فیل (ہاتھیوں) کا۔پہلے ہم چاہِ زمزم کی کھدائی کی بات کرنا چاہتے

ہیں۔حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا تعلق بنو جرہم سے تھا۔انہوں نے ۱۳۷ سال عمر پائی تھی۔اور وہ تا حیات مکہ کے سربراہ اور بیت اللہ کے متولی رہے۔بعدازاں آپ علیہ السلام کے دو بیٹے یکے بعد دیگرے مکہ کے والی ہوئے اوران کے بعدان کے نانا نے مکہ کی زمامِ کار اپنے ہاتھ میں لی۔یوں مکہ کی سربراہی بنو جرہم کی طرف منتقل ہوگئی۔حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا زمانہ تقریباً دو ہزار سال قبل مسیح کا ہے۔اس حساب سے مکہ میں قبیلہ جرہم کا وجود کوئی دو ہزار ایک سو برس رہااوران کی حکمرانی لگ بھگ دو ہزار برس تک رہی۔امتدادِ زمانہ کے سبب بنو جرہم کی طاقت کمزور پڑ گئی۔یہ واقعہ دوسری صدی عیسوی کے وسط کا ہے کہ ایک جنگ کے نتیجے میں بنو جرہم کو مکہ چھوڑنا پڑا۔تاہم انہوں نے مکہ چھوڑتے وقت زمزم کا کنواں پاٹ دیا اور اس میں کئی تاریخی چیزیں دفن کرکے اس کے نشانات مٹا دیئے۔روایات میں آتا ہے کہ اہل فارس پچھلے ادوار میں خانہ کعبہ کے لیے اموال وجواہرات بھیجتے رہتے تھے۔سونے کے دو ہرن، جواہرات اورتلواریں اور بہت سا سونا بھی عمرو نے زمزم کے کنویں میں ڈال دیا تھا۔

چاہِ زمزم کی کھدائی کا اشارہ عبدالمطلب کو ہوا۔انہوں نے جب کھدائی کا کام شروع کیا تو رفتہ رفتہ وہ چیزیں برآمد ہونی شروع ہوئیں جو بنو جرہم نے مکہ چھوڑتے وقت اس میں چھپا دی تھیں یعنی تلواریں، زرہیں، سونا اور سونے کے دو ہرن۔ اس پر قریش نے عبدالمطلب سے جھگڑا شروع کیا تاہم خدا کا کرنا یہ ہوا کہ قریش کو سمجھ آ گئی کہ منشائے ایزدی یہ ہے کہ یہ کام عبدالمطلب ہی نے سرانجام دینا ہے ____ یہی وہ موقع تھا جب انہوں نے وہ منت مانی تھی جس کا ذکر آغاز میں کیا گیا ہے!

چاہِ زمزم کے دوبارہ دریافت کئے جانے کے بعد دوسرا اہم واقعہ فیل ہے جو بیشتر اہل سیر کے بقول ____ نبی ﷺ کی پیدائش سے صرف پچاس یا پچپن دن پہلے ماہِ محرم میں پیش آیا تھا۔اس بارے میں سید مودودی رحمۃ اللہ علیہ نے تفہیم القرآن کی جلد ششم میں سورہ الفیل کے تعارفی نوٹ اور آیات کی تشریح میں بہت زیادہ تفصیلات دی ہیں ____ تاہم اہل علم نے اسے ایک ایسی نشانی قرار دیا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ اور اپنے کعبے کی

عظمت واضح کرنے کے لیے ظاہر فرمائی تھی۔ تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ ابرہہ ہاتھیوں سمیت ایک بہت بڑی فوج لے کر کعبہ کو منہدم کرنے کی غرض سے آیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے پرندوں کے جھنڈ بھیجے جنہوں نے کنکریاں اس لشکر پر برسائیں جس سے ابرہہ اپنی فوج/ ہاتھیوں سمیت مر گیا۔ (تفصیلات کے لیے دیکھئے سورہ الفیل)

ابرہہ کے بری طرح سے تباہ و برباد ہونے کی تفصیلات آناً فاناً اس وقت کی متمدن دنیا (روم و فارس) تک پہنچ گئیں اور یوں ان سب کو یہ پیغام ملا کہ کعبہ/مکہ کو اللہ نے تقدیس کے لیے منتخب کیا ہوا ہے۔ لہٰذا آئندہ یہاں کی آبادی سے کسی انسان کا دعویٰ نبوت کے ساتھ اٹھنا اس واقعے کے عین مطابق ہوگا۔ (سید مودودی: ۲۰۰۰، مولانا صفی الرحمن مبارکپوری ۱۹۷۴۔ سید ابوالحسن علی ندوی ۱۹۸۰)

ضروری محسوس ہوتا ہے کہ ذیل میں چند امور، جن کا تعلق رسول اللہ کی ذاتِ گرامی سے ہے، کے بارے میں بھی مزید چند معلومات درج کی جائیں۔ نیز اس ماحول اور معاشرتی حقائق کا بھی ایک مختصر احوال درج کیا جائے جہاں آپ ﷺ نے طفولیت (بچپن) اور جوانی کے ایام گزارے جن سے آپ علیہ السلام کی زندگی کے آئندہ حالات و واقعات سمجھنے میں آسانی ہوگی۔

محمد بن عبداللہ:

رسول اللہ ﷺ کے والد محترم کا اسم گرامی عبداللہ تھا۔ ان کی والدہ کا نام فاطمہ بنت عمرو تھا اور وہ ایک بہت ہی معزز خاندان کی صاحبزادی تھیں (گذشتہ صفحات میں مزید تفصیل دی گئی ہے)۔ عبدالمطلب کی اولاد میں عبداللہ سب سے زیادہ خوبصورت، پاک دامن اور چہیتے تھے۔ عبدالمطلب نے عبداللہ کی شادی حضرت آمنہ سے کی جن کا تعلق نسب اور رتبے کے لحاظ سے معزز ترین خاندان سے تھا۔ ان کے والد وہب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب، بنو زہرہ کے سردار تھے۔ وہ مکہ ہی میں رخصت ہو کر حضرت عبداللہ کے

پاس آئیں مگر خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ تھوڑے عرصے بعد عبد اللہ کو عبد المطلب نے کھجور لانے کے لیے مدینہ بھیجا اور وہ وہیں انتقال کر گئے۔ ان کی تدفین نابغہ جعدی کے مکان میں ہوئی۔ اس وقت ان کی عمر ۲۵ سال تھی۔ اکثر مؤرخین کے بقول ابھی رسول اللہ پیدا نہیں ہوئے تھے۔ البتہ بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ آپ ﷺ کی پیدائش ان کی وفات سے دو ماہ قبل ہو چکی تھی۔ ان کا کل ترکہ پانچ اونٹوں، بکریوں کے ایک ریوڑ، ایک حبشی لونڈی نام برکت، کنیت ام ایمن جنہوں نے رسول اللہ کو گود میں کھلایا تھا۔

ولادتِ باسعادت

ہزار بار بشویم دہن زمشک و گلاب
ہنوز اسم تو گویم ہزار بے ادبی است

''میں اگر اپنے منہ کو ہزار بار مشک اور گلاب سے کیوں نہ پاک کرلوں تاہم اس کے بعد آپ (ﷺ) کا نام لینا بھی بے ادبی ہے''

رسول اللہ مکہ میں شعب بنو ہاشم کے اندر ۹ ربیع الاول یکم عام الفیل (یوم دوشنبہ) کو صبح کے وقت پیدا ہوئے۔ ولادت کے بعد والدہ نے عبد المطلب (دادا) کو پوتے کی ولادت کی خوشخبری بھیجی۔ وہ آپ علیہ السلام کو خانہ کعبہ لے گئے اور دعا کی اور آپ کا نام محمد ﷺ رکھا۔

جیسا کہ پہلے بتایا گیا کہ سیرت نگاروں نے حضور ﷺ کی زندگی کے بارے میں بہت تفصیل اور مختلف پہلوؤں کی جزئیات تک بھی بیان کی ہیں۔ پروفیسر عبد الرحمن عبد (مرحوم) نے بھی اپنی کتاب کی چوتھی جلد (حرم عرفات) میں مختلف احباب علم کی آراء کا ذکر کیا ہے ـــــ شبیر حسین ناظم صاحب نے اس محفل میں وضاحت کی ''حضور ﷺ کے دادا عبد المطلب نے ان کا جو نام رکھا تھا وہ گویا حکم تقدیر سے لوحِ کائنات پر مرقوم ہوا۔ محمد یعنی سب سے زیادہ اور بہت زیادہ تعریف کیا ہوا''

ایک دوسرے صاحب علم (عارف تنویر) نے آپ ﷺ کی زندگی کے مختلف ادوار کا تفصیلاً جائزہ لیتے ہوئے اپنی گفتگو کی تان اس پر توڑی کہ

''یہ انہی کا مقام ہے کہ انہوں نے پوری انسانیت کو خودی اور خدا کے مقام سے آشنا کیا، انہیں خود آگہی اور خدا آگاہی عطا کی۔ حتیٰ کہ ان کا یہ مرتبہ ہو گیا کہ خود اللہ تعالیٰ اور فرشتے بھی ان پر درود بھیجتے ہیں ـــــ صلی اللہ علیہ وسلم''

ایک تیسرے صاحب علم (حافظ یونس صاحب) یوں گویا ہوئے

''واقعی حضور اقدس ﷺ تو ممدوحِ الٰہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں پیار سے المزمل اور المدثر (اے اوڑھ لپیٹ کر سونے والے) یٰس، طٰہٰ اور نجانے کن کن الفاظ سے یاد کیا ہے۔ انہی ناموں میں قرآنی سورتیں نازل ہوئیں۔ ایک سورہ کا نام ''محمد'' ہے اور ذاتی نام سے قرآن مجید نے چار جگہ حضور ﷺ کا ذکر کیا ہے۔ ایک جگہ اسم احمد بھی مذکور ہے۔'' سورہ احزاب آیت ۴۶ میں ظہور قد کیلئے سراج منیر یعنی آفتابِ نور کا لفظ فرمایا ہے کہ اے محمد! ہم نے تمہیں انسانیت کے لئے گواہ بشارت دینے والا، عذابِ الٰہی سے ڈرانے والا اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی طرف بلانے والا بنا کر بھیجا ہے اور آپ سراجِ منیر ہیں اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا ﴿۴۵﴾ وَّ دَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِيْرًا ﴿۴۶﴾

طفولیت میں دودھ پلانے والی خواتین اور رضاعی بہن بھائی

آپ کو والدہ کے بعد سب سے پہلے ابولہب کی لونڈی ثویبہ رضی اللہ عنہا نے دودھ پلایا۔ اس وقت ان کی گود میں جو بچہ تھا، اس کا نام مسروح تھا۔ ثویبہ نے آپ ﷺ سے پہلے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب کو اور آپ ﷺ کے بعد ابوسلمہ رضی اللہ عنہ بن الاسد مخزومی کو بھی دودھ پلایا تھا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بھی دودھ پلانے کے لیے بنوسعد کی ایک عورت کے

حوالے کئے گئے تھے۔اس عورت نے بھی ایک دن جب رسول اللہ حضرت حلیمہ کے پاس تھے، آپ ﷺ کو دودھ پلا دیا۔اس طرح آپ ﷺ اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ دوہرے رضاعی بھائی بن گئے۔ایک حضرت ثوبیہ رضی اللہ عنہا کے تعلق سے اور دوسرے بنوسعد کی اس عورت کے تعلق سے۔

اس زمانے میں شہری عربوں کا دستور تھا کہ وہ اپنے بچوں کو دودھ پلانے کے لیے بدوی/ قبائلی عورتوں کو دیدیا کرتے تھے۔تا کہ بچے، شہروں کی آلودگی اور بیماریوں سے محفوظ رہیں۔نیز صحت مند ماحول (کھلی فضا، وسیع وعریض صحرائی آب وہوا) میں رہ کرنہ صرف طاقتور اور مضبوط وتوانا ہوجائیں بلکہ خالص عربی زبان بھی سیکھ لیں۔اس دستور کے مطابق عبدالمطلب نے ایک دایہ تلاش کی اور اپنے لختِ جگر کو حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کے حوالے کیا۔ یہ قبیلہ بنی سعد بن بکر کی ایک خاتون تھیں۔ان کے شوہر کا نام حارث بن عبدالعزیٰ اور کنیت ابو کبشہ تھی۔حارث کی اولاد میں ایک بیٹا (عبداللہ) اور دو بیٹیاں امینہ، حذافہ یا جزامہ تھیں۔موخر الذکر کا لقب شیما تھا اور اسی نام سے وہ مشہور ہوئیں۔یہ رسول اللہ کو اپنی گود میں کھلایا کرتی تھیں۔ یہ سب آپ ﷺ کے رضاعی بھائی بہن تھے۔ اسلامی تعلیمات میں رضاعی ماں اور بھائی بہنوں کو ایک خصوصی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ رضاعی ماں کو وہی درجہ حاصل ہوتا ہے جو ماں کو ہوتا ہے اور رضاعی بھائی بہنوں کو محرم کی حیثیت حاصل ہوجاتی ہے (یعنی ان کے ساتھ شادی/نکاح نہیں ہوسکتا)۔یاد رہے کہ عبدالرحمن عبد (مرحوم) نے ''بادیہ بابانی'' کی ضمنی سرخی کے تحت بی بی حلیمہ کے علاقے (بنو سعد) کے بارے میں بھی بہت تفصیلی معلومات دی ہیں جو پڑھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔

بنوسعد میں رضاعت

عرب کے دستور کے مطابق آپ کو پرورش کے لیے حلیمہ سعدیہ نامی خاتون کے سپرد کیا گیا۔اس کی روئیداد بھی انہیں کی زبان سے سننے میں ایک عجیب سی روحانی مسرت اور

آسودگی کا احساس ہوتا ہے۔ حلیمہ سعدیہ نے کہا ''ان ایام میں بلا دعرب میں قحط سالی کا دور دورہ تھا۔ میں اپنے شوہر اور دودھ پیتے بچے کو لے کر اپنے علاقے کی دیگر عورتوں کے ہمراہ مکہ آئی۔ ایک ایسی گدھی پر سوار تھی جو بھوک کی وجہ سے نہایت کمزور اور لاغر تھی۔ اسی لیے وہ اہل قافلہ سے پیچھے رہ جاتی تھی۔ ہمارے ساتھ ایک اونٹنی بھی تھی جس سے ایک قطرہ دودھ بھی نہیں ملتا تھا اور بچہ بھوک سے ساری رات بلکتا رہتا تھا کہ ہم دونوں رات کو سو بھی نہ سکتے۔ نہ میرے سینے میں بچے کو پلانے کے لیے کوئی دودھ پیدا ہوتا تھا ____ بمشکل تمام وہ مکہ پہنچے۔ ان کے ہمراہ دیگر عورتوں نے بڑھ بڑھ کر ایسے امیر کبیر لوگوں کے بچے حاصل کر لیے جن سے انہیں مال و دولت کی توقع تھی۔ تاہم کسی نے بھی اس درِیتیم کو نہ لیا۔ حلیمہ رضی اللہ عنہا نے بڑھ کر انہیں اپنی گود میں لے لیا۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ!

''یہ سعادت کسی کی ذاتی کوشش کا نتیجہ نہ تھا بلکہ یہ خدائے بخشندہ کی بخشش اور عطا ہے''

عہد طفولیت میں پرورش

حلیمہ رضی اللہ عنہا کو اس امر کی کیا خبر تھی کہ اللہ رب العزت نے حلیمہ رضی اللہ عنہا کو کائنات کی عظیم ترین ہستی کی خدمت کے لیے چن لیا کہ قیامت تک کوئی دوسری عورت اس شرف میں ان کی شریک نہیں ہو سکے گی۔ انہوں نے مزید فرمایا:

''جب میں بچے کو لے کر اپنے ڈیرے پر واپس آئی اور اسے اپنی آغوش میں رکھا تو میرے دونوں سینے دودھ کے ساتھ اس پر امنڈ پڑے اور اس نے شکم سیر ہو کر پیا۔ اس کے ساتھ اس کے بھائی نے بھی شکم سیر ہو کر پیا، پھر دونوں سو گئے حالانکہ اس سے پہلے ہم اپنے بچے کے ساتھ سو نہیں سکتے تھے۔ ادھر

میرے شوہر اونٹنی دوہنے گئے تو دیکھا کہ اس کے تھن دودھ سے لبریز ہیں۔ انہوں نے اتنا دودھ دوہا کہ ہم دونوں نے نہایت آسودہ ہو کر پیا اور بڑے آرام سے رات گزاری۔ صبح ہوئی تو میرے شوہر نے کہا حلیمہ! خدا کی قسم تم نے ایک بابرکت روح حاصل کی ہے۔ میں نے کہا مجھے بھی یہی توقع ہے!''

حلیمہ رضی اللہ عنہا نے یہ بھی کہا کہ:

''قافلہ جب واپس ہوا تو میری وہی خستہ حال اور کمزور گدھی نہ صرف مجھے بلکہ اس بچے (محمد ﷺ) کو لیکر قافلے والوں سے آگے نکل گئی۔ قافلے کے دوسری عورتوں نے حلیمہ رضی اللہ عنہا کو کہا کہ ہمیں بھی اپنے ساتھ ملنے دو آج تو تم بہت تیزی کے ساتھ چل رہی ہو۔ کیا یہ وہی سواری نہیں جس پر سوار ہو کر تم آئیں تھیں جو قافلے میں سب سے پیچھے رہ جاتی تھی۔ حلیمہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا بیشک یہ وہی گدھی ہے ـــــ '' قافلے والوں کو کیا پتہ کہ آج اس پر وہ ہستی بیٹھی ہے جو کائنات میں قیامت تک کے لیے راہ نمائی کے لیے مبعوث کی گئی ہے! ایک مرتبہ مکہ میں سخت قحط پڑا۔ طویل عرصے تک بارش نہ ہوئی ابو طالب نے ننھے محمد ﷺ کو لے کر دعا کی ـــــ تفصیل آئندہ صفحات میں آ رہی ہے۔''

''حلیمہ رضی اللہ عنہا کا خاندان، ان تمام خیر و برکات کا شب و روز مشاہدہ کر رہا تھا حتیٰ کہ دو سال پورے ہو گئے تو دودھ چھڑایا، بچہ صحت جسمانی کے لحاظ سے دوسرے بچوں کی نسبت بہت جلد بڑا ہو رہا تھا۔ اس کے بعد ہم بچے سمیت مکہ گئے تاہم ہماری دلی خواہش تھی کہ وہ مزید ہمارے پاس رہے۔ چنانچہ ہم نے درخواست کی کہ بچے کو ہمارے پاس مزید رہنے دیا جائے تاکہ مکہ میں موجود وبائی امراض سے وہ محفوظ رہ سکے۔ ہمارے اصرار پر انہوں نے بچہ ہمیں دیدیا اور ہم اس متاع بے بہا کو اپنے دامن میں لے کر واپس آ گئے۔''

شقِ صدر

بنو سعد میں، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ، زمانۂ رضاعت کے بعد بھی رہے ـــــ آپ ﷺ کی عمر ۴۔ ۵ سال کی تھی۔ آپ ﷺ دیگر بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے کہ ایک فرشتہ (جبرائیل علیہ السلام) آئے اور آپ ﷺ کے سینہ مبارک چاک کر کے دل نکالا اور اسے زمزم کے پانی سے دھو کر دوبارہ سینے میں رکھ دیا ـــــ دیگر بچے اس صورت حال سے ڈر کر بھاگے اور حلیمہ رضی اللہ عنہا کو خبر دی کہ کسی نے محمدؐ کو قتل کر دیا ہے ـــــ وہ لوگ بھاگ کر وہاں پہنچے تو دیکھا کہ آپ ﷺ کا رنگ اترا ہوا تھا۔(مولانا صفی الرحمن مبارکپوری ۱۹۷۶)

عبدالرحمن عبد (مرحوم) نے اپنی کتاب کی چوتھی جلد (حرم عرفات) میں شق صدر کے بارے میں حلیمہ سعدیہ اور ان کے شوہر کے بارے میں یہ لکھا ـــــ ’’میں اور میرا شوہر دونوں بھاگتے ہوئے گئے تو دیکھا کہ وہ بچہ کھڑا ہے اور اس کا رنگ فق ہے اس کے باپ نے اسے لپٹا لیا اور پوچھا بیٹا تجھے کیا ہو گیا۔ اس نے کہا دو آدمی سفید کپڑے پہنے ہوئے آئے مجھے لٹا کر میرا پیٹ چاک کیا اور اس میں سے کوئی چیز نکال کر پھینک دی اور پیٹ کو پھر ایسا ہی کر دیا جیسا وہ تھا‘‘ ـــــ اس واقعے کے بارے میں حبیب الرحمن صاحب (عبد صاحب کے ایک دوست اور ہمراہی) نے کہا کہ ’’اس واقعے پر سید مودودیؒ نے سیرتِ سرورِ عالم میں وضاحت کی ہے کہ شق صدر کا واقعہ اسرارِ الٰہی میں ہے جس کی کنہ کو انسان نہیں پہنچ سکتا۔ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ایسے عجیب واقعات بے شمار پیش آئے ہیں جن کی کوئی توجیہ نہیں کی جا سکتی، لیکن توجیہ کا ممکن نہ ہونا اس کے لیے کوئی معقول وجہ نہیں ہے کہ ان کا انکار کر دیا جائے‘‘

اس واقعے کے بعد حلیمہ رضی اللہ عنہا کو آپ کی زندگی کے بارے میں خدشہ ہوا اور انہوں نے آپ ﷺ کو والدہ یعنی حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے حوالے کر دیا۔ یوں آپ ﷺ چھ سال کی عمر میں والدہ کے آغوش محبت سے بہرہ مند ہوئے۔

دایا یا انا کے ضمن میں سیرۃ النبی ﷺ میں صراحت ہے کہ آنحضرت ﷺ کو جو

ترکہ والد سے ملا تھا اسی میں ایک حبشیہ کنیز (ام ایمن رضی اللہ عنہا) تھیں جو آپ ﷺ کی انا یا دایہ بھی تھیں۔حضور ﷺ کی حیات تک زندہ رہیں۔آپ ﷺ انہیں ہمیشہ اپنی ماں کہہ کر پکارتے تھے اور جب انہیں دیکھتے تو فرمایا کرتے کہ اب یہی میری خاندان کی یادگار رہ گئی ہیں۔حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کے بعد انہیں آزاد کر کے حضرت زید رضی اللہ عنہ (آپ ﷺ کے متبنیٰ اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے غلام) سے شادی کر دی۔اسامہ رضی اللہ عنہ انہی کے بطن سے تھے۔ جب ایک بوڑھی عورت نے آپ ﷺ سے اونٹ مانگا تو آپ ﷺ نے مزاحاً فرمایا کہ ''میں اونٹ کا بچہ دوں گا'' وہ بولی کہ بچہ لے کر میں کیا کروں گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''جتنے اونٹ ہیں، اونٹ کے بچے ہی ہوتے ہیں'' ـــــ یہ آپؓ کا ہی واقعہ ہے ـــــ وہ اکثر غزوات میں شریک رہیں۔ جنگ میں سپاہیوں کو پانی پلاتی تھیں زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں۔جنگ خیبر میں بھی شریک تھیں۔

والدہ اور دادا سے فراق وجدائی

چھ سال کی عمر میں بچے کو والدہ کی آغوش محبت اور کسی بزرگ (والد/دادا) کی شفقت کی جتنی ضرورت ہوتی ہے، وہ محتاج بیان نہیں۔مکہ میں رہتے ہوئے حضرت آمنہ کا جی چاہا کہ اپنے متوفی شوہر کی قبر کی زیارت کریں۔ پس وہ اپنے لعل کو لیکر اپنی خادمہ اُم ایمن رضی اللہ عنہا ◆ اور عبدالمطلب کی معیت میں عازمِ مدینہ ہوئیں۔ پانچ سو کلومیٹر کی یہ مسافت اس زمانے میں کیسے طے ہوئی اور اس قافلہ سخت جاں کو کس کس منزل اور وادیوں سے گذرنا پڑا، آج کے دور میں اس کا اندازہ کرنے سے ہی ایک انسان کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں تاہم مدینہ میں ایک ماہ قیام کے بعد واپسی ہوئی لیکن ابھی اپنے

◆ اللہ تبارک تعالیٰ کا اپنے بندوں پر اس سے بڑا اکرم اور کیا ہوگا کہ ولادت سے لے کر تاحینِ حیات جو کوئی بھی حضور علیہ السلام کی خدمت ومحبت سے سرشار ہوا، اسے قیامت تک کے لیے رضی اللہ تعالیٰ کی دعا کا مستحق بنا دیا۔

سفر کی ابتدائی منزلوں ہی میں تھیں کہ بیمار ہوگئیں اور بیماری نے اس قدر شدت اختیار کی کہ مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک مقام ابواء میں پہنچ کر رحلت کرگئیں۔

حیف در چشمِ زدن صحبتِ یار آخر شد
بوئے گل سیر ندیند کہ بہار آخر شد!

''صد افسوس کہ دوست سے ملاقات پلک جھپکتے ہی ختم ہوگئی____ابھی پھولوں کی خوشبو نے گلستان کو جی بھر بھی نہ دیکھا تھا کہ موسم بہار (ملاقات) اختتام پذیر ہوگیا!''

بوڑھے دادا کو اس یتیم بچے کی ماں کا یہ دکھ بھی دیکھنا پڑا۔ وہ انہیں اپنی شفقت کے دامن میں لے کر مکہ واپس آگئے۔ اس حادثے نے ان کے دل کے پرانے زخم (حضرت عبداللہ کی وفات حسرت آیات) بھی تازہ کردیئے اور ننھے محمد (ﷺ) کے لیے ان کے جذباتِ محبت ان بلندیوں کو پہنچے کہ کیا کسی دادا نے اپنے پوتوں کے لیے کی ہوگی۔ تنہائی کی اس حالت میں وہ اس ننھے اور دل و جان سے زیادہ پیارے بچے کو کسی حالت میں بھی اپنے سے جدا نہ رکھتے۔ خانہ کعبہ کے سائے میں اپنے فرش خاص پر انہیں اپنے ساتھ بٹھاتے (جبکہ ان کی دوسری اولاد، پاسِ ادب سے ان کے سامنے عام جگہ پر بیٹھتے)۔ جب بھی کسی نے کوشش کی کہ آپ ﷺ کو ان کے فرش سے اٹھا کر دوسری اولاد کے ساتھ بٹھا دے تو عبدالمطلب انہیں ایسا کرنے سے روک دیتے۔ وہ خود آپ ﷺ کی پیٹھ سہلاتے اور آپ ﷺ کی نقل وحرکت سے محظوظ ہوتے! ادھر محبت وشفقت کی اس قدر فراوانی کہ اپنے سے جدا نہ ہونے دینا، ادھر قضاء وقدر کو ایک اور آزمائش سے آپ ﷺ کو گزارنا تھا کہ:

کہ فطرت خود بخود کرتی ہے لالے کی حنا بندی!

مشیت ایزدی نے جوانی اور مابعد، آپ ﷺ کو جن آزمائشوں اور مسائل سے عہدہ برآ ہونے کے لیے تیار کرنا مقصود تھا، اس کا تقاضہ تھا کہ دنیاوی پیاروں سے جس قدر

جلد ممکن ہو، آپ ﷺ کو بے نیاز کر دیا جائے۔ عمر عزیز کے (۸ سال دو مہینے اور دس دن) ہی گزرے تھے کہ آپ ﷺ کو دادا کے سایہ شفقت سے بھی محروم ہونا پڑا۔

دیکھو جسے ہے راہ فنا کی طرف رواں
تیری محل سرا کا یہی راستہ ہے کیا؟

تاہم انہوں نے اپنی وفات سے پہلے آپ ﷺ کے چچا ابو طالب کو ــــــ جو آپ ﷺ کے والد عبداللہ کے سگے بھائی تھے، آپ ﷺ کی کفالت کی وصیت کر دی تھی اور امر واقعہ یہ ہے کہ انہوں نے مرتے دم تک اس وصیت کا حق ادا کر دیا!

حاصلِ زیست نثارے رخِ یارے کردم
شادم از زندگی خویش کہ کارے کردم!

''میں نے اپنی زندگی کا حاصل اپنے دوست کے لیے قربان کر دیا اور میں خوش ہوں کہ اپنی زندگی میں کوئی کارنامہ سرانجام دے پایا۔''

ابو طالب نے چالیس سال کی عمر تک آپ کی کفالت کی اور اپنی اولاد سے بڑھ کر آپ سے محبت و شفقت کا سلوک روا رکھا۔ بعثت کے بعد کفارِ مکہ کی ریشہ دوانیوں اور سازشوں نیز ایذا رسانیوں سے بچایا۔

اسی دوران مکہ میں قحط ہو گیا۔ لوگ بھوکوں مرنے لگے تو قریش نے ابو طالب سے درخواست کی کہ بارش کی دعا کریں ــــــ ابو طالب نے معصوم محمد ﷺ کا ہاتھ پکڑا اور ان کی پیٹھ کعبے کی دیوار سے لگا دی۔ بچے نے ان کی انگلی پکڑی ہوئی تھی۔ اس وقت دیکھتے ہی دیکھتے آسمان پر بادل نمودار ہوئے اور اس قدر بارش ہوئی کہ جل تھل ہو گیا۔ وادی میں سیلاب آ گیا۔ بعد ازاں ابو طالب نے اسی واقعے کی طرف درج ذیل شعر میں یوں اشارہ کیا:

وَاَبْیَضَ یُسْتَسْقٰی الغَمَامُ بِوَجْهِهٖ
ثِمَالَ الیَتٰمٰی عِصْمَةً لِلْاَرَامِلِ

''وہ گورے مکھڑے والا جس کے روئے زیبا کے واسطے سے ابر رحمت کی دعائیں مانگی جاتی ہیں۔وہ یتیموں کا سہارا وہ بیواؤں کا سرپرست ہے۔''

جوانی کا دور

آپ ﷺ کی عمر پندرہ سال کی ہوئی،عمر کا یہ دور وہ ہوتا ہے جسے آغاز جوانی کہا جاتا ہے۔اس دور کے عرب (بالخصوص مکہ) میں جوانوں کی جو حالت تھی،اس کا ایک بہت مختصر سا احوال گزشتہ صفحات میں بیان کیا گیا ہے۔ان حالات سے چنداں یہ نتیجہ اخذ کرنا مشکل نہیں کہ جوانی لاابالی پن اور بےفکری کا ایک ایسا خطرناک دور ہوتا ہے جس میں کسی بھی شخص کا بہک جانا کوئی امر تعجب نہیں۔ایک ایسا ماحول جہاں شراب نوشی،جوا،زنا اور دیگر گناہوں پر کوئی نکیر نہ تھی شباب کا زمانہ،فراغت اور عیش وعشرت کا زمانہ سمجھا جاتا ہے۔ پھر مکہ کے اس زمانے میں جو حالات تھے،ان کی عکاسی بھی سیرت کی کتب سے پڑھی جا سکتی ہیں! جوان ہونے پر انتہائی فاسد ماحول میں پلنے کے باوجود وہ نوجوان اپنی جوانی کو بےداغ رکھتا ہے۔

وہی جواں ہے قبیلے کی آنکھ کا تارا
شباب جس کا ہو بے داغ، ضرب ہوکاری
(اقبالؒ)

وہ جوان ہونے پر اپنے معاش کے لیے تجارت جیسا پاکیزہ اور معزز مشغلہ پسند کرتا ہے۔اور حسن معاملات کی یہ انتہا کہ لوگوں نے اسے ''تاجر امین'' کا لقب دیا۔عبداللہ بن ابی الحمساء کی گواہی آج بھی محفوظ ہے کہ بعثت سے قبل خرید وفروخت کے معاملہ میں اس تاجر امین سے طے ہوا کہ آپ ٹھہریں میں ابھی پھر آؤں گا۔لیکن بات آئی گئی ہوگئی۔تیسرے روز اتفاقاً عبداللہ کا گزر اسی مقام سے ہوا تو دیکھا کہ وہ تاجر امین وعدہ کی ڈوری سے بندھا اسی جگہ کھڑا ہے اور کہتا ہے کہ ''تم نے مجھے زحمت دی میں اسی مقام پر تین دن سے موجود ہوں۔''(ابوداؤد)

رشتۂ ازواج

یہ نوجوان رفیقہ حیات کا جب انتخاب کرتا ہے تو مکہ کی ایک ایسی خاتون سے رشتہ مناکحت استوار کرتا ہے جس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ خاندان اور ذاتی سیرت و کردار کے لحاظ سے نہایت اشرف خاتون ہے۔ پیغام خود وہی خاتون (حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا) بھیجتی ہیں۔ جو اس یکتائے روزگار نوجوان کے کردار سے متاثر ہوتی ہیں اور یہ نوجوان اس پیغام کو شرح صدر کے ساتھ قبول کرتا ہے!''

جیسا کہ درج بالا سطور میں بیان ہوا کہ جوانی ہی میں آپ ﷺ اپنی قوم میں اپنے اخلاق، حسن تدبیر اور کریمانہ عادات اور سب سے بڑھ کر خیر کے کاموں میں شرکت کرنے والے تھے کہ کفار مکہ نے آپ کو صادق اور امین کہنا شروع کر دیا تھا۔ اسی دوران جوانی کے دور اور بعثت سے پہلے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی قائدانہ صلاحیتوں کے استعمال کا ایک موقع فراہم کیا۔ دیکھئے آپ نے اس کو کس طرح نبھایا!''

ہر نئی تعمیر کو لازم ہے تخریب تمام

جیسا کہ گزشتہ صفحات میں بتایا گیا کہ کعبے کی تعمیر نو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے ہاتھوں ہی ہوئی تھی۔ ایک طویل زمانہ گزر چکا تھا، عمارت خستگی کا شکار ہو چکی تھی، دیواریں پھٹ گئی تھیں۔ اسی سال ایک زوردار سیلاب سے خطرہ پیدا ہو گیا اس کے منہدم ہونے کا۔ اس لیے فیصلہ کیا گیا کہ اس کی تعمیر کی جائے۔ تاہم اس امر پر بھی اتفاق ہو گیا کہ تعمیر نو کے کام میں صرف حلال اور جائز رقم ہی استعمال کی جائے گی۔ حرام مال از قسم طوائفوں اور سود سے کمایا ہوا مال اور کسی کا ناجائز لوٹا ہوا مال استعمال نہیں ہوگا۔ تاہم ہر شخص ڈرتا تھا کہ مبادا اس کا آغاز کرنے پر اللہ کا عذاب نازل ہو جائے۔ لیکن ولید بن مغیرہ مخزومی نے ابتدا کی تو باقی لوگوں نے اس کا اتباع کیا۔ ہر قبیلے نے علیحدہ علیحدہ پتھر اکٹھے کیے تھے کہ اس شرف میں شمولیت چاہتے تھے۔

جب عمارت حجر اسود تک پہنچ گئی تو یہ جھگڑا اٹھ کھڑا ہوا کہ حجر اسود کو اس کی جگہ پر رکھنے کا شرف کسے حاصل ہو۔ یہ جھگڑا ۴۔ ۵ دن تک جاری رہا اور قریب تھا کہ اس پر کوئی جنگ چھڑ جاتی لیکن ابو امیہ مخزومی نے یہ کہہ کر فیصلے کی صورت پیدا کر دی کہ دوسرے دن مسجد حرام کے دروازے سے جو شخص داخل ہو اسے جھگڑے کو نبٹانے کے لیے حکم مان لیا جائے۔

یہ مشیت الٰہی تھی کہ وہ اپنے رسول ﷺ کی قیادت و سیادت کو اہل مکہ نیز عربوں سے منوانا چاہتا تھا کہ اگلے دن سب سے پہلے آپ ﷺ ہی تشریف لائے جس پر تمام لوگ بیک زبان پکار اٹھے: "هذا الامين رضينا هذا محمد" (یہ امین ہیں، ہم ان سے راضی ہیں یہ محمد ﷺ ہیں)۔ آپ نے تمام معلومات حاصل ہونے کے بعد ایک چادر طلب کی، حجر اسود اس کے درمیان رکھا اور تمام قبائل کے سرداروں سے کہا کہ وہ اس چادر کا کنارہ پکڑ کر اوپر اٹھائیں۔ جب چادر حجر اسود کے مقام تک پہنچ گئی تو آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے حجر اسود کو اس کی مقررہ جگہ پر رکھ دیا۔ اس طرح ہزاروں سال قبل تعمیر کعبہ کا جو شرف آپ ﷺ کے جد اعلیٰ کو نصیب ہوا تھا، اس کی تکمیل تو بھی ان کی اولاد یعنی آپ ﷺ کو نصیب ہوئی!

عائلی زندگی کا آغاز

یہ بھی بتایا جا چکا ہے کہ قریش تجارت کے لیے سال میں دو مرتبہ تجارتی قافلے بھیجا کرتے تھے، جس میں مالدار لوگ اپنا مال خود لے کر یا کسی کی نگرانی میں قافلوں کی شکل میں دوسرے شہروں/ملکوں میں بھیجا کرتے تھے۔ مکہ میں خدیجہ نامی ایک دولت مند تاجر خاتون تھیں جو حسب ونسب، اور سوجھ بوجھ کے لحاظ سے اپنی قوم کی سب سے معزز اور افضل خاتون تھیں۔ جب آپ ﷺ کی عمر ۲۵ سال کی تھی انہوں نے آپ ﷺ کی دیانت و صداقت اور حسنِ اخلاق کی شہرت سنی ہوئی تھی۔ وہ اپنا مالِ تجارت لوگوں کو دے کر مضاربت کے اصول پر ایک حصہ طے کر لیتی تھیں۔ انہوں نے آپ ﷺ کو پیغام کے

ذریعے پیش کش کی کہ آپ ﷺ ان کا مالِ تجارت لے کران کے غلام میسرہ کے ساتھ ملک شام جائیں۔ وہ دوسرے تاجروں کو جس قدر منافع دیتی ہیں، اس سے بہتر اجرت آپ ﷺ کو دیں گی۔آپ ﷺ نے یہ پیش کش قبول کرلی اوران کا مال لے کران کے غلام کے ہمراہ ملک شام تشریف لے گئے۔

حضور کی سرکردگی میں تجارتی قافلے کی ملک شام سے واپسی پر،حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنے مال اورمنافع میں جو برکت دیکھی،وہ اس موقعہ سے پہلے کبھی نہ دیکھی تھی۔دوسری طرف ان کے غلام میسرہ نے بھی آپ ﷺ کے اخلاقِ عالیہ،سمجھ بوجھ اورصداقت و ایمانداری اور بلند کردار کی صفات بیان کیں،تو گویا ''حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو اپنا گم گشتہ گوہر مطلوب دستیاب ہوگیا!''

اوراب گوہر مطلوب ملنے پرانہوں نے اپنے دل کی بات اپنی سہیلی نفیسہ سے کہی اور نفیسہ نے جا کرآپ ﷺ سے گفت وشنید کی۔آپ ﷺ راضی ہوگئے اوراپنے چچاؤں سے اس معاملے میں بات کی۔انہوں نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے چچا سے بات کی اور شادی کا پیغام دیا،اورشادی ہوگئی۔نکاح میں بنی ہاشم اور رؤسائے مضر شریک ہوئے۔ (صفی الرحمن ۷۶-۱۹)۔اس ضمن میں بھی مزید معلومات گذشتہ صفحات میں درج کی گئی ہیں۔ یہ واقعہ ملک شام کے تجارتی سفر کے دو ماہ بعد کی بات ہے۔آپ ﷺ نے مہر میں بیس اونٹ دیئے۔اس وقت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر ۴۰ سال تھی اوراس سے پہلے بڑے بڑے سرداروں اورروساء نے شادی کا پیغام بھیجا لیکن آپ رضی اللہ عنہا نے کسی پیغام کو بھی منظور نہیں کیا! تاہم یہ وہ سب سے پہلی خاتون تھیں جن سے آپ ﷺ نے شادی کی اوران کی وفات تک کسی دوسری خاتون سے شادی نہیں کی۔آپ ﷺ کی اولاد ماسوا ابراہیم کے انہی کے بطن سے ہوئی۔پہلے قاسم پیدا ہوئے۔آپ ﷺ کی کنیت ابوالقاسم پڑی۔پھر زینب رضی اللہ عنہا، رقیہ رضی اللہ عنہا، ام کلثوم رضی اللہ عنہا اور فاطمہ رضی اللہ عنہا اور آخر میں عبداللہ پیدا ہوئے۔آپ کے سب بچے (لڑکے) بچپن ہی میں وفات پاگئے۔البتہ بچیوں میں سے ہر

ایک نے اسلام کا زمانہ پایا۔ مسلمان ہوئیں، ہجرت کے شرف سے مشرف ہوئیں۔ لیکن سب کی وفات ماسوا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا، آپ ﷺ کی حیات میں ہوئی۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا انتقال وفات حضور ﷺ کے ۶ ماہ بعد ہوا۔

حضور ﷺ کے خاندانی تعلقات

نعیم صدیقی (۱۹۷۸) نے اپنی کتاب میں ''قائد ریاست کے وسیع تعلقات'' کے عنوان سے بہت تفصیل کے ساتھ معلومات فراہم کی ہیں۔ یہ تمام تر معلومات پڑھنے کے لائق ہیں۔ واضح رہے کہ انسانی زندگی میں کامیابی کے لیے جہاں اللہ تعالیٰ کی مدد اور ایک انسان کا ذاتی اخلاق ممد و معاون ہوتا ہے، وہاں اس کے خاندانی تعلقات بھی انسان کی قوتِ نفوذ کو بڑھاتے ہیں۔ بالعموم انسانی قیادت میں وہی شخصیت کامیاب رہتی ہے جس کے علائق کا دائرہ وسیع ہو اور وہ خود انہیں وسیع کرے اور ہر تعلق کے حقوق ادا کرے۔''

موضوع زیر بحث کا تقاضہ ہے کہ ان علائق کا بھی اجمالی تذکرہ کیا جائے اور دیکھا جائے کہ یہ علائق کس طرح تحریک اسلامی کے حق میں مفید ثابت ہوئے اور انہوں نے اسلامی انقلاب کے سیاسی عمل کو کتنا آسان اور کامیاب بنایا۔

نسبی تعلق

قبائل جن کے ساتھ آپ ﷺ کا نسبی تعلق بنتا ہے ان کی تعداد ۳۸ ہے۔ یہ وسیع نسبی تانا بانا اتنی دور تک پھیلا ہوا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دوسرے رفقائے نبی ﷺ اس سے مربوط ہیں۔ حضور ﷺ کے چچاؤں میں مشہور ترین ابوطالب، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ، عباس بن عبدالمطلب اور چند دیگر ہیں جنہوں نے آپ ﷺ کی بہت مدد کی لیکن ابولہب نے چچا ہونے کے باوجود، مخالفت کی تمام تر حدود کو پامال کیا۔ اس کی بیوی بھی پکی دشمنِ اسلام تھی۔

حضور ﷺ کی پھوپھیوں میں مشہور ترین ام حکیم بیضا اور دوسری پھوپھی امیمہ

تھیں۔تیسری پھوپھی حضرت عاتکہ تھیں، چوتھی حضرت صفیہ، پانچویں برہ تھیں۔

مدینہ میں ننھیالی تعلقات

نسبی تعلقات کے بعد اب ہم اس امر کا مطالعہ کریں گے کہ حضور ﷺ کے ننھیالی رشتے داروں کے تعلقات دعوتِ اسلامی میں کیسے مدد ومعاون ثابت ہوئے۔

حضور ﷺ کے والد جناب عبداللہ کی والدہ فاطمہ بنت عمر، مدینہ کے مشہور خاندان بنونجار میں سے تھیں۔اس سے پہلے حضور ﷺ کے پردادا ہاشم نے بھی قبیلہ خزرج کی ایک خاتون ہند بنت عمرو بن ثعلبہ سے مدینہ میں نکاح کیا تھا۔اس واسطے سے حضور ﷺ کے والد جناب عبداللہ کے روابط بھی مدینہ میں خاصے گہرے تھے۔اور اتفاق کی بات ہے کہ ایک تجارتی سفر میں وہیں آپ ﷺ کے والد کی وفات ہوئی اور قبر بنی۔''

حضور ﷺ کی والدہ ماجدہ مدینہ میں اپنے اقربا کو ملنے اور اپنے شوہر کی قبر کو دیکھنے کے لیے آپ ﷺ بعمر ۵ سال کولیکر یثرب گئیں۔وہاں ایک ماہ تک حضور ﷺ کا قیام رہا۔دارالنابغہ مستقر تھا ہجرت کر کے تشریف لے گئے تو ۴۷ سال قبل کا وہ دور آنکھوں میں پھر گیا۔مجالس میں کبھی کبھار فرماتے کہ یہاں ایک لڑکی انیسہ ہوتی تھی جو ہمارے ساتھ کھیلا کرتی تھی۔فلاں قلعہ کے اوپر ایک پرندہ برابر بیٹھا کرتا تھا اور بچے اسے اڑایا کرتے تھے۔ اس گھر میں میری والدہ فلاں جگہ بیٹھا کرتی تھیں اور والدہ کی قبر فلاں جگہ بنائی گئی تھی۔ حضور ﷺ نے یہ بات بھی بیان کی کہ بنوعدی بن النجار کی باؤلی (تالاب) میں میں نے تیرنا اچھی طرح سیکھ لیا تھا۔اسی سفر میں واپسی پر حضور ﷺ کی والدہ کا انتقال ابواء کے مقام پر ہوا۔''

مدینہ کے لوگ خصوصاً بنونجار آپ ﷺ کو اپنا قریبی عزیز سمجھتے تھے۔آپ ﷺ کا استقبال کرنے میں بنونجار پیش پیش تھے اور ان کی بچیاں بڑے والہانہ انداز میں خیر مقدم کے ترانے الاپ رہی تھیں۔

طلع البدر علینا
من ثنیاتِ الوداع
وجب الشکر علینا
ما دعٰی لِلّٰہِ داع

چھوٹی بچیاں دف بجا کر گاتی پھرتی تھیں:

نحن جوار من بنی نجار
یا حب ذا محمداً من جار

''ہم بنی نجار کے ہمسائے ہیں اور ہماری خوش نصیبی کہ محمد ﷺ ہمارے ہیں۔''

رسول اللہ ﷺ نے محبت اور شفقت کے ساتھ پوچھا کہ کیا تم مجھے چاہتی ہو؟ انہوں نے فرطِ شوق سے جواب دیا ''ہاں'' آپ ﷺ نے جواباً فرمایا کہ ''میں بھی تمہیں چاہتا ہوں۔'' دوطرفہ محبت کے ان جذبات نے نسلِ نو پر کیا اثرات مرتب کئے ہوں گے، آج اس کا اندازہ کرنا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے!۔

رضاعی تعلقات

رضاعی ماں باپ کو جو حقوق اور مراعات اسلام نے عطا کی ہیں، اس کے بارے میں کسی دوسری جگہ میں بھی ذکر کیا جا چکا ہے۔ تاہم رضاعی ماں کی عزت و احترام کا اندازہ، رسول اللہ ﷺ کے اس اسوۂ حسنہ سے لگایئے جس کا اظہار درج ذیل حدیث سے ہو رہا ہے اور پھر اس دور کا ہر امتی بلکہ انسان اپنا جائزہ لے کہ کیا وہ اپنی والدہ/ انّا (دودھ پلائی ماں) سے اتنی ہی محبت کرتا ہے جس کا سبق یہ حدیث ہمیں دے رہی ہے۔

أَنَّ أَبَا الطُّفَيْلِ، أَخْبَرَهُ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم يَقْسِمُ لَحْمًا بِالْجِعِرَّانَةِ - قَالَ أَبُو الطُّفَيْلِ وَأَنَا يَوْمَئِذٍ غُلاَمٌ أَحْمِلُ عَظْمَ الْجَزُورِ - إِذْ أَقْبَلَتِ امْرَأَةٌ حَتَّى دَنَتْ إِلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فَبَسَطَ لَهَا رِدَاءَهُ فَجَلَسَتْ عَلَيْهِ فَقُلْتُ مَنْ هِيَ

فَقَالُوا هَذِهِ أُمُّهُ الَّتِي أَرْضَعَتْهُ. (سنن ابوداؤد: 5144)

''حضرت ابوالطفیل سے روایت ہے کہتے ہیں کہ موضع جعرانہ میں جب رسول اللہ ﷺ لوگوں میں گوشت تقسیم کررہے تھے میں اس وقت ایک لڑکا تھااوراونٹ کی ہڈی اٹھاتے ہوئے تھا۔ میں نے دیکھا کہ آپ کے پاس ایک عورت آئی جب وہ پاس پہنچ گئی تو آپ ﷺ نے اس کے لیے چادر بچھائی جس پر اس کو بٹھایا۔ میں نے لوگوں نے پوچھا کہ یہ کون عورت ہے؟ انہوں نے بتایا کہ یہ آپ ﷺ کی دودھ پلانے والی ماں ہے۔''

اس حدیث سے اسوۂ رسول ﷺ کے جس حسین ترین اور روشن پہلو پر روشنی پڑتی ہے، اس کی تفصیلات جاننے ے لیے شاید ایک کتب خانہ بھی کافی نہ ہو۔ تاہم ایک حساس دل، جسے آخرت میں رسول کریم ﷺ کی شفاعت کے حصول کا بھی خیال ہو، ہر پہلو سے نہ صرف اپنی رضاعی ماں، خالہ اور بالآخر اپنی والدہ کے ساتھ جس احترام اور جذبۂ خدمت سے کام کرنا چاہیے، وہ کسی صورت بھی اس جذبۂ شوق کی تکمیل نہیں کرسکتا جو اس ایک حدیث سے حاصل ہوتے ہیں کجا یہ کہ وہ اس قسم کی دیگر ہدایاتِ ربانی اور احادیث رسول ﷺ کا لفظاً ومعناً اتباع کا حق ادا کرسکے!

اس ضمن میں اسلامی تعلیمات کا دائرہ اس حد تک وسیع ہے کہ ماں باپ کے مرنے کے بعد، ان کے دوست احباب سے بھی عزت واحترام کا سلوک کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ بالخصوص والدہ کی بہن (خالاؤں) کے ساتھ بھی والدہ کی طرح ادب واحترام سے پیش آنے کی ہدایت کی گئی ہے۔

ضمناً یہاں اس امر کی جانب اشارہ کرنا بھی ضروری ہے کہ مغربی ممالک بشمول امریکہ میں بوڑھے والدین کی اس حالت زار کو بھی ذہن میں رکھیں جہاں وہ ''بوڑھے والدین کی پناہ گاہوں'' *(OLD PARENT'S HOMES)* میں اپنی زندگی کے آخری ایام نہایت کسمپرسی کے عالم میں گزارنے پر مجبور ہیں اور بالآخر اپنی اولاد نیز پوتے/ پوتیوں،

نواسے/نواسیوں کی ایک جھلک دیکھنے کو ترستے ہوئے مرجاتے ہیں!

فتح مکہ کے بعد بنی ہوازن کو شکست دینے کے بعد جعرانہ میں بے شمار مالِ غنیمت کی تقسیم ہوئی۔ حضور ﷺ نے مکہ کے باشندوں اور ان کے لیڈروں (جس میں ابوسفیان سمیت بڑے بڑے دیگر سردار شامل تھے جو آج مجرم بنے کھڑے تھے) کو عطیات دیئے۔

ادھر ۴ ہزار اسیرانِ جنگ قسمت کے فیصلے کے منتظر تھے۔ حضور ﷺ پورے دو ہفتے تک منتظر رہے کہ کوئی ان کے بارے میں آ کر شاید بات چیت کرے۔ مالِ غنیمت کی تقسیم بھی اسی لیے روکے رکھی۔ مگر جب کوئی نہ آیا تو تقسیم عمل میں آ گئی۔ تقسیم کے بعد حلیمہ سعدیہ (حضور ﷺ کی رضاعی والدہ) کے قبیلے کے معززین کا وفد زہیر بن صرو کی سرداری میں قیدیوں کے متعلق بات کرنے آیا۔ زہیر نے حضور کو مخاطب کر کے بڑی موثر تقریر کی اور کہا:

> ''جو عورتیں چھپروں میں محبوس ہیں، ان میں تیری پھوپھیاں ہیں، ان میں تیری خالائیں ہیں۔ خدا کی قسم اگر سلاطینِ عرب میں سے کسی نے ہمارے خاندان میں دودھ پیا ہوتا تو ان سے بہت امیدیں ہوتیں۔ تجھ سے تو ہمیں اور بھی زیادہ توقعات ہیں۔''

حضور ﷺ نے وضاحت فرمائی کہ میں تو منتظر تھا کہ کوئی آئے۔ مجبوراً تقسیم کر دی گئیں۔ اب جو قیدی بنی ہاشم کے حصے میں آئے ہیں ان کو میں تمہارے حوالے کرتا ہوں۔ باقیوں کے لیے مسلمانوں کے مجمع عام نماز کے بعد بات کرنا۔ نماز کے بعد زہیر نے اپنی درخواست دہرائی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے صرف اپنے خاندان پر اختیار ہے، البتہ میں تمام مسلمانوں سے سفارش کرتا ہوں۔'' فوراً مہاجرین اور انصار بول اُٹھے کہ ہمارا حصہ بھی حاضر ہے۔ صرف بنی سلیم اور بنی فزارہ کے لیے یہ تجربہ بڑا انوکھا تھا کہ لڑ کر مفتوح ہونے والے دشمن کے قیدی مفت میں رہا کر دیئے جائیں۔ آخر حضور ﷺ نے ان کو ۴

اونٹ فی قیدی دے کر بقیہ کو بھی رہا کرا دیا۔ پورے ۴ ہزار قیدی آزاد ہو گئے۔ متعدد قیدیوں کو حضرت ﷺ نے کپڑے بھی دیئے۔

عام فاتحین کے برعکس نہ صرف قیدیوں کی جان بخشی کی بلکہ بلا فدیہ ان کو بطور احسان کے رہا کر دیا۔ اصل مقصد لوگوں کو ہلاک کرنا یا غلام جمع کرنا نہیں تھا۔ مقصود تو صرف نظامِ حق کی اقامت اور دلوں کو اس کے لیے ہموار کرنا تھا۔ (نعیم صدیقی ۱۹۷۸)

اسی طرح کا ایک دوسرا واقعہ بھی ان تعلقات کی وسعت پر روشنی ڈالتا ہے۔ ابولہب کی ایک کنیز ثوبیہ کا دودھ آپ ﷺ نے چند روز تک پیا تھا۔ اس کا اتنا لحاظ تھا کہ ثوبیہ کے لیے مدینہ سے کپڑے بھجوایا کرتے تھے۔ مستقل رضاعت حلیمہ سعدیہ کے حصے میں آئی جو بنو ہوازن سے تعلق رکھتی تھیں۔ بڑی لڑکی حذافہ (جن کا لقب شیما تھا) نے بچپن میں حضور ﷺ کی خدمت کی تھی۔ غزوہ حنین کے موقعہ پر گرفتار ہو کر آئیں۔ انہوں نے فوجی نگرانوں سے کہا کہ میں تو تمہارے قائد کی بہن ہوں یہ آپ ﷺ کے سامنے لائی گئیں تو حضور ﷺ نے **بڑی مسرت سے استقبال کیا اور اعزاز کے لیے چادر بچھائی۔ اور آپ ﷺ پر رقت طاری ہوگئی۔** ◆ پھر فرمایا اگر چاہو میرے پاس رہو اور چاہو تو تمہیں قبیلے میں پہنچا دیا جائے۔ انہوں نے واپس جانے کی خواہش کی۔ آپ ﷺ نے کچھ دے کر رخصت کیا۔ انہیں اسلام لانے کی سعادت بھی نصیب ہوئی!

صاحبزادیوں کے نکاح

سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح مکہ ہی میں ابوالعاص بن ربیع سے ہو گیا تھا۔ ابوالعاص کی والدہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سگی بہن تھیں۔ یعنی حضور ﷺ ان کے خالو تھے۔ سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا نے والدہ کے ساتھ ہی اسلام قبول کیا تھا، وہ ہجرت کر کے مدینہ آ گئیں۔ بعد میں ابوالعاص بھی ایمان لائے اور مدینہ آ گئے۔ سابق نکاح بحال رہا۔ میاں بیوی میں تعلق

◆ یہ اس دور کا حال ہے جب کہ قیدیوں کو قتل کرنا عام رواج تھا اور کسی صورت بھی برا نہیں سمجھا جاتا تھا!

بڑا گہرا تھا۔ چنانچہ مکہ والوں کی طرف سے ابو العاص کو بھی مجبور کیا گیا کہ وہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو طلاق دیدیں مگر وہ نہ مانے۔اسی تعلق کی وجہ سے بہ حالت کفر ابوالعاص کو مسلمانوں کے اذن سے بغیر فدیہ کے رہا کر دیا گیا اور ایک بار قبضے میں آیا ان کا تجارتی مال بھی واپس کر دیا۔

سیّدہ رقیہ کا نکاح مکہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ہوا تھا۔انہوں نے راہ خدا میں پہلے پہل اکٹھے ہجرت کی۔ ۲ھ میں ان کے انتقال پر ۳ھ میں آپ ﷺ نے اپنی تیسری صاحبزادی کا نکاح بھی باشارہ الٰہی حضرت عثمان سے کر دیا جس کی بنا پر وہ ذوالنورین (دو نوروں والے) کہلائے۔

> ''حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا، جب اٹھارہ سال کی ہوئیں تو ان کی شادی کے پیغام آنے شروع ہوئے۔سب سے پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور بعد ازاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے درخواست کی ـــــ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب درخواست کی تو آپ ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا ان کی خاموشی کو ان کی رضا پر محمول کرتے ہوئے آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تمہارے پاس مہر میں دینے کے لیے کیا ہے ـــــ بولے کچھ نہیں ـــــ آپ ﷺ نے زرہ بیچ دینے کو کہا جو جنگ بدر میں ہاتھ آئی تھی۔سید سلیمان ندوی نے لکھا کہ وہ زرہ سوا سو روپے میں بکی ـــــ اس کے علاوہ جو کچھ سرمایہ تھا، وہ ایک بھیڑ کی کھال اور بوسیّدہ یمنی چادر تھی۔حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ سب کچھ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے نذر کیا''

شادی کے بعد علیحدہ گھر کی ضرورت کو حضرت حارثہ بن نعمان انصاری نے نہایت محبت وعقیدت کے ساتھ پورا کیا ـــــ حضور ﷺ نے سیّدہ عالم کو جو جہیز دیا، وہ بان کی چارپائی، چمڑے کا گدا (کھجور کے پتوں والا) ایک چھاگل، ایک مشک، دو چکیاں اور دو مٹی کے گھڑے دیئے!

حضور ﷺ کی خاندانی زندگی اور اشاعت دین

گزشتہ صفحات میں بتایا گیا کہ حضور ﷺ کے ہم نسب قبائل کی تعداد ۳۸ تھی۔ آپ ﷺ نے عرب کے اس مخصوص قبائلی نظام کو بھی کارِنبوت کے لیے استعمال کیا۔قبائلی نظام کا خاصہ ہے کہ وہ اپنے اور پرائے میں پورے تعصب کے ساتھ فرق اور امتیاز کرتا ہے۔ اس پس منظر میں حضور ﷺ کے یہ تمام علائق دعوت اسلامی کے پھیلنے میں ممدو معاون ثابت ہوئے۔

☆......ام المومنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا جو بنو مصطلق کے قبیلے کی خاتون ہیں۔ یہ قبیلہ بہت طاقتور اور ڈاکہ زنی میں معروف تھا۔آپ رضی اللہ عنہا کا والد ایک نامی گرامی رہزن تھا اور اسلامی حکومت کے ساتھ اس قبیلے نے بہت سخت عداوت کا رویہ روا رکھا تھا۔ کسی معاہدے میں شامل ہونے سے نہ صرف انکاری تھے بلکہ مخالفت میں ہر محاذ پر موجود۔ جب طاقت کے زور سے انہیں دبا دیا گیا تو حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا قیدیوں میں شامل تھیں۔ جب حضور ﷺ سے ان کا نکاح ہوگیا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پورے قبیلے کے قیدی رہا کر دیئے کہ یہ لوگ اب پیغمبرؐ خدا کے سسرالی رشتے دار بن گئے چنانچہ انہیں قید میں رکھنا مناسب نہ سمجھا گیا۔اس نکاح کی برکت کہ یہ قبیلہ اس رحمدلانہ سلوک سے رہزنی چھوڑ کر امن پسند اور نظامِ اسلام کا مطیع بن گیا کہ ریاست مدینہ کا قائدان کا اپنا عزیز تھا جس کی مخالفت نہیں کی جا سکتی تھی!

☆......اسی طرح کا واقعہ ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کا ہے۔نجد کا علاقہ انتہائی سیاسی اہمیت کا حاصل تھا۔اس قبیلے نے ایک دعوتی اور تعلیمی وفد کے ستر افراد کو شہید کر دیا تھا۔اور متعدد بار اسلام کے خلاف فتنہ انگیزیاں کیں۔حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سردار نجد کی اہلیہ کی بہن تھیں۔آنحضور ﷺ کا حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے نکاح سے وہ بھی مطیع ہو گئے۔

☆ ......حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ازدواجی زندگی کا یہ ایک بہت ہی اچھوتا پہلو ہے جو ہمیں دنیا کی دینی شخصیت، مصلح اور سیاسی راہ نما کسی کی زندگی میں نظر نہیں آتا۔ آپ ﷺ کی ازواج نے حضور ﷺ کے مشن کے لیے تن من دھن کے ساتھ تعاون کیا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنی تمام تر زندگی گویا آپ ﷺ کے لیے وقف فرما دی۔ عرب کی جاہل اور قبائلی روایات کی حامل خواتین کی دینی، معاشرتی اور علمی و عملی تعلیم و تربیت کا فریضہ نہ صرف وہ حضور ﷺ کی زندگی میں ادا کرتی رہیں۔ قرآن کریم میں اسی ضرورت کے تحت امہات المومنین رضی اللہ عنہا کی تربیت کے لیے احکامات نازل ہوئے، وہ دنیا کی تمام عورتوں کے لیے راہ نمائی کا ذریعہ بن گئے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا اور ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے خواتین کی علمی اور ذہنی قیادت میں قابل ذکر کردار ادا کیا۔

☆ ......حضور ﷺ کی ایک شادی تو خاندانی تالیف قلب کا ذریعہ بھی بنی۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا بنت جحش کی شادی حضور ﷺ نے اپنے منہ بولے بیٹے حضرت زید رضی اللہ عنہ سے کی۔ نباہ نہ ہوسکا۔ طلاق ہوئی، اللہ تعالیٰ نے محترمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضور ﷺ کے ساتھ کر دیا۔ تفصیل آئندہ صفحات میں درج ہے۔

☆ ......آنحضور ﷺ کو اپنے مسلم رشتے داروں کا بالخصوص جس قدر خیال تھا اس کی ایک بہت ہی نادر مثال حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا بنت ابوسفیان کی ہے جس کی ایک وجہ تالیف قلب بھی تھی۔ وہ عبیداللہ سے بیاہی ہوئی تھیں اور انہی کے ساتھ ہجرت کر کے حبش چلی گئیں۔ وہاں شوہر نصرانی ہوگیا اور بعد ازاں شراب نوشی کی وجہ سے مر گیا۔ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے اسلام پر ثابت قدمی دکھائی کہ غریب الوطنی میں شوہر کا ترک اسلام اور موت، دہرا صدمہ تھا۔ آپ ﷺ نے قاصد خاص کے ذریعے شاہ نجاشی کے پاس نکاح کا پیغام دے کر بھیجا۔ جب انہیں اس کی اطلاع ہوئی تو وہ اس قدر خوش ہوئیں کہ اپنا زیور، اس لونڈی کو دیدیا جس نے یہ خبر انہیں اس کو سنائی۔ ادھر شاہ

نجاشی بھی کوئی دنیا دار بادشاہ نہ تھا۔ اس نے ازخود نکاح پڑھایا۔ ام حبیبہ نے اپنے ماموں کے لڑکے خالد بن سعید بن ابی العاص کو اپنا وکیل بنایا۔ شاہ نجاشی نے اپنے پاس سے ۴۰۰ دینار مہر ادا کیا اور ضیافت کی۔

☆......اسی طرح ام المساکین زینب رضی اللہ عنہا بنت خزیمہ بن الحارث ہلالیہ، جو حضور ﷺ کے پھوپھی زاد عبداللہ بن جحش کے نکاح میں تھیں۔ ان کی شہادت غزوۂ احد میں ہوئی تو حضور ﷺ نے ان کی بیوگی کا خیال کرتے ہوئے انہیں اپنے حرم میں لے لیا۔

ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے ساتھ معاشرت

سیرت النبی ﷺ کے مصنّفین (شبلی نعمانی اور سید سلیمان ندوی) نے درج بالا عنوان کے تحت بہت مفید معلومات تحریر کی ہیں۔ ہم اس کتاب کی جلد دوم سے استفادہ کرتے ہوئے ذیل میں مختصراً چند امور کی جانب اپنے قارئین کی توجہ مبذول کرائیں گے۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ آپ ﷺ کو بے انتہا محبت تھی۔ جب وہ عقد میں آئیں تو حضور ﷺ کا شباب تھا اور ان کا بڑھاپا تھا۔ تاہم آپ ﷺ نے ان کی وفات تک کوئی شادی نہیں کی۔ آپ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد بھی جب کبھی ان کا ذکر آجاتا آپ ﷺ جوشِ محبت سے بے تاب ہو جاتے تھے۔

عبدالرحمن عبد (مرحوم) نے اپنی کتاب کی چوتھی جلد میں ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بارے میں جو نذرانہ عقیدت پیش کیا ہے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اسے اپنے قارئین کے لئے نقل کریں تاکہ وہ بھی اپنے مشامِ جاں کو معطر کر سکیں!

قدرت کا حسین ترین عطیہ

''ایک روز آنحضور ﷺ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں تشریف رکھتے تھے دروازے پر دستک ہوئی اور ایک خاتون کی استیذان کی آواز آئی ''کیا میں اندر آسکتی

ہوں؟''____ آواز کیا آئی کہ آنحضور ﷺ کی آنکھوں میں حیرت کی چمک ہویدا ہوئی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بطور خاص اس کیفیت کا مشاہدہ کیا۔ اسی لمحے کے ایک چھوٹے سے حصے میں حضور ﷺ پرسکون بھی ہو گئے اور آپ ﷺ نے فرمایا ''ہالہ ہوں گی'' ہالہ، حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی بہن تھیں اور اس ناطے سے آواز میں مشابہت تھی۔'' اسی لیے حضور ﷺ نے ان کی آواز سنی تو ایک لمحے کو چونکے جیسے سائے کا احساس کر کے شخصیت کے لئے آنکھیں اٹھ جاتی ہیں اسی طرح خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سی آواز آئی تو مرحومہ کی شخصیت کے احساس کا کوندا لپک گیا جیسے عرصہ بعد اس ہمدرد اور مانوس آواز نے کانوں کے راستے دل کے روزن سے ایک مرتبہ جھانکا ہو، جیسے حب قدیم کا ایک ہلکا سا جھونکا آیا ہو، جیسے____ ''ہالہ آئیں بیٹھیں، کچھ دیر رکیں پھر چلی گئیں آنحضور ﷺ نے خدیجہ رضی اللہ عنہا کے تعلق خاطر کی بنا پر ان کی پذیرائی کی اور عزت وتکریم سے پیش آئے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ذہین و ذکی خاتون تھیں وہ آنحضور ﷺ کے چہرے کے تاثرات کو بھانپ گئیں اور سوچنے لگیں کہ ساٹھ سالہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو فوت ہوئے زمانہ گذر گیا لیکن حضور ﷺ کے دل میں ان کے لیے اتنی شدید محبت تھی اور اب تک وہ محبت اتنی گہری ہے کہ مشابہ آواز سنی تو جھجک سا گئے۔ آپ رضی اللہ عنہا دل کی بات زبان پر لے آئیں کہ حضور ﷺ آپ ایک معمر عورت کو یاد کرتے ہیں جنہیں رحلت کیے بھی ایک زمانہ بیت گیا ہے اور اب اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ان سے اچھی بیویاں دی ہوئی ہیں۔''

حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا آنحضور ﷺ کی مونس وغم خوار اور ہمدرد وغمگسار تھیں وہ پہلی مسلمان اور حضور ﷺ کی پہلی بیوی تھیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ تم میں اچھے لوگ وہ ہیں جو اپنے اہل وعیال کے ساتھ اچھے ہیں، خَیْرُ کُمْ خَیْرُ کُمْ لِاَھْلِہٖ اور حضور ﷺ اپنی رفیقہ حیات سے بہت محبت کرنے والے تھے۔ استیعاب نامی کتاب میں لکھا ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو جواب دیا ''جب لوگ کافر تھے تو خدیجہ رضی اللہ عنہا اسلام لائیں، جب میرا کوئی مددگار نہیں تھا تو انہوں نے میری مدد کی، جب

لوگوں نے میری تکذیب کی تو انہوں نے میری تصدیق کی اور میری اولاد انہی سے ہوئی۔''

مزید لکھا کہ ''محبت بھی عجیب جذبہ ہے۔ انسان کے لئے قدرت کا حسین ترین عطیہ ہے یہ نہ ہو تو دلوں میں گداز کہاں سے آئے۔ یہ شرر بن کر انسان کے دل میں نہ رہے تو آنکھیں نمناک ہونا نہ جانیں، اشک پیازی نہ ہو۔ دلوں کو چین، انتظار اور ہجر کی لذت نصیب نہ ہو۔ دیدۂ تر کی بے خوابیاں اور دل کی پوشیدہ بے تابیاں اسی کے دم قدم سے ہیں۔ محبت جاگزیں ہو تو دل شاہد قدرت کا آئینہ بن جاتا ہے اسی کی حرارت سے دل میں سوزِ دروں کا خزینہ آتا ہے پھر قوسِ قزح کی طرح اس جذبے کے کتنے رنگ ہیں۔ کہیں یہ اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمت ہے، کہیں یہ ماں کی مامتا ہے، کہیں بہن کی بے لوث محبت ہے، کبھی ہمدردی، کبھی دوستی، کبھی احترام اور کبھی شفقت ہے اور پھر نظام کائنات کی اکائی یعنی میاں بیوی کی پاک محبت ہے جس کی اعلیٰ ترین مثال آنحضور ﷺ اور خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی لازوال محبت ہے۔''

فَبِاَیِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۱۳﴾

☆ ......حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سب سے زیادہ محبوب تر تھیں لیکن محبت کے اسباب وہ نہ تھے جو عام انسانوں میں پائے جاتے ہیں۔ حسن صورت میں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا ان سے بڑھ کر تھیں اور کم سن بھی تھیں۔ دیگر ظاہری محاسن میں بھی دیگر ازواج ان سے کم نہ تھیں لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی قابلیت، ذہانت، قوتِ اجتہاد، دقتِ نظر اور وسعت معلومات ایسے اوصاف تھے جو ان کی ترجیح کا اصلی سبب تھے۔''

''ایک دفعہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو سفیر بنا کر حضور ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔ کہ آپ ﷺ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیٹی کو ہم پر کیوں ترجیح دیتے ہیں؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا، جانِ پدر! کیا تم اس کو نہیں چاہتیں جس کو میں چاہتا ہوں۔ سیّدہ رضی اللہ عنہا کے لئے اتنا کافی تھا۔ واپس جا کر انہوں نے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے کہا کہ میں اس معاملہ میں دخل نہ دوں گی۔''

اب اس خدمت کے لیے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو بھیجا گیا کیونکہ انہیں حضرت عائشہ کے ساتھ ہمسری کا دعویٰ تھا۔انہوں نے نہایت دلیری اور زور کے ساتھ ثابت کرنا چاہا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس رتبہ کی مستحق نہیں تھیں۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا خاموشی سے سنتی رہیں۔جب انہوں نے بات مکمل کر لی تو آپ ﷺ کی مرضی پا کر کھڑی ہوئیں اور اس زور شور کے ساتھ تقریر کی کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا لاجواب ہو کر رہ گئیں ـــــ حضور ﷺ نے فرمایا، کیوں نہ ہو، ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیٹی ہے!''

یہاں اس امر کی صراحت شاید ضروری ہو کہ اس طرح کی کسی شکر رنجی یا گفتگو کے بعد بھی خانوادۂ نبوی ﷺ کا حال یہ تھا کہ واقعہ افک (جس میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی بہن بھی شامل ہو گئی تھیں بر بنائے اجتہادی غلطی)۔حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا یہ کردار بہت من موہنا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا نے اس موقعہ پر یہ فرمایا کہ ''مجھ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بھلائی کے سوا کسی چیز کا علم نہیں''

سیّد سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا کہ ''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مجتہدانہ دل و دماغ رکھتی تھیں اس لیے قرب محبت سے اس قدر فائدہ اٹھا سکیں کہ بڑے بڑے نازک اور دقیق مسائل میں وہ اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم سے مخالفت کرتی تھیں۔اکثر مسئلوں میں ان کی فہم وفراست ودقتِ نظر کا پلہ بھاری نظر آتا ہے (تفصیلات گذشتہ صفحات میں آچکی ہیں)

صاحبان سیرت النبی ﷺ نے جلد دوم میں ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے ساتھ معاشرت کا ایک باب باندھا ہے۔جس میں تمام ازواج کے حالات کسی قدر تفصیل سے درج کیے ہیں۔چند چیدہ چیدہ واقعات ذیل میں درج ہیں۔

☆ ...... حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں لکھا کہ سیدہ رضی اللہ عنہا، پہلے تین خلفائے راشدین کے دور میں فتوی دیا کرتی تھیں ''اکابر صحابہ پر انہوں نے نہایت دقیق اعتراضات کیے ہیں جن کو علامہ سیوطی نے ایک رسالے میں جمع کر دیا ہے ان سے ۲۲۱۰ حدیثیں مروی ہیں جن میں ۱۷۴ حدیثوں پر شیخین نے اتفاق کیا ہے۔بخاری

کی روایت ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا ۵۲ / احادیث میں منفرد ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے سامنے جب کبھی کوئی مشکل سوال آتا تھا تو اس کو آپ رضی اللہ عنہا حل کرتی تھیں۔ ان کے شاگردوں کا بیان ہے کہ ہم نے ان سے زیادہ خوش تقریر نہیں دیکھا۔ تفسیر، حدیث، اسرارِ شریعت، خطابت، ادب و انساب میں ان کو کمال تھا۔ شعراء کے بڑے بڑے قصیدے ان کو زبانی یاد تھے!

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں سیرت نگاروں نے جس دقتِ نظر اور محبت سے سرشار ہو کر آپ رضی اللہ عنہا کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کیا ہے، اس میں عبدالرحمن عبد (مرحوم) کی کتاب سے لکھے گئے چند واقعات ذیل کے صفحات میں درج کیے جا رہے ہیں۔

''رات نصف سے زیادہ گذر چکی ہے!

پورا شہر مدینۃ الرسول ﷺ میٹھی نیند سو رہا ہے۔ حرم نبویؐ کے بائیں پہلو میں واقع اسی حجرے میں وہ واقعہ رونما ہونے والا ہے جو کتب حدیث میں ہمیشہ سنہری حروف میں لکھا گیا اور لکھا جاتا رہے گا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کروٹ بدلتی ہیں تو انہیں احساس ہوتا ہے کہ بستر خالی ہے۔ ''حضور ﷺ کہاں تشریف لے گئے؟'' ان کا دل سوال کرتا ہے۔ ترمذی اور ابوداؤد کی روایت میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے ایک روز حضور ﷺ کو بچھونے پر نہ پایا تو میں نے آپ ﷺ کو ڈھونڈا۔ ادھر ادھر ٹٹول کر دیکھا تو میرا ہاتھ حضور ﷺ کے دونوں تلووں پر پڑ گیا اور آپ سجدہ میں تھے اور دعا پڑھ رہے تھے۔ دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا دیکھتی ہیں چارپائی کے ساتھ ایک سادہ مصلیٰ بچھا ہوا ہے اور آنحضور ﷺ سینے پر ہاتھ باندھے خشوع و خضوع کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور میں قیام فرما ہیں۔''

''حجرے میں واحد چراغ شمع شبستان بنا ہوا تھوڑی سی روشنی دے رہا ہے۔ اس کی لو

نے تاجِ زرّیں پہن رکھا ہے۔اس کی مدھم روشنی حضور ﷺ کے پرنور اور مبارک چہرے پر پڑ رہی ہے ذرا پرے کپڑوں کا ایک سادہ صندوق رکھا ہوا ہے دروازے کی جانب پانی کا گھڑا ہے ادھر آٹا اور کھجور رکھنے کے دو مٹکے ہیں۔کمرے کا مختصر سامان، شہنشاہِ کونین ﷺ کی سادہ زندگی کی غمازی کر رہا ہے۔''

''حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اپنے سرتاج کو بچشم محبت دیکھ رہی ہیں کہ جو پوری کائنات کے بھی سرتاج ہیں۔حضور ﷺ سکون و اطمینان سے رکوع و سجود کرتے رہے بالآخر وہ بائیں جانب سلام پھیرتے ہیں۔وہ دیکھتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رضائی کے ایک کونے سے انہیں دیکھ کر خوش ہو رہی ہیں۔حضور ﷺ مسکراتے ہوئے فرماتے ہیں ''حمیرا! جاگ رہی ہو؟''

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ذہن میں آتا ہے کہ حضور ﷺ سارا دن مختلف وفود سے ملنے میں مصروف رہے قانونی اور جنگی امور نمٹانے سے تھک کر چور ہو گئے، عشاء کے بعد بھی دشمن کی تیاریوں کی رپورٹیں سنتے اور احکام دیتے رہے۔اب حضور ﷺ کو مکمل آرام کی ضرورت تھی۔ابھی لیلائے شب نے دھرتی کے چوڑے سینے پر اپنی سکون بخش زلفیں کھولی ہی تھیں اور حضور ﷺ نے چند گھنٹے کی نیند کی ہو گی کہ حضور ﷺ اپنے بستر سے الگ ہوئے اور قرآنی ارشاد...... يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّ قِيَامًا ۝ کے مصداق نوافل اور عبادت الٰہی میں مصروف ہو گئے۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے حضور ﷺ کا یہ پرمشقت ذوقِ عبادت یقیناً حیرانی کا موجب ہوا ہو گا۔''

چنانچہ وہ دریافت کرتی ہیں ''یا رسول اللہ ﷺ! کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کے سارے گناہ بخش نہیں دیئے ہیں؟''

حضور ﷺ کے چہرے سے بشاشت ہویدا ہے اور وہ اثبات میں جواب دیتے ہیں ـــــ ''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا دوسرا سوال کرتی ہیں ''تو پھر آپ ﷺ کو اتنی عبادت کرنے کی کیا ضرورت ہے؟''

آنحضور ﷺ نے جو جواب دیا وہ کتب حدیث کا سنہری جملہ ہے۔ آپ ﷺ نے جواب دیا ''اَفَلَا اَكُوْنَ عبدًا شكُورًا''اس جملے کا ذکر کیے بغیر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی سیرت کی کوئی کتاب مکمل نہیں ہوسکتی۔ فنی لحاظ سے اسے حدیث قدسی نہیں کہا جا سکتا ہے لیکن یہ حدیث مبارک......اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُوْحٰی... میں ضرور شمار ہوتی ہے۔ یہ فقرہ وہی ہستی کہہ سکتی ہے جو خدا آگاہ اور خود آگاہ ہو۔ اسی لیے یہ مختصر فقرہ اتنا جامع ہے کہ بندے اور اللہ کے تعلق کے موضوع پر لاکھوں کتابوں پر بھاری ہے۔ انسان اللہ کا عبد ہے، مخلوق ہے اور سائل و محتاج ہے۔ لیکن اصل حقیقت یہ ہے کہ انسان پر اللہ کی لاکھوں نہیں کروڑوں اور اربوں نعمتیں ہیں کہ بندے کو صرف شکر گذار ہونا میسر آجائے تو یہ بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت عظمیٰ ہے''

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی زندگی کے واقعاتِ دل پذیر کو بڑھاتے ہوئے، عبدالرحمن عبد (مرحوم) نے اپنی کتاب کی چوتھی جلد میں لکھا۔

دوخواب

''حضور رسالت مآب ﷺ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو پیار سے حمیرا کے نام سے پکارا کرتے تھے۔''

''یہ میاں بیوی کی اس لازوال سچی محبت کا مظہر تھا جس محبت میں تسکین جبلّت بھی ہو اور وہ پاک و مطہر بھی ہو جذب وانجذاب کے جذبات ہوں یہی رشتہ انسان کی قوتوں کو تخلیق کی اعلیٰ راہ پر گامزن کرتا ہے۔ بچوں کی صورت میں اسے تربیت، رحم وشفقت، انفاق اور فیاضی کا خوگر کرتا ہے تعمیر دنیا، محنت ومشقت اور خدمت معاشرہ کی راہ پر لگا کر امت مسلمہ کی پُرشکوہ عمارت کی ایک مضبوط اینٹ بناتا ہے۔ میاں بیوی کی محبت ہی تو کائنات کی اصل ہے یہی رشتہ تخلیق و تعمیر اور تہذیب وتمدن کی اوّلین اور اہم ترین اکائی ہے اسی بنیادی پتھر سے کون ومکان کی عظیم ورفیع عمارت بنتی ہے اور یہی راز درونِ حیات ہے۔''

''آنحضور ﷺ کی رحمت کا ایک اظہار انکی اس پیاری عادت سے بھی ہوتا ہے کہ وہ لوگوں کے خوبصورت نام رکھتے تھے۔نومسلموں، دوستوں،عزیزوں اور رفقاء کے ایسے پیارے نام رکھتے تھے کہ لوگ ان کے اصلی نام بھول جاتے تھے۔حضور ﷺ نے گلستانِ نبوی ﷺ کے پھولوں کے نام حسن رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ رکھے۔حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا نام عبدالکعبہ تھا اس کو بدلا لیکن جب انہیں معراج کی بلا تأمل تصدیق کرنے پر صدیق کہا تو ان کے باقی نام پس منظر میں چلے گئے۔حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو سلمان الخیر اور صہیب رومی رضی اللہ عنہ کو نعم العبد صہیب کہا۔حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو سیف اللہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اسداللہ کے لقب دیئے۔کبھی شفقت اور بے تکلفی کے ناموں سے پکارتے۔ مثلاً حضرت علی رضی اللہ عنہ کو''ابوتراب (اے مٹی والے)،حضرت انس رضی اللہ عنہ کو یاذالاذنین (اے دو کانوں والے) اور حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ کو ابوہریرہ (او بلونگڑے والے) کے ناموں سے پکارا۔غارِثور میں زادراہ باندھنے کے لیے دختر ابوبکر رضی اللہ عنہ کو کوئی چیز نہ ملی اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے کمر کی پیٹی کھول کر اس کے دو حصے کیے تو اس ہوشیار لڑکی کو "ذاتُ النّطاقتَینِ'' کا خطاب دیا۔''

''کبھی پیار سے مختصر ناموں سے پکارا مثلا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو''اباہر'' اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو کبھی کبھار''عائش'' کہہ کر پکارتے تھے۔خطاب کے بیٹے عمر رضی اللہ عنہ کو ایسا لقب دیا کہ ان کے لیے دونوں جہانوں کا افتخار ہے۔الفاروق یعنی وہ صداقت و گمراہی،حق و باطل اور کفر واسلام کے درمیان حدفاصل ہیں۔آپ ذرا غور فرمائیں کہ الفرقان''قرآن مجید''اور الفاروق لفظوں میں اور حقیقت میں کتنا قریب ہیں۔''

''اسی خوبصورت نام دینے والی ہستی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو حمیرا کا نام دیا تھا۔''

''ام المؤمنین رضی اللہ عنہا میں بے شمار خوبیاں تھیں انہوں نے اسلامی ضوفشانیوں میں شعور کی آنکھیں کھولیں اور توحید و رسالت کی آوازوں میں پروان چڑھیں۔فہم مسائل،

حفظ احکام، اجتہادِ فکر اور تفقہ فی الدین میں ان کا مقام بہت بلند تھا۔ پھر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بیٹی تھیں اور امت مسلمہ کی ام المؤمنین رضی اللہ عنہا ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ محبوب خدا ﷺ کی محبوب بیوی! ان کے اعزاز کو کوئی خاکی کیا لکھے گا جن کی عصمت و پاکدامنی اور عظمت و مرتبت میں اللہ تعالیٰ نے پورے دو رکوع نازل فرمائے۔ جنہیں اربوں اور کھربوں انسان چودہ صدیوں سے پڑھتے رہے ہیں اور لاکھوں مساجد میں باوضو ہو کر اور مصلیٰ پر کھڑے ہو کر قاری حضرات قیامت تک انہیں دہراتے رہیں گے۔''

''صحیح بخاری کی روایت کے مطابق ایک دفعہ حضور ﷺ نے خواب میں دیکھا کہ ایک فرشتہ ان کے پاس آیا ہے اس کے ہاتھ میں کوئی چیز ہے جسے اس نے ریشم کے کپڑے میں لپیٹ رکھا ہے۔ حضور ﷺ کو افلاک کا یہ تحفہ پیش کیا گیا جسے آپ ﷺ کی زوجہ محترمہ بتایا گیا۔ حضور ﷺ نے ملفوف کھول کر دیکھا تو یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تھیں''

پروفیسر عبدالرحمٰن عبد نے مزید لکھا کہ

''ایک اور خواب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بھی مذکور ہے۔ انہوں نے دیکھا کہ آسمان سے تین چاند ٹوٹ کر آئے اور سیدھے ان کی جھولی میں گرے۔ اس خواب کی تعبیر کون نہیں جانتا۔ زمین کا یہ مقدس و مطہر قطعہ، جسے کبھی حجرۂ عائشہ رضی اللہ عنہا کہا جاتا تھا اس کا مرتبہ عرش کی طرح ارفع و اعلیٰ ہے کیونکہ اس میں تین چاند واقعی جلوہ افروز ہیں۔ حضور رسالت مآب ﷺ، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ تینوں ماہتاب اسی حجرۂ عائشہ رضی اللہ عنہا میں محو استراحت ہیں۔''!

سب سے زیادہ محبوب

عبدالرحمٰن عبد نے مزید لکھا:

''شدید گرمی کا موسم تھا شہنشاہِ کونین ﷺ اسی جگہ، حجرۂ عائشہ رضی اللہ عنہا میں بیٹھے اپنے جوتے کی مرمت کر رہے تھے اور رہتی دنیا تک انسانوں کو انکسار، تواضع اور اپنا کام خود کرنے کا عملی درس دے رہے تھے۔ گرمی کی شدت سے جبین مقدس سے پسینے کے قطرے

ٹپک رہے تھے حضور اقدس ﷺ کی وجاہت، حسن اور اس پر مستزاد پیشانی پر پسینے کے موتی، خزینۂ نبوت کے گوہر بے بہا!''

''یہ دلآویز منظر دیکھا تو ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے مشہور شاعر عروہ کا حوالہ دے کر فرمایا'' کاش وہ آپ ﷺ کو اس حالت میں دیکھتے۔ حضور ﷺ آپ ہو بہو اس کے اشعار کی مصداق ہیں۔'' پھر ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے حضور اقدس ﷺ کو وہ دو اشعار سنائے جن میں عروہ کہتا ہے کہ اگر اہل مصر میرے ممدوح کے حسن کا شہرہ سن پاتے تو یوسف کی خریداری کے لیے کبھی اپنی پونجی نہ لٹاتے اور اگر زلیخا کی سہیلیاں اس کی منور پیشانی کا جلوہ دیکھ لیتی تو ہاتھ کاٹنے کی بجائے دل کے ٹکڑے کرنے کو ترجیح دیتیں۔

فَلَوْ سَمِعُوْا فِیْ مِصْرَ اَوْصَافَ خَدِّہٖ
لَمَا بَذَلُوْا فِیْ شِرَاءِ یُوْسُف مِنْ نَقَدٍ
لَوْ اِماءُ زُلَیْخَا نَظَرْنَ اِلٰی جَبِیْنِہٖ
لَآثَرْنَ بِالْقَطْعِ الْقُلُوْبِ عَلَی الْاَیْدِیْ

آنحضور ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی زبان سے یہ اشعار سنے تو کام سے ہاتھ روک لیے۔ ان کے ہونٹوں پر تبسم آ گیا اور آنکھوں میں مسرت کی چمک آ گئی۔ انہوں نے اپنی ذہین و فطین رفیقۂ حیات کو بہ نظر استحسان دیکھا جسے شعر کا ایسا اعلیٰ ذوق ودیعت ہوا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو انساب میں مہارت کے ساتھ ساتھ ادبی و شعری ذوق بھی ہے اور یہ کمیاب خوبیاں انہیں اپنے عظیم والد سے وراثت میں ملی ہیں۔ ان خوبصورت اشعار کو برمحل استعمال کر کے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے قرآن مجید کی آیت کو مثل کر دیا ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ خاوندوں کے لیے ان کی بیویاں تسکین، مودت اور رحمت ہیں۔ ایسی ہی دلآویز باتوں کی وجہ سے حضور ﷺ نے انہیں حمیرا کا خوبصورت نام دیا تھا۔''

کاشانۂ نبوت کی ملکہ

اپنی کتاب میں پروفیسر عبدالرحمٰن عبد نے لکھا:

''ہمارے دلوں میں کبھی کبھار ایسی خواہشات سر اٹھاتی ہیں جن کی تکمیل قطعی ممکن نہیں ہوتی۔ ایسے ہی میرے دل میں انہونی خواہش اور ایک غیر ممکن خیال آتا ہے۔ آپ میری اس چاہت کو دیوانگی قرار دیں گے لیکن یہ پاگل خیال ہے کہ بڑی شدت سے دل میں کروٹیں لیتا ہے بالکل جیسے ایک ننھا سا بے جان بیج اپنے جذبِ دروں سے سورج کی کرن دیکھنے کے لیے مچل جاتا ہے تو سخت زمین کا سینہ پھاڑ کر تاریکیوں سے باہر آ جاتا ہے اسی طرح عہد نبوی ﷺ کے مطالعے نے اکثر میرے دل میں اس اُمنگ کو نمو دی ہے اور اس نخل خیال کی آبیاری کی ہے۔''

''میں اصحاب صفہ کے چبوترے پر کبھی تنہا بیٹھا ہوتا تو سامنے بارگاہِ رسالت مآب ﷺ یعنی مسجد نبوی ﷺ کے اس کونے کو دیکھتے دیکھتے مجھے اس جگہ کا وہ زمانہ یاد آتا جب ام المؤمنین رضی اللہ عنہا حیات تھیں اور انہیں کی وجہ سے اسے حجرۂ عائشہ رضی اللہ عنہا سے موسوم کیا جاتا تھا۔ ایک عالم ان سے حضور ﷺ کے معمولات اور اسوۂ حسنہ سننے کے لیے آتا رہتا تھا اور لوگ مختلف مسائل حیات میں رہنمائی کے لیے حضور ﷺ کے ارشادات و احکامات کے طالب ہو کر آتے تھے۔''

''میرے دل میں تمنا بیدار ہوتی ہے کہ اگر کسی طرح ممکن ہو تو قیدِ زمان سے آزاد ہو کر میں بھی ان اصحاب کے ساتھ سیرت النبی ﷺ کے ایک خاموش لیکن یکسو طالب علم کی حیثیت میں جاتا۔ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کی چوکھٹ پر نیچی نگاہ کیے مؤدب ہو کر بیٹھتا اور ان کی زبانِ مبارک سے حضور ﷺ کے بارے میں حسن ایجاز کا مرقع جملہ سنتا''

''كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنُ''

''میں نے ذکر کیا تو حسام الدین صاحب نے کہا ''ایسا مختصر، جامع اور سیرت النبی ﷺ پر بھرپور جملہ ام المؤمنین جیسی بالغ نظر اور ذہین وفطین ہستی ہی ارشاد کر سکتی تھی

جن کی زندگی کا اوڑھنا بچھونا ہی قرآن اور رسول ﷺ تھے جن کی قرآن اور حضور ﷺ کی ذات گرامی پر گہری اور محیط نگاہ تھی۔ جن پر قدرت نے عظیم ترین احسان کیا کہ انہیں حضور ﷺ کی محبوب ترین بیوی ہونے کا اعزاز حاصل ہوا اور کسی کا یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ وہ کاشانۂ نبوت کی ملکہ تھیں۔''

''پھر انہوں نے کہا'' ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے حضور ﷺ کی شان میں ایسا جملہ نعتیہ فرمایا ہے جو اپنے اختصار، کمالِ فن اور نعت گوئی کے لحاظ سے "بَلَغَ الْعُلٰی بِکَمَالِہٖ" کے فقید المثال چار مصرعوں سے بھی بہت آگے ہے۔ ام عبداللہ بن الصدیق فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ کا اخلاق و کردار القرآن تھا اور وہ ہر آن مجسم القرآن تھے۔ غالباً اسی حیرت فزا اور حکمت سے معمور جملے سے متاثر ہو کر قدسی مقال، علامہ اقبالؒ نے بلیغ و شہیر مصرعہ فرمایا۔

لوح بھی تو قلم بھی تو تیرا وجود الکتاب

''سیّدہ رضی اللہ عنہا کی جناب میں ہدیۂ تبریک پیش کرنے میں متعدد اہل علم نے اس مجلس میں حصہ لیتے ہوئے کہا

ظہور مجاہد نے اضافہ کیا____ ''حضور ﷺ کی رحلت کے بعد فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے عہد مسعود میں اسلامی مملکت عراق و ایران اور شام و مصر تک پھیل گئی تو مسلمانوں کو اپنی اجتماعی اور انفرادی زندگیوں میں روزانہ نت نئے ایسے مسائل سے سابقہ پڑتا جن میں انہیں قرآن مجید سے احکامات نہ ملتے تو وہ نبوی ﷺ فیصلوں کی نظیر ڈھونڈتے ہوئے ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کے پاس حاضر ہوتے۔ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کو اہم مسائل میں قرآن و حدیث کے مطابق فیصلے کرنے میں دشواری پیش آتی تو وہ اسی بارگاہِ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا رخ کرتے اور مؤدب ہو کر ام المؤمنین رضی اللہ عنہا سے عرض گذار ہوتے کہ انہیں حضور ﷺ کا کوئی قول یا فعل ایسا یاد ہے جو اس خاص معاملے میں رہنمائی دے سکے۔ حضور ﷺ کی یہ حدیث مبارکہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے ہی روایت کی ہے کہ افتادہ زمین کو آباد کرنے والا اس کا زیادہ حقدار ہے (مَنْ عَمَّرَ اَرْضًا لَيْسَتْ لِاَحَدٍ فَهُوَا حَقُّ بِهَا) آپ اس حدیث

شریف کے معاشی مضمرات کا اندازہ کر سکتے ہیں چنانچہ مستدرک میں ہے کہ اس عہد میں لوگ کہا کرتے تھے کہ مذہب کا ایک بڑا حصہ حمیرہ (لالہ فام) ام المؤمنین رضی اللہ عنہا سے حاصل کرو۔ خُذُوْا شَطْرَ دِیْنِکُمْ عَنْ حُمَیْرَہ''۔

حسام الدین صاحب نے کہا ''اسلامی دنیا کے کونے کونے سے علماء مدینہ منورہ میں آتے اور حدیث وسنت کے طالب علم بن کر ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کی خدمت میں پہنچتے۔ تفقہ فی الدین، اجتہادِ فکر اور قوتِ استنباط میں ان کا کوئی ثانی نہیں تھا اس لیے تفسیر اور قانونِ اسلامی کے قاضی اور فقہاء ان کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ حضور ﷺ کے فرمودات اور احکامات کو سات کثیر الرواۃ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے امت تک پہنچانے کا کارِ عظیم انجام دیا ہے۔ اس سبع ستارہ کے دُبِ اکبر میں روشن ترین ستارہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہیں۔''

عبدالحمید سلیمانی نے کہا ''عطاء بن ابی الرواح اور عروہ بن زبیر نے کہا ہے کہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا سب سے زیادہ فقیہ، سب سے زیادہ صاحب علم اور عوام میں سب سے زیادہ اچھی رائے والی تھیں۔ حلال وحرام، علم انساب، تاریخ عرب شاعری اور طب میں ان سے بڑھ کر کوئی عالم نہیں تھا۔'' ام المومنین رضی اللہ عنہا کے ساتھ اپنی عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے حسام الدین صاحب نے بتایا ''ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے ہجرتِ نبوی ﷺ، معراجِ نبوی ﷺ، نزولِ وحی، غارِ حرا اور خواتین کے مسائل وغیرہ کے بارے میں جو مفصل احادیث بیان فرمائی ہیں وہ سیرت النبی ﷺ کے لیے کلید کا حکم رکھتی ہے ذرا غور فرمائیں ایسی کتنی ہی مشہور احادیث حضور ﷺ کی اس شریک حیات کے واسطے سے امت کو ملی ہیں کہ ''تم میں سے اچھے لوگ وہ ہیں جو اپنے اہل خانہ سے اچھے ہیں۔'' ''قاضی کا معاف کر دینے میں غلطی کرنا سزا دینے میں غلطی کرنے سے بہتر ہے۔'' حضور ﷺ قہقہہ مار کر نہیں ہنستے تھے صرف تبسم فرماتے تھے۔ حضور ﷺ لوگوں کے برے ناموں کو بدل دیا کرتے تھے۔ ''بہتر عمل وہ ہے جو اگرچہ قلیل ہو لیکن دائمی ہو۔'' ''قرآن مجید کو مہارت سے پڑھنے والا نیک فرشتوں کے ساتھ ہوگا۔'' افضل واجمل جہاد کیا ہے؟ یہ حج مبرور ہے یعنی

جس میں گناہ نہ کیا جائے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا میری آنکھیں سوتی ہیں لیکن دل جاگتا رہتا ہے۔ اس طرح ام المؤمنین نے امت کو حضور ﷺ کی دو ہزار دو سے زیادہ روایات پہنچانے کا عظیم احسان اور کارنامہ سرانجام دیا''

رہوارِ قلم، اس ذکر خیر کو ختم کرنے میں حائل ہے، تاہم ہم اس حکایت دل پذیر کا اختتام ایک ایسے واقعہ سے کرنا چاہتے ہیں جو ایک صاحب علم و قلم اور متقی شخص کی کتاب سے ماخوذ ہے۔◆ انہوں نے اپنی کتاب ماہتاب عالم ﷺ (۲۰۱٦) میں لکھا ''رسول اکرم ﷺ کی آخری بیماری کے دوران حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بھی سخت سر درد ہونے لگا اور وہ چلا اٹھیں ''ہائے میرا سر درد، ہائے میرا سر درد''۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ''اگر تم اس سر درد سے مر بھی گئیں تو بھی تمہارے لیے اچھا ہے کیونکہ اس صورت میں تمہارا غسل، جنازہ اور تدفین میں خود کروں گا، پس تمہارا فائدہ ہی فائدہ ہے۔'' اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا '' آپ ﷺ کو میرا مرنا پسند ہے تاکہ آپ ﷺ دوسری ازواج کے پاس اور آسانی سے جا سکیں''____ امام شوکانی نے آپ ﷺ کے اس مذاق سے بھی فقہ کا یہ نکتہ نکالا ہے کہ میاں اپنی بیوی کی میت کو غسل دے سکتا ہے اور اس کے برعکس بھی!

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا

آپ رضی اللہ عنہا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی تھیں۔ سیدہ رضی اللہ عنہا کے خاوند غزوۂ بدر میں زخمی ہو کر شہید ہو گئے____ انہوں نے اپنی یادگار میں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے بیوہ ہو جانے پر آنحضرت ﷺ نے

◆ امتیاز احمد صاحب ایک عرصہ سے مدینہ منورہ میں قیام پذیر ہیں اور اپنی اہلیہ کے انتقال کے بعد اپنی تمام تر توانائیاں اور وسائل دین کی تبلیغ و اشاعت کے لئے وقف کیے ہوئے ہیں۔ ان کے تراجم قرآن (انگریزی/ اردو) نیز سیرتِ طیبہ پر کتاب (ہر دو زبان انگریزی/ اردو) میں لاکھوں کی تعداد میں حجاجِ کرام اور زائرین میں نہ صرف عرب میں بلکہ پاکستان میں بھی مفت فراہم کی جاتی ہیں۔

آپ رضی اللہ عنہا کے ساتھ شادی کر لی۔ سید سلیمان ندوی نے لکھا کہ آپ رضی اللہ عنہا کے مزاج میں ذرا تیزی تھی۔ ایک مرتبہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو یہودی کی بیٹی کہا جس پر وہ رونے لگیں۔ حضور ﷺ تشریف لائے اور رونے کا سبب پوچھا تو انہوں نے کہا مجھ کو حفصہ رضی اللہ عنہا نے کہا ہے کہ "تم یہودی کی بیٹی ہو"۔ آپ ﷺ نے فرمایا "تم نبی علیہ السلام کی بیٹی ہو، تمہارا چچا پیغمبر ہے اور پیغمبر کے نکاح میں ہو۔ حفصہ رضی اللہ عنہا تم پر کس بات میں فخر کر سکتی ہے۔"

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بالترتیب حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیٹیاں تھیں جو تقرب نبوی ﷺ میں دوش بدوش تھے۔ اس بناء پر ہر دو خواتین دگر ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے مقابلے میں باہم ایک تھیں لیکن کبھی کبھی خود بھی باہم رشک و رقابت کا اظہار ہو جایا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ دونوں ازواج، رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر میں تھیں۔ حضور ﷺ راتوں کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اونٹ پر چلتے تھے اور ان سے باتیں کرتے تھے۔ ایک دن حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے کہنے پر، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اونٹ بدل لیے۔ حضور ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اونٹ کے پاس آئے جس پر حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سوار تھیں جب منزل پر پہنچے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کو نہیں پایا تو اپنے پاؤں کو اِذخر (ایک گھاس جس میں سانپ بچھو رہتے ہیں) کے درمیان لٹکا کر کہنے لگیں خداوندا! کسی بچھو یا سانپ کو متعین کر جو مجھے ڈس لے"۔

کیا رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کی تعمیل آج کے دور کی خواتین نہیں کر سکتیں جب کہ ایسی باتوں پر عمل کرنے سے ان کی گھریلو زندگی جنت کا نمونہ بن سکتی ہے!

ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا

آپ رضی اللہ عنہا کا نام ہند اور ام سلمہ کنیت تھی۔ رسول اللہ ﷺ کی اجازت پر اپنے شوہر کے ہمراہ ہجرت حبشہ کی۔ ان کے بیٹے سلمہ حبشہ ہی میں پیدا ہوئے۔ حبشہ سے مکہ میں آئیں اور یہاں سے مدینہ کو ہجرت کی۔ یہ وہ پہلی خاتون ہیں جنہوں نے مدینہ کو ہجرت کی۔

ان کے شوہر بہت بڑے شہسوار تھے۔ بدر اور احد میں شریک ہوئے۔ احد میں زخمی ہوئے اور شہید ہو گئے۔ ان کی نماز جنازہ میں آپ ﷺ نے نو تکبیریں کہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ آپ ﷺ کو سہو تو نہیں ہو گیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا "یہ ہزار تکبیر کے مستحق تھے"!____ ابوسلمہ کی وفات کے وقت ام سلمہ حاملہ تھیں۔ وضع حمل کے بعد جب عدت گذر گئی تو حضور ﷺ نے ان سے نکاح کرنا چاہا۔ انہوں نے چند عذرات پیش کیے۔

① میں غیور عورت ہوں

② صاحب عیال ہوں

③ میرا سن زیادہ ہے

آنحضرت ﷺ نے ان سب زحمتوں کو گوارا کیا ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بعد آپ رضی اللہ عنہا کا درجہ ہے۔

صلح حدیبیہ میں قربانی اور حلق پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تشویش کا مسئلہ آپ رضی اللہ عنہا کے مشورے سے ہی حل ہوا۔ تفصیل آئے گی۔

حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا

ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں جنہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ہمسری کا دعویٰ تھا، ان میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا بھی تھیں____ آنحضرت ﷺ سے نسبی رشتے میں پھوپھی زاد بہن تھیں۔ جمال میں بھی ممتاز تھیں اور حضور ﷺ کو بھی ان سے نہایت محبت تھی۔ نہایت زاہد اور اللہ سے ڈرنے والی۔ نکاحِ زینب رضی اللہ عنہا کے سلسلے میں تفصیل آئندہ صفحات میں ہے آنحضرت ﷺ نے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے فرمایا تھا "تم میں مجھ سے جلد وہ ملے گا جس کا ہاتھ لمبا ہوگا"____ یہ استعارہ فیاضی کی طرف تھا۔ آپ رضی اللہ عنہا اپنے ہاتھ سے کام کر کے آمدنی کو اعزہ واقربا پر خرچ کر دیتی تھیں۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے حضور ﷺ کی

پیشین گوئی کے مطابق ازواج میں سب سے پہلے وفات پائی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔

دیگر ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا، حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ اسی ضمن میں وہ واقعہ بھی قابل ذکر ہے کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا عمدہ پکاتی تھیں۔ ایک دن جب آپ ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں تھے، اس پیالے کو خادم کے ہاتھوں سے لے کر زمین پر دے مارا جو حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کے لیے بھیجا تھا۔ آپ ﷺ نے پیالے کے ٹکڑے چن چن کر یکجا کیے اور ان کو جوڑا، پھر دوسرا پیالہ منگوا کر واپس کیا۔

اولاد:

آپ ﷺ کی اولاد میں سب سے پہلے قاسم، غالباً نبوت سے گیارہ برس قبل پیدا ہوئے۔ عمر کے بارے میں اختلاف ہے تاہم سب سے پہلے آپ ہی کا انتقال ہوا۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا، حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا، حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بالترتیب بیٹیاں تھیں۔

آنحضرت ﷺ کی سب سے آخری اولاد حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ ہیں۔

حضور ﷺ کے ازدواجی رشتوں کی ایک اہمیت یہ بھی ہے کہ ان کے ذریعے نہ صرف مکہ و مدینہ کے قبائل اور مہاجر برادری سے اور دوسری جانب عام قبائل عرب سے جو تعلقات قائم ہوئے، اس کی وسعت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ فتح مکہ کے بعد مدینہ میں آنے والے وفود کی تعداد کم سے کم ۱۵۔ اور زیادہ سے زیادہ ۱۰۴ ملتی ہے۔ (نعیم صدیقی)

مشہور محدث علامہ محمد طاہر پٹنی (م ۹۸۶ھ) نے لکھا ''یہ سال آمدِ وفود کا سال تھا۔ عرب قبائل نے اسلام کے ساتھ قریش کے معاملہ کا انتظار کیا تھا اس لیے کہ وہی لوگ سب

کے پیشوا تھے اور بیت اللہ کے ذمہ دار'' ــــــ ''جب انہوں نے اسلام کے سامنے اپنا سرِتسلیم خم کر دیا اور مکہ فتح ہو گیا'' ــــــ ''تو اس وقت ہر طرف سے وفود کی کثرت ہوئی جس طرح کوئی موتی کی لڑی ٹوٹ جائے اور اس کے سارے دانے اسلام کی آغوش میں آ جائیں۔''

باب پنجم

رسول اللہ ﷺ کی عائلی زندگی

آئندہ صفحات میں ہم اللہ کے رسول ﷺ کی شخصیت کے چند درخشاں پہلوؤں کا ذکر کریں گے۔ قرآن کریم نے رسول اللہ ﷺ کی زندگی کو قیامت تک آنے والے انسانوں کے لیے اسوۂ حسنہ قرار دیا ہے۔ اسلام قبول کرنے کے لیے کلمہ طیبہ کے دوسرا جزو میں آپ ﷺ کو اللہ کا رسول ماننا ہے اور مسلمانوں کے لیے ان کی زندگی کے تمام انفرادی/نجی/نہایت پرائیویٹ اعمال وافعال نیز اجتماعی زندگی کے تمام پہلوؤں (عقیدہ، عبادت، معاشرتی، تعلیمی، معاشی، سیاسی ودیگر معاملات) میں اتباعِ رسول کو اس دنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی رضا کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔

گوشوارہ نمبر ۱ کی معلومات ایک صاحب علم کے پی ایچ ڈی مقالے (عبدالقادر جیلانی ۲۰۰۰) سے مستعار لی گئی ہیں۔ اس گوشوارے سے پتہ چلتا ہے کہ:

☆ ......حضور ﷺ نے اپنی حیات میں کل تیرہ خواتین سے نکاح کیا جن میں سے نو آپ ﷺ کی وفات کے بعد تک زندہ رہیں۔

☆ ......حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی شادی ۴۰ سال کی عمر میں ہوئی جبکہ آپ ﷺ کی عمر ۲۵ سال تھی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات ۶۵ سال کی عمر میں ہوئی یعنی ۲۵ سال تک ازدواجی زندگی یک زوجگی (Monogamous) کی حیثیت سے گزارنے کے بعد۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے وقت آپ ﷺ کی عمر ۵۰ سال تھی۔ اس تمام دوران آپ ﷺ نے دوسری شادی نہیں کی جبکہ عرب میں ایک سے زائد شادی کرنا عام رواج تھا اور آپ ﷺ کے دیگر رشتے دار ایک سے

زائد بیویاں رکھتے تھے۔

گوشوارہ نمبر ا: ازواجِ مطہرات کے بارے میں چند اہم کوائف

ازواج مطہراتؓ کے اسمائے گرامی	نکاح کرنے کا سال اور حضور ﷺ کی اُس وقت عمر	کیفیت ازواجِ مطہرات	شادی کے وقت بیویوں کی کل تعداد
ا۔حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا	۵۹۵ عیسوی، نبوت سے ۱۵ سال قبل، عمر ۲۵ سال	بیوہ تھیں، پہلی شادی ۲۰ سال کی عمر میں ہوئی دوسرے شوہر کی وفات کے بعد اس وقت آپؓ کی عمر ۳۰ سال تک تھی۔ مزید دس سال بعد جب سیدہؓ کی عمر ۴۰ سال تھی تو آپؐ کے عقد میں آئیں۔ اور ۶۵ برس میں وفات ہوئی	
۲۔حضرت سودہ رضی اللہ عنہا	نبوت کے دس سال بعد حضور ﷺ کی عمر ۵۰ سال	بیوہ، عمر ۵۰ سال وفات ۲۲ ہجری	ا
۳۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا	۲ ہجری، حضور کی عمر ۵۵ سال	کنواری، شادی کے وقت عمر ۹ سال، وفات ۵۸ھ، عمر ۶۶ سال	۲

۴۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا	۳ہجری۔۵۶سال	بیوہ، عمر ۱۸ سال وفات ۴۵ہجری	۳
۵۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا بنت خزیمہ	۳ہجری۔۵۶سال	بیوہ۔ عمر ۳۰ سال، شادی کے چند ماہ بعد انتقال ہو گیا	۴۔ لیکن دوبارہ ۳، ام المومنین کی وفات پر
۶۔ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا	۴۔ہجری۔۵۷سال	بیوہ۔ ۸۳ سال کی عمر میں ۶۳ ہجری میں وفات پائی۔	۴
۷۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا بنت جحش	۵ہجری۔۵۸سال	مطلقہ، ۳۵ سال عمر، ۵۳ سال کی عمر میں ۲۰ ہجری میں وفات پائی	۵
۸۔ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا بنت الحارث	۵ہجری۔۵۸سال	بیوہ۔ ۲۰ سال عمر، وفات ۵۶ سال کی عمر ۵۰ ہجری میں ہوئی	۶
۹۔ حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا	۶۔ہجری۔۵۹سال	مطلقہ۔ ۳۵ سال عمر۔ ۷۳ سال کی عمر میں ۴۴ ہجری میں وفات پائی۔	۷
۱۰۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بنت حیی بن اخطب	۷ہجری۔۶۰سال	بیوہ۔ ۱۸ سال عمر، ۶۰ سال کی عمر میں ۵۰ھ ہجری میں وفات پائی	
۱۱۔ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا بنت الحارث	۷ہجری۔۶۰سال	بیوہ۔ بوڑھی خاتون ۵۱ ہجری میں فوت ہوئیں۔	

مذکورہ بالا خواتین کے علاوہ، حضور ﷺ کی دو لونڈیاں بھی تھیں۔ پہلی کا نام ماریہ قبطیہ تھا جو کہ مصر کی رہنے والی عیسائی خاتون تھیں۔ صلح حدیبیہ (۶ ہجری) کے بعد آپ ﷺ نے مختلف بادشاہوں، حکمرانوں کو اسلام لانے کے لیے خطوط ارسال کیے تھے۔ اسی طرح کا ایک خط مقوقس بادشاہ کو بھی بھیجا گیا تھا جو کہ مصر کا گورنر تھا۔ بادشاہ نے آپ ﷺ کی خدمت میں دو باندیاں بھیجیں جن میں سے ایک ماریہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ دونوں نے مدینہ پہنچنے سے پہلے اسلام قبول کرلیا۔ حضور ﷺ نے ماریہ رضی اللہ عنہا کو اپنے لیے رکھ لیا جن سے حضور ﷺ کو ایک اولادِ نرینہ (ابراہیم رضی اللہ عنہ) پیدا ہوئی جن کا انتقال ہو گیا۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کو اپنی دیگر ازواج کے برابر ہی رکھا اور انہیں دیگر امہات المومنین رضی اللہ عنہن کی طرح پردہ کرنے کا حکم دیا۔

دوسری لونڈی ریحانہ بنت زید النصیریہ تھیں۔ ان کا تعلق یہودی قبیلے بنو قریظہ سے تھا۔ ان کا شوہر (حکم) بنو قریظہ کے ساتھ جنگ میں مارا گیا تھا۔ یہ بطور جنگی قیدی گرفتار ہوئیں۔ ان کے والد نے اسلام قبول کرلیا تھا اور وہ حضور ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم میں شامل ہو گئے جن سے متعدد احادیث بھی مروی ہیں۔ حضور ﷺ نے ریحانہ کو آزاد کردیا اور ان کے بقول ''میں نے اسلام قبول کرلیا تو حضور ﷺ نے میرے ساتھ شادی کرلی اور بارہ اوقیہ سونا بطور مہر دیا جیسا کہ آپ ﷺ نے اپنی دوسری ازواج کو دیا تھا۔ آپ ﷺ نے ام مدثر کے گھر میں میرے ساتھ تخلیہ فرمایا اور دوسری ازواج کی طرح میری باری مقرر کی اور مجھے پردہ کرنے کا حکم بھی دیا۔ آپ رضی اللہ عنہا، حضور ﷺ کے ساتھ اپنی وفات تک رہیں اور آپ ﷺ نے انہیں جنت البقیع کے قبرستان میں دفن کیا۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی کے ضمن میں ہم نے اس طویل رفاقت کا ذکر کیا ہے جو آپ ﷺ نے سیدہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ گزارے۔ ان کا دور آپ ﷺ کی مکی زندگی کا دور تھا۔ بعثت سے پہلے لیکن شادی کے بعد آپ ﷺ تدبر و تفکر کرنے کے لیے مکہ سے چند میل دور غارِ حرا میں قیام فرماتے تھے۔ اس معمول پر آپ ﷺ ۴۰ سال تک کاربند

رہے۔اس دوران آپ ﷺ کے پاس پانی اور ستو ہوتے تھے۔اس دوران (کبھی کبھی) سیدہ رضی اللہ عنہا بھی آپ ﷺ کے ہمراہ جاتیں اور قریب ہی کسی جگہ پر موجود رہتیں۔(صفی الرحمن مبارک پوری ۱۹۹۸، مائل خیر آبادی: ۲۰۱۵) یہاں ایک وفا شعار بیوی کا یہ من موہنا کردار بھی آج امت کے لیے باعث تقلید ہے کہ مسلم خواتین اپنے خاوند کے آرام و آسائش کا خیال صرف گھر ہی تک محدود نہیں رکھتیں بلکہ حالت سفر یا باہر (کسی جگہ پر بھی وہ ہوں) غافل نہیں رہتیں مبادا انہیں کسی وقت بھی ان کی مدد کی ضرورت پڑ جائے۔**ام المومنین کا یہ عمل نہ صرف امت کی خواتین کے لیے باعث تقلید ہے بلکہ اُدھر، حضور کا اسوہ حسنہ بھی یہ ہے کہ آپ ﷺ نے کبھی انہیں رضی اللہ عنہا کو اپنے ہمراہ جانے پر اعتراض نہیں کیا۔اس سے امت کے مردوں (بالخصوص نوجوان اور بہت زیادہ حساس افراد) کے لیے یہ سبق ہے کہ دینی و دنیوی تعلیم و تربیت کے لیے اپنی بیوی (بچوں) کو گھر سے باہر لے جانا یا ان کا مناسب انداز/طریق سے از خود جانا بھی اسوۂ حسنہ کے زمرے میں آتا ہے۔** ہمارے معاشرے میں بالخصوص زیادہ مذہبی لوگوں میں بیوی/بچوں کو اپنے ہمراہ (حتیٰ کہ حج/عمرے پر بھی لے جانا مناسب نہیں سمجھا جاتا کجا کہ سیر و تفریح کے لیے کبھی کبھار باغ/دریا یا کسی تعلیمی پروگرام (لیکچر، نمائش کتب) یا عجائب گھر/چڑیا گھر) جانا۔ یوں طبقہ اناث نہ صرف تعلیمی و تربیتی پروگراموں سے استفادہ بھی نہیں کر پاتیں بلکہ جب انہیں ماڈرن طبقے کی خواتین کی جانب سے یا ٹی وی پروگراموں میں یہ بتایا جاتا ہے کہ اسلام عورت کو گھر میں قید رکھنے کا حامی ہے، تو ان کے بالخصوص (نوجوان لڑکیوں/بچیوں) میں یہ خیال جڑ پکڑ جاتا ہے اور یوں یہ رویہ کسی نہ کسی صورت میں بغاوت کا پیش خیمہ ثابت ہوتا ہے)

اس ضمن میں ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا یہ عمل بھی ان کی زندگی کا ایک بہت درخشاں پہلو ہے کہ باوجود اس امر کے کہ سیّدہ شادی سے قبل مکہ کی متمول ترین خاتون تھیں اور نہایت معزز قبیلے سے تعلق اور ذاتی کاروبار کی بناء پر نیز گھریلو زندگی میں بے شمار نوکر

چاکر اور باندیاں کام کرنے کو موجود تھیں، لیکن سیدہ رضی اللہ عنہا، حضور اکرم ﷺ کے ساتھ شعب ابی طالب میں تین سال تک مقید رہیں اور آپ ﷺ نیز دیگر افراد بنو ہاشم کے ساتھ قید و بند کی تمام تر سختیاں اور مصیبتیں نہایت خندہ پیشانی سے برداشت کیں۔ شعب ابی طالب میں کفار مکہ نے جس قسم کا ظلم و ستم آپ ﷺ کے ساتھ روا رکھا، وہ تاریخ انسانی کا بھیانک ترین سلوک تھا۔

مقامِ شوق تیرے قدسیوں کے بس کا نہیں
انہی کا کام ہے یہ حوصلے ہیں جن کے زیاد!

اس کتاب کے کسی دوسرے باب (دوم) میں بتایا گیا ہے کہ صدیوں کے امتدادِ زمانہ کے باعث جمال مصطفیٰ ﷺ (اسلامی تعلیمات) سے دوری اور بیگانگی کے نتیجے میں امت مسلمہ میں بہت سی ایسی رسم و رواج جڑ پکڑ چکی ہیں جن کا دور دور تک کوئی تعلق اسلامی روایات بالخصوص اسوۂ حسنہ ﷺ اور سیرت امہات المومنین رضی اللہ عنہن سے نہیں رہا۔ ان روایات اور رسوم میں چند ایک یہ ہیں:

(۱) لڑکی کے والدین کا رشتے کے لیے سلسلہ جنبانی کرنا (زوجین کا انتخاب)
(۲) زوجین کی عمروں کا تفاوت
(۳) جہیز/حق مہر
(۴) گھر داماد اور ذات برادری
(۵) مہندی/ ولیمے و دیگر رسوم پر غیر ضروری اخراجات

گوشوارہ نمبر ا میں درج حقائق اور اسوۂ رسول کے حوالے سے مسلم معاشرے میں موجود رسوم و رواج کے بارے میں جو راہ نمائی ملتی ہے، وہ ذیل میں زیر بحث آئیں گی!

زوجین کا انتخاب

گزشتہ صفحات میں عربوں کی اخلاقی حالت کے بارے میں مختصر اشارات سے یہ

اخذ کرنا مشکل نہیں کہ اس معاشرے میں عورت کا حصول چنداں مشکل نہ تھا۔ اور نہ ہی بے محابہ جنسی اعمال کو برا سمجھا جاتا تھا یا اس پر کوئی قدغن تھی۔ ایک ایسے معاشرے میں کسی نوجوان کا ۲۵ سال کی عمر تک (جب شباب کا عروج ہوتا ہے) اپنے آپ کو ہر قسم کے لہو و لعب سے بچانا، ازخود ایک ایسا عمل ہے کہ جس کے بارے میں اگر کہا جائے کہ آج کی دنیا میں انسانوں کی سات ارب کی آبادی میں ایسے کسی ایک آدمی کا ملنا بھی محال ہے تو چنداں حیرت کی بات نہیں!۔ پھر اس پاکباز نوجوان نے شادی بھی کی تو ایسی خاتون سے جو اپنی عمر کے چالیس سال گزار چکی تھیں۔ نیز ان کے پہلے شوہر ابو ہالہ سے دو بیٹے (ہالہ اور ہند) تھے۔ ہالہ جوانی میں ایک حادثے کا شکار ہو گئے۔ ہند نے اسلام قبول کیا اور ایک لڑائی میں کام آئے۔ ابو ہالہ زیادہ دیر تک زندہ نہ رہے اور شادی سے کچھ عرصہ بعد وفات پا گئے۔ سیدہ رضی اللہ عنہا کی دوسری شادی ایک مخزومی نوجوان سے ہوئی۔ ان سے ایک لڑکی ہند نامی تھی جنہوں نے اسلام قبول کیا۔ دوسرے شوہر بھی جلد ہی چل بسے۔ اس زمانے میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے والد کا بھی انتقال ہو گیا۔ اس وقت آپ رضی اللہ عنہا کی عمر ۳۰ سال تھی۔ رشتے آتے رہے لیکن آپ نے انکار کر دیا اور دس برس تک اپنے والد کے کاروبار کی نگرانی کی۔ کاروبار کے سلسلے ہی میں آپ رضی اللہ عنہا نے حضور ﷺ کو اپنا مالِ تجارت فروخت کرنے کے لیے پیش کش کی۔ جب آپ ﷺ اس کاروبار سے بہت سا نفع حاصل کر کے واپس تشریف لائے اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے غلام نے آپ ﷺ کے حسن معاملہ فہمی اور دیانت داری کے واقعات کا تذکرہ کیا تو آپ رضی اللہ عنہا بہت متاثر ہوئیں۔ اور اپنی سہیلی کی معرفت آپ ﷺ کو نکاح کی پیش کش کی۔ ◆ آپ ﷺ نے اپنے چچا سے مشورہ کر کے نکاح کر لیا۔

اس تمام تر واقعے کے بیان کرنے سے مقصود یہ واضح کرنا ہے کہ شادی بیاہ کے

◆ بعثت سے قبل کے عرب میں شادی/ بیاہ کے رسم و رواج کے بارے میں گذشتہ ابواب میں روشنی ڈالی جا چکی ہے!

بارے میں ہمارے (نام نہاد) مسلم معاشرے میں (بالخصوص ہندو پاک) میں جو متعدد غلط رسم ورواج رائج ہیں، ان کا موازنہ بھی اگر اس وقت سے کیا جائے تو آج کل لڑکی والوں کے لیے یہ امر ممنوعہ/معیوب سمجھا جاتا ہے کہ وہ اپنی لڑکی کا رشتہ خود پیش کریں یا سلسلہ جنبانی میں پہل کریں۔ یہاں ہم دیکھتے ہیں کہ مکہ کی ایک دولت منداور نہایت شریف قبیلے سے تعلق رکھنے والی خاتون اپنی سہیلی (نفیسہ) کے ذریعے براہ راست حضور ﷺ کو پیغام بھیجتی ہیں جسے حضور ﷺ اپنے چچا کے مشورے سے قبول کر لیتے ہیں اور یوں وہ ایک ایسے بندھن میں بندھ جاتی ہیں جس سے مبارک رشتہ قیامت تک وجود میں نہیں آنا تھا۔

☆......اس کے علاوہ، اسوۂ حسنہ کا ایک دوسرا پہلو یہ بھی ہے کہ اپنی سب سے چھوٹی بیٹی (حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا) کے رشتے کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے خود سلسلہ جنبانی کرتے ہیں۔ اور اپنی دو بیٹیوں کا نکاح یکے بعد دیگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے خود فرماتے ہیں ـــــ آپ ﷺ کا یہ اسوۂ حسنہ تقاضہ کرتا ہے کہ امت اس قسم کے رسم و رواج کا قلاوہ اپنی گردن سے نکالے تاکہ نکاح کا ادارہ پروان چڑھے اور موجودہ سوسائٹی میں جو بے شمار نوجوان لڑکے اور لڑکیاں اس قسم کی غیر اسلامی رسموں کی بھینٹ چڑھ رہے ہیں، ان کے رشتے طے ہوں اور مسلم سوسائٹی ایک بار دوبارہ اپنا کھویا ہوا تشخص بحال کر سکے!۔اس جگہ اس امر کی صراحت ضروری ہے کہ شادی/بیاہ میں اصل اہمیت ذہنی ہم آہنگی کو دی جانی چاہیے جو دین کی بناء پر ہی وجود میں آسکتی ہے۔ دراصل یہ معیار ایک حدیث نبوی ﷺ سے ہی اخذ کردہ ہے جس میں آپ ﷺ نے حسن، دولت اور خاندان پر دین کے فہم کو زوجین کے انتخاب میں ترجیح دینے کا حکم دیا ہے۔ (بخاری ۵۰۹۰، مسلم ۱۴۶۶)

عمروں میں تفاوت

موجودہ مسلم معاشرے میں لڑکے اور لڑکیوں کی عمروں میں تفاوت کو بھی ایک بڑا

مسئلہ بنالیا گیا ہے۔ درج بالا سطور میں جو وضاحت کی گئی کہ متعدد غیر اسلامی رسوم کی پیروی کرنے کا یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ معاشرے میں لڑکوں اور لڑکیوں کی شادی نہیں ہو پاتی اور یوں ان کی عمروں میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔۔۔۔۔ گوشوارہ نمبر ا سے پتہ چلتا ہے کہ آپ ﷺ کی شادی حضرت خدیجہ سے ۴۰ سال کی عمر میں ہوئی جبکہ آپ ﷺ خود ۲۵ سال کے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سوا تمام ازواج بڑی عمر کی مطلقہ/ بیوہ خواتین تھیں۔

مائل خیر آبادی (۲۰۱۵) نے زوجین کی عمروں میں تفاوت کے بارے میں ایک بہت ہی فکر انگیز پہلو کی جانب توجہ دلائی ہے۔ انہوں نے لکھا کہ عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ بڑی عمر میں شادی کی صورت میں ہر دو فریقین کی فکر و عادات میں بہت حد تک پختگی آجاتی ہے جس کی بناء پر ایک دوسرے کو آسانی سے ہم خیال بنانا مشکل ہو جاتا ہے۔ اور اگر ایسی حالت میں کسی کو مالی طور پر فوقیت بھی ہو تو پھر ان کو اپنا ہم خیال بنانا اور بھی مشکل ہو جاتا ہے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور حضور ﷺ کی زندگی اس سے مستثنیٰ ہے۔ آپ رضی اللہ عنہا مکہ کی ایک رئیس زادی تھیں اور یکے بعد دیگرے دو رئیسوں سے شادی کر کے نہایت عیش و آرام کی زندگی گزار چکی تھیں۔ آپ ﷺ سے شادی سے قبل نہایت متمول اور مال دار تھیں۔ دنیا میں عموماً دولت مند گھرانوں سے تعلق رکھنے والی خواتین بہت حد تک بدمزاج، ضدی اور مغرور ہوتی ہیں اور یہ بھی ہوتا ہے کہ خاوند اگر غریب ہو تو وہ اسے خاطر میں نہیں لاتیں۔ ان کا یہ طرز عمل گھریلو، عائلی زندگی کو بہت بری طرح سے متاثر کرتا ہے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ حضور ﷺ کے ساتھ شادی کے پچیس سالہ زندگی میں ایک واقعہ بھی تاریخ کے صفحات میں ڈھونڈنے سے نہیں ملتا جب سیّدہ رضی اللہ عنہا سے کوئی ادنیٰ سے کام بھی رضائے شوہر کے خلاف سرزد ہوا ہو اور یہ حال بعثتِ نبوی ﷺ کے بعد ہی نہیں، رسالت کے منصب پر فائز ہونے سے قبل بھی تھی۔ شادی کے بعد جب آپ رضی اللہ عنہا نے حضور ﷺ کو قریب سے دیکھا تو پھر انہوں رضی اللہ عنہا نے اپنے آپ کو حضور ﷺ کے رنگ میں مکمل طور پر رنگ لیا۔

اس نے اپنا بنا کے چھوڑ دیا
کیا اسیری ہے کیا رہائی ہے!

انہوں نے حضور ﷺ کو غریبوں، یتیموں، بیواؤں کی سرپرستی کرتے دیکھا تو اپنی ساری دولت حضور ﷺ کے قدموں میں ڈالدی۔ انہوں نے دیکھا کہ آپ ﷺ سادہ زندگی سے خوش ہوتے ہیں تو انہوں نے خود بھی سادہ زندگی اختیار کر لی۔

حاصلِ زیست نثارِ رخِ یارے کردم
شادم از زندگئ خویش کہ کارے کردم!

''میں نے اپنی تمام تر زندگی اپنے دوست کے حسین چہرے پر قربان کر دی
اور میں اپنی زندگی میں اس قربانی کو حاصل زندگی سمجھتا ہوں!''

حضرت ابوطالب کی مالی حالت اچھی نہیں تھی۔ آپ ﷺ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے حضرت علی رضی اللہ عنہ (جن کی عمر اس وقت ۵ سال تھی) کو اپنی کفالت میں لینے کا مشورہ کیا۔ ام المومنین رضی اللہ عنہا نے نہایت خوش دلی سے اتفاق کیا اور یوں علی رضی اللہ عنہ بھی آپ رضی اللہ عنہا کے سایہ تربیت میں پلنے لگے۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سیرت کے کس کس پہلو کی تعریف کی جائے۔ شادی کے بعد جب آپ ﷺ پر پہلی وحی نازل ہوئی تو آپ ﷺ نہایت گھبراہٹ اور پریشانی کے عالم میں گھر تشریف لائے۔ کوئی دوسری خاتون ہوتیں تو یہ انوکھا ماجرا سن کر گھبرا جاتیں لیکن نہ صرف انہوں نے آپ ﷺ کو تسلی دی کہ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ ضائع نہ ہونے دے گا۔ پھر ایسے نازک موقعہ پر نفسیاتی اعتبار سے بڑی ذہانت اور فراست کا ثبوت دیا۔ آپ ﷺ کو لے کر وہ اپنے ایک قریبی رشتے دار ورقہ بن نوفل (عیسائی راہب اور تورات کے عالم) کے پاس لے گئیں۔ ورقہ بن نوفل نے تمام ماجرا سن کر بتایا کہ ''یہ تو وہی ناموس (جبرائیل علیہ السلام) ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی لیکر آیا تھا۔ اے کاش میں اس وقت تک زندہ رہتا جب تمہاری قوم تم کو نکال دے گی۔'' اس تمام واقعہ میں یہ امر یاد رکھنے

کے قابل ہے کہ اس وقت آپ رضی اللہ عنہا کی عمر ۵۵ سال تھی۔ پختہ کار خواتین کی یہ عمر ایسی ہوتی ہے کہ اس عمر میں پہنچ کر ایک انسان (بلا تخصیص مرد یا عورت) بہت زیادہ مصلحت کوشش اور دور اندیش ہو جاتا ہے اور کسی قسم کے خطرات میں پڑنے سے گریز کرتا ہے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کی تصدیق کی اور یوں اولین خاتون کے اسلام لانے کا شرف حاصل کیا۔ موجودہ دور میں مغرب سے متاثرہ خواتین، ام المومنین کے اس عمل پر فخر ومباہات کا اظہار کرسکتی ہیں!

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے مناقب اس قدر زیادہ اور دور رس مضمرات کے حامل ہیں کہ رہوار قلم کو رکنے کا یارا نہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ کا عمل اور زندگی ایک اور پہلو سے بھی ''دامن دل می کشد کہ جا اینجاست'' کا مصداق ہے۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے جب پہلی وحی پر آپ ﷺ کی تصدیق کی اس وقت ان کی عمر ۵۵ سال تھی۔ اس عمر کو پہنچے پر ایک شخص بہت زیادہ محتاط اور کسی حد تک آرام پسند ہو جاتا ہے۔ شعب ابو طالب میں تین سال تک نہایت برے حالات میں زندگی گزاری۔ تاہم اس عمر میں ایک عورت کو اپنے خاوند سے زیادہ اولاد بھی محبوب ہوتی ہے۔ لیکن یہاں ہم دیکھتے ہیں کہ معاملہ اس کے برعکس ہے۔ حضور ﷺ پر ایمان لانے کے بعد اب چونکہ آپ ﷺ ان کے خاوند ہی نہ تھے بلکہ رسول ﷺ خدا بھی تھے۔ معاملہ صرف شوہر کی رضا کا نہ تھا بلکہ رضائے الٰہی اور رضائے رسول ﷺ بھی بن چکا تھا۔ چنانچہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے حمایت اسلام کو بنیاد بنا کر اپنی اولاد کی تربیت کرنی شروع کی۔ تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ جب ابتدائی دور میں آپ ﷺ نے کعبہ میں جا کر توحید کا پرچار شروع کیا تو ہر طرف سے کفار مکہ آپ ﷺ پر ٹوٹ پڑے۔ یہ خبر سن کر سب سے پہلا شخص جو حضور ﷺ کی مدد کو پہنچا، وہ رسول اللہ کے ربیب یعنی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے جانباز بیٹے ہالہ تھے۔ وہ بلا تامل بیچ میں کود پڑے۔ ان کی اس مداخلت سے حضور ﷺ تو بچ گئے مگر چاروں طرف سے اتنی تلواریں پڑیں کہ وہ جانبر نہ ہو سکے ____ اسلام کی راہ میں

جان کی پہلی قربانی بھی اسی ماں کے جانباز بیٹے نے دی جس نے مردوں اور عورتوں میں سب سے پہلے اسلام قبول کیا۔۔۔۔۔ یہاں یہ امر بھی ذہن میں تازہ کرلیں کہ ایک مرتبہ جب خانہ کعبہ میں سجدہ کرتے وقت مشرکین اور کفار مکہ نے اونٹ کی بھاری بھرکم اوجھڑی آپ ﷺ پر ڈال دی (جو کسی صورت بھی ۴۰ / ۵۰ کلو سے کم نہ ہوگی)۔اس اوجھڑی کو صاف کرنے کا شرف بھی اسی مومنہ خاتون کی سب سے چھوٹی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا کو حاصل ہوا جبکہ وہ خود اس وقت ۵ سال کی کم سن بچی تھیں۔ ہم، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بھی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے زیر تربیت رہنے کا ذکر کر چکے ہیں۔کون کہہ سکتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی پرورش و پرداخت اور انہیں پروان چڑھانے میں ان کا ہاتھ نہیں تھا جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ حضور ﷺ بذات خود بعثت سے پہلے اور بعد میں کتنی مصروف زندگی بسر کرتے تھے۔ (مائل خیرآبادی:۲۰۰)

جہیز/حق مہر کا مسئلہ

جہیز اور حق مہر کا مسئلہ بھی، ان چند مسائل میں بہت اہمیت کا حامل ہے جن کی وجہ سے مسلم معاشرے میں شادی کا ادارہ مائل بہ تنزل ہی نہیں بلکہ بے شمار اخلاقی برائیوں کے گرداب میں پھنستا چلا جا رہا ہے۔لڑکے والے جہیز کے انتظار میں ایسے رشتوں کی تلاش میں رہتے ہیں جہاں سے انہیں گاڑی، کوٹھی، سفارش کے نتیجے میں اعلیٰ نوکری وغیرہ کی تلاش رہتی ہے جبکہ لڑکی والے زیادہ حق مہر لکھوانے کے چکر میں رہتے ہیں اور یوں معاشرے میں نہ صرف اخلاقی برائیاں جنم لیتی ہیں بلکہ شادی ہونے کی صورت میں جہیز کی کمی یا عمروں میں بہت زیادہ تفاوت اور سسرال میں ساس، نندوں وغیرہ کا سلوک طلاق، اور تیل کے چولہے کے پھٹنے سے موت کے حادثہ کی شکل میں رونما ہو جاتا ہے۔اس تمام تر نہایت ہی گھمبیر اور پیچیدہ صورت حال کا صرف ایک ہی حل ہے کہ معاشرہ اسوۂ رسول ﷺ سے راہ نمائی حاصل کرے۔

چارہ ایں است کہ از عشق مرادے طلبیم
پیش او سجدہ گذاریم و مرادے طلبیم

''ہمارے لیے یہ آخری چارہ کار ہے کہ ہم عشق (اسلامی تعلیمات/ اسوۂ رسول) پر عمل کریں اس تعلیم کے آگے اپنی تمام تر ہٹ دھرمیاں چھوڑ کر اللہ تبارک تعالیٰ سے حصول مراد کریں۔''

دیکھئے، درج بالا مسئلے کا کیا سادہ حل اسوۂ رسول ہمیں دیتا ہے۔

کسی دوسری جگہ ایک حدیث کا حوالہ دیا گیا ہے جس میں اللہ کے رسول ﷺ نے ہدایت فرمائی کہ زوجین کے انتخاب میں دولت، حسن، خاندان/ برادری کی بجائے اخلاق اور فہم دین کو دیا جائے ـــــ اس ہدایت رسول ﷺ کی بہترین مثال ملاحظہ ہو۔

ابوطلحہ (جو بہت دولت مند تھے اور جنھوں نے بہت زیادہ حق مہر دینے کی پیش کش بھی کی) نے زمانۂ کفر میں حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کو نکاح کا پیغام بھیجا۔ درآنحالیکہ موصوفہ اسلام لا چکی تھیں۔ انہوں نے جواب میں کہلا بھیجا کہ تم ٹھہرے کافر اور میں ہوں کہ اسلام لا چکی ہوں۔ اب دو متضاد زندگیاں کیسے جمع ہو سکتی ہیں۔ ہاں اگر اسلام قبول کر لو، تو میں تم سے بجز قبولِ اسلام کے اور کوئی مہر بھی نہ لوں گی۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ رشتہ خود ام سلیم رضی اللہ عنہا کو بھی مرغوب تھا، لیکن اسلام نے ایسا انقلابی رجحان پیدا کر دیا تھا کہ انہوں نے دل پر پتھر رکھ کر انکار کر دیا۔ مگر ساتھ ہی ترغیب اسلام بھی دلا دی۔ آخر ابوطلحہ رضی اللہ عنہ اسلام لے آئے۔ نکاح ہوا اور فی الواقع ان کا اسلام ہی مہر قرار پایا۔ (موطا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ)

اللہ کے رسول ﷺ کا ذاتی اسوہ از خود ایک بہت بڑی مثال ہے۔ آپ ﷺ نے اپنی ازواج کو حق مہر ادا کیا اور اپنی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ نکاح پر جو جہیز دیا، کیا اس کی مثال صرف واعظ ہی میں سننے کے لائق ہے یا اس پر عمل بھی کیا جانا چاہیے؟...... ◆ تاہم اس ضمن میں ایک دوسری مثال بھی اگر پیش نظر رہے تو اسلام کی وہ راہِ اعتدال سمجھ میں آ سکتی ہے جو موجودہ دور میں ہندووانہ اور مغربی تعلیم وتہذیب کی بناء پر

◆ واضح رہے کہ اس قسم کے موضوعات پر محراب ومنبر کی جانب سے کبھی امت کی راہ نمائی نہیں کی گئی!

مسلم معاشرے میں عام ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں نکاح رشادی کے ادارے کو آسان کرنے کے لیے حق مہر کی تحدید کرنے کی تجویز پیش کی۔ اس پر مدینہ کی ایک بوڑھی خاتون نے انہیں ٹوکا کہ جب اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے مہر کی رقم پر کوئی تحدید نہیں کی تو خلیفہ کو اس کا حق نہیں کہ وہ ایسا کریں ـــــ تاریخ یہ بتاتی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نہ صرف اپنی تجویز سے رجوع فرمایا بلکہ یہ تاریخی الفاظ بھی دہرائے کہ ''مدینہ کی بوڑھی عورتیں بھی عمر رضی اللہ عنہ سے زیادہ دین کا فہم رکھتی ہیں!''

حق مہر ہی کے سلسلے میں ایک دوسری انتہا جو ہمارے آزاد خیال اور پڑھے لکھے تاہم لینڈ لارڈ اور دولتمند طبقے میں بہت پسندیدہ ہے وہ ''قرآن سے شادی کرنا''۔ اور ''شرعی حق مہر'' اور لڑکیوں ربہنوں ربیٹیوں کو وراثت سے محروم کرنا جیسی قبیح اصطلاحات کا استعمال ہے۔ اس طرح کی تمام تر حیلہ جوئیوں سے مقصد اپنی منقولہ وغیر منقولہ جائیداد کو کسی دوسرے شخص رخاندان رشوہر کو منتقل ہونے سے سے بچانا ہے ـــــ حالیہ دور میں مغرب کے پروپیگنڈے کے باعث ہماری پڑھی لکھی خواتین کی ایک بہت قلیل تعداد کو اسلامی تعلیمات (وراثت میں لڑکوں کی نسبت لڑکی کا نصف حصہ) پر بہت زیادہ اعتراضات ہیں ـــــ آج ضرورت اس امر کی ہے کہ وہ مسلم معاشرے کی درج بالا معاشرتی خرابیوں کو دور کرنے کے لیے کوششیں کریں اور معاشرے میں صنفِ نازک کے ان سنجیدہ مسائل کو حل کرنے میں اپنی صلاحیتیں صرف کریں۔ یہاں اگر کسی کی طبع نازک پر گراں نہ گزرے تو کیا اس حقیقت سے انکار کیا جا سکتا ہے کہ وہ تو از خود اس روش پر عمل کرنے والے لوگوں میں شامل ہیں!

خاندان/ برادری بھی ایک اہم مسئلہ ہے جو نہ صرف آج کے مسلم معاشرے میں بے شمار خرابیوں کا باعث ہے بلکہ اس کا وجود عرب کے جاہلی معاشرے میں بھی پایا جاتا تھا۔ اس ضمن میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا حضرت زید رضی اللہ عنہ کے ساتھ نکاح بھی ایک مثال ہے۔

حضرت زید، حضور ﷺ کے گھر میں متبنی کی حیثیت رکھتے تھے۔ چونکہ اصلاً اشرافِ عرب میں سے تھے اس لیے کچھ بزرگوں نے جناب زینب رضی اللہ عنہا (حضور ﷺ کی پھوپھی زاد بہن) کو ان کے نکاح میں دینا تجویز کیا۔لیکن زینب رضی اللہ عنہا کے بھائی اس رشتہ پر راضی نہ ہوئے، کیونکہ نکاح کے لیے جو معیار اور پیمانے اس ماحول میں رائج تھے، اس پر یہ جوڑا پورا نہیں اتر تا تھا۔ حضور ﷺ نے پورے اسلامی معاشرے کو ایک خاندان میں بدل دینے کی کوشش فرمائی۔ اور ''کفو'' کا ایک نیا مفہوم پیدا ہو گیا۔ آپ ﷺ نے لوگوں کو سکھایا کہ عورتوں کو نکاح میں لینے کے لیے درجہ اول پر ان کے دین اور کردار کو دیکھو۔ باقی چیزوں کا لحاظ بعد میں ہے۔طرح ''کفو'' کا نیا تصور یہ بنا کر ازدواجی جوڑا اس لحاظ سے بننا چاہیے کہ اصل مقصد زندگی میں کون بہترین ساتھی بن سکتا ہے اور کس کے ساتھ ذہنی اور ذوقی سازگاری زیادہ سے زیادہ ممکن ہے۔ اس ذہن و معاشرتی تبدیلی کا اندازہ درج بالا واقعہ (ام سلیم رضی اللہ عنہا کی شادی حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ) سے بآسانی کیا جا سکتا ہے۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا اور زید رضی اللہ عنہ کے ذریعے منہ بولے بیٹے کی مطلقہ بیوی سے شادی کا موضوع اس باب میں واضح کیا گیا ہے۔ اسی ضمن میں اموی ''دورِ بادشاہت'' میں خانوادۂ نبوی ﷺ کے ایک نہایت جلیل القدر شخصیت حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کا واقعہ بھی امت کے لیے بہت سبق آموز ہے۔ آپ نے اپنی بیٹی کا نکاح ایک غلام سے کر دیا اور خود اپنی ایک لونڈی کو آزاد کر کے اس سے خود نکاح کر لیا۔ اس پر اموی بادشاہ نے انہیں ایک سخت الفاظ پر مبنی ''تہدید نامہ'' لکھا جس میں ان کے اس اقدام کی مذمت کی گئی تھی کہ ان اقدامات کے ذریعے انہوں نے خانوادۂ نبوی ﷺ کی عزت و عظمت کو کم کیا ہے۔ اس پر امام زین العابدین رضی اللہ عنہ نے جواب دیا، وہ آج ہم سب (بالخصوص ساداتِ کرام جو غیر سید لوگوں کے ساتھ اپنی بیٹیوں/ لڑکیوں کا نکاح نہیں کرتے اور یوں بیشتر گھرانوں کی لڑکیاں غیر شادی شدہ حالت میں زندگی بسر کرنے پر مجبور ہوتی ہیں)۔ امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کا جواب سنہری حروف میں لکھنے کے قابل ہے۔ امامِ عالی مقام نے اموی

بادشاہ کو جواباً لکھا:

قَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ قَدْ اَعْتَقَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ صَفِیَّۃَ بِنْتَ حُیَیٍّ وَتَزَوَّجَھَا وَاَعْتَقَ زَیْدَ بْنَ حَارِثَۃَ رضی اللہ عنہ وَزَوَّجَہٗ اِبْنَۃَ عَمَّتِہٖ زَیْنَبَ بِنْتَ جَحْشٍ (ابن سعد)

''لازماً تمہارے لیے اسوۂ حسنہ پیغمبر کی ذات میں ہے۔ انہوں نے اپنی لونڈی (صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا) کو آزاد کر کے ان سے نکاح کر لیا۔ اسی طرح، انہوں نے اپنے غلام (زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ) کو آزاد کر کے ان کے ساتھ اپنی رشتے کی بہن ***(COUSIN)*** کا نکاح کر دیا''!

شادی بیاہ اور مسرفانہ اخراجات

درج بالا چند رسم و رواج کے بارے میں اسلامی تعلیمات کے چند پہلوؤں کا مطالعہ کرنے کے بعد ضروری محسوس ہوتا ہے کہ چند حروف ان مسرفانہ اخراجات کے بارے میں بھی واضح کئے جائیں جو ہمارے معاشرے میں رائج ہو گئے ہیں۔ اسلام، زندگی کے تمام معاملات (بشمول عبادات) میں توازن اور اعتدال کا داعی ہے۔ جہاں تک شادی بیاہ میں اخراجات کا تعلق ہے تو اس میں بھی اسلام راہِ اعتدال کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتا۔

☆ ......آپ ﷺ نے اپنی پہلی شادی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے اس طرح کی کہ اپنے چچاؤں کے ہمراہ جا کر نکاح ہوا اور روایات سے کسی قسم کے بے جا اخراجات کھانے پینے کی مد میں خرچ کرنے کا ذکر نہیں ملتا۔ اسی طرح حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کے بعد نہایت ہی سادہ ولیمہ کرنے کا ذکر ملتا ہے جو گھی/آٹے کے مالیدہ پر مشتمل تھا اور جس میں موجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو شامل کر لیا۔ اسی طرح ایک صحابی (عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بن عوف) کو شادی کی اطلاع ملنے پر ولیمہ کرنے کی ہدایت فرمائی جو ایک بکری کے ذبح کرنے تک محدود تھی۔

سیرتِ طیبہ کا مطالعہ کرنے سے ہمیں شادی بیاہ نیز غمی کے موقع پر بھی فضول خرچی کرنے کا کوئی سراغ نہیں ملتا جو آج امت نے ہندووانہ رسم ورواج کے تحت مہندی وغیرہ اور غمی میں تیجا، چالیسواں کی غیر ضروری رسموں کی شکل میں اختیار کیا ہوا ہے جس میں ایک دوسرے کے ساتھ مقابلے کرنے کا جذبہ پایا جاتا ہے۔ جس کی کوئی گنجائش اسلامی تعلیمات کے تحت نہیں۔

دیگر ازواج مطہرات کی شادیوں کے حالات

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی شادی کے ضمن میں ان مضمرات اور عواقب کا جائزہ لینے کے بعد جو راہنمائی امت کو اس شادی کی بنا پر حاصل ہوئی اور جن کی جانب ہم نے درج بالا صفحات میں کس قدر تفصیل کے ساتھ گزارشات پیش کیں، اب ضروری ہے کہ دیگر ازواجِ مطہرات کے احوال پر بھی ایک نظر ڈالی جائے۔

☆ ......ہم گزشتہ صفحات میں ذکر کر چکے ہیں کہ ابو طالب اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا انتقال یکے بعد دیگرے ہوا ـــــ ان ہر دو واقعات سے بالعموم اور زوجہ محترمہ کے وفات پا جانے سے بالخصوص آپ ﷺ کی گھریلو زندگی بہت متاثر ہوئی۔ گھر کو آباد رکھنے کے لیے آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مشورے سے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا بنت زمعہ سے نکاح کر لیا۔ اس وقت ان رضی اللہ عنہا کی عمر پچاس سال تھی۔ انہوں نے ہجرت حبشہ میں نہ صرف مشکل ترین مصائب کا سامنا کیا بلکہ خاوند کی وفات کا دکھ بھی دیکھنا پڑا۔ ان حالات میں مکہ واپسی پر آپ ﷺ نے ان کے مصائب، قربانیوں اور دین کے ساتھ شیفتگی اور لگن کو دیکھتے ہوئے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کر لیا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد یہی پچاس سالہ خاتون ہیں جو سب سے پہلے آپ ﷺ کے نکاح میں آئیں۔ ان کے بعد دیگر ازواج ہجرت کے بعد آپ ﷺ کی زوجیت میں داخل ہوئیں۔ ام المومنین حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے متعدد احادیث مروی ہیں۔ بعد ازاں انہوں نے اپنی باری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دیدی۔

☆ ......ہجرت مدینہ کے پہلے سال شوال کے مہینے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی عمل میں آئی۔ آپ کا نکاح مکہ کے آخری ایام میں کمسنی کے عالم ہی میں ہوگیا تھا لیکن رخصتی نہیں ہوئی تھی۔ رخصتی کا عمل جس انداز میں عمل میں آیا، اس میں امت کی خواتین ومرد کے لیے بہت اہم راہ نمائی کے متعدد پہلو ہیں۔

☆ ......ایک حدیث جو اسماء رضی اللہ عنہا بنت ابی سکن نے روایت کی ہے کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کرنے کے لیے بناؤ سنگھار کیا اور پھر انہیں دعوت دی کہ وہ آ کر انھیں بغیر نقاب کے دیکھیں۔ حضور ﷺ تشریف لائے اور ان کے نزدیک تشریف فرما ہوئے اور دودھ کا ایک بڑا پیالہ بھی لایا گیا جس سے آپ ﷺ نے دودھ نوش جان کیا۔ تب آپ ﷺ نے وہ پیالہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دیا لیکن انہوں نے شرم سے اپنا سر جھکا لیا۔ میں نے اپنی کہنی سے انھیں دباتے ہوئے کہا کہ: ''حضور ﷺ کے دست مبارک سے لے لو۔'' انھوں نے وہ اپنے ہاتھ میں پکڑ لیا اور اس میں سے کچھ دودھ پیا۔ تب حضور ﷺ نے انھیں فرمایا کہ: ''اپنی سہیلی کو بھی پینے دو۔'' اس موقع پر میں نے عرض کیا کہ: ''اے اللہ کے پیغمبر ﷺ بلکہ آپ ﷺ لے کر اس میں سے کچھ پئیں اور پھر مجھے اپنے دست مبارک سے پینے کے لیے عنایت فرمائیں۔'' حضور ﷺ نے پیالہ لے کر پیا اور پھر مجھے عنایت فرمایا۔ میں بیٹھ گئی اور پیالے کو اپنے گھٹنوں پر رکھ لیا۔ تب میں نے اسے گھمانا شروع کیا اور پھر اُسے اپنے ہونٹوں سے لگایا کہ شاید اس طرح اس جگہ کو چھو سکوں جس جگہ سے حضور ﷺ نے پیالے سے پیا تھا۔'' (مسند احمد)

☆ ......حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ کی غمگساری، محبت والفت کے لطیف ترین جذباتِ جانثاری کے ساتھ خدمت کی، اس کی مثال ملنی مشکل ہے۔ صدیقہ رضی اللہ عنہا تعلیماتِ اسلامی کے معاشرتی، عائلی اور تہذیبی پہلوؤں کی سب سے بڑی معلمہ تھیں۔ حضور ﷺ کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم متعدد مشکل معاملات و مسائل میں

آپ رضی اللہ عنہا کی جانب رجوع کرتے تھے اور ام المومنین رضی اللہ عنہا مناسب ترین حل تجویز فرما دیا کرتی تھیں۔

سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا علمی، ادبی، تاریخی علوم کی ماہر تھیں۔ عربی زبان کے اشعار زبان پر برجستہ آجاتے تھے جس سے آپ ﷺ بہت محظوظ ہوتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے بعد شاید سب سے زیادہ احادیث (۲۲۱۰) کی روایت آپ نے کی ہے۔ امت مسلمہ کو آپ رضی اللہ عنہ کی ذات سے متعدد آسانیاں حاصل ہوئیں۔

☆......واقعہ افک میں اللہ تعالیٰ نے قرآن میں صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عصمت وعفت کی گواہی دی۔ (سورہ النور)

☆......سورہ نور میں آپ رضی اللہ عنہ کی پاکبازی اور عصمت وعفت کے حوالے سے متعدد ہدایات حاصل ہوئیں۔

☆......حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں حضور ﷺ پر بار بار وحی کا نزول ہوا۔

☆......آیاتِ تیمم، سیّدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی وجہ سے نازل ہوئیں جن سے امت مسلمہ تا قیامت استفادہ کرتی رہے گی۔

☆......آنحضرت ﷺ نے اپنی پیاری بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ محبت کرنے کی تلقین فرمائی تھی۔ ضرورت ہے کہ ہم اس امر پر خصوصاً غور کریں کہ اس کے پس پردہ رسول اکرم ﷺ کی کیا حکمت ہے؟'____ کہ کچھ لوگ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وجہ سے آپؓ سے خوامخواہ کی پرخاش رکھتے ہیں۔

☆......گوشوارہ نمبر ا کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بیوہ بیٹی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا۔ ان کی عمر ۱۸ سال تھی جبکہ آپ ﷺ کی عمر ۵۶ سال تھی۔ انہوں نے اپنے سابق شوہر کے ساتھ پہلے حبش کی طرف ہجرت کی پھر دوسری ہجرت مدینہ کی طرف کی۔ ان کے خاوند کی شہادت جنگ احد میں ہوئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کی بیوگی سے بہت پریشان تھے۔ انہوں نے چند اکابر

صحابہ (حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ) سے اپنی خواہش کا اظہار کیا لیکن اللہ تعالیٰ کو یہ منظور تھا کہ ان کا نکاح رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہو۔ ۳ ہجری میں آپ ﷺ نے نکاح کرلیا اور فرمایا کہ عثمان کو حفصہ رضی اللہ عنہا سے بہتر بیوی (آنحضرت کی دوسری صاحبزادی) اور حفصہ رضی اللہ عنہا کو عثمان سے بہتر شوہر مل گیا۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا بہت عبادت گزار اور روزہ دار خاتون تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہ سے ساٹھ احادیث کی روایت ملتی ہے جن کا تعلق اسلام کی معاشرتی زندگی اور حضور ﷺ کی عائلی زندگی سے ہے۔

☆ ......حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے بعد آنحضور ﷺ کی پانچویں بیوی ام المساکین حضرت زینب رضی اللہ عنہا بنت خزیمہ تھیں۔ ان کے پہلے تین نکاح ہو چکے تھے اور وہ بیوہ تھیں عمر ۳۰ سال تھی۔ ان کے تیسرے شوہر حضرت عبداللہ بن جحش جنگ احد میں شہید ہو گئے تو آپ ﷺ نے ان سے نکاح کرلیا لیکن نکاح کے ۲۔ ۳، ماہ بعد انتقال کر گئیں۔ وہ بے حد فیاض، حق پرست اور خدا ترس خاتون تھیں۔

☆ ......حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح چار ہجری میں ہوا وہ بیوہ تھیں۔ ان کے شوہر حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ جنگ احد میں شدید زخمی ہو کر شہید ہو گئے تھے۔ انہوں نے پہلے حبش کی جانب ہجرت کی، پھر مکہ واپس آ گئے اور جب ہجرت مدینہ کا حکم آیا تو پھر دوسری بار مدینہ کی جانب ہجرت کی۔ کفار مکہ نے ان کے بچے چھین لیے اور سیّدہ رضی اللہ عنہا پر بہت ظلم ڈھائے۔ وہ سال بھر روتی رہیں لیکن مدینہ آ کر شوہر کا بھی انتقال ہو گیا۔ ان کا یوں بے یار و مددگار رہنا بہت سوہانِ روح حادثہ تھا۔ انہوں نے اور ان کے شوہر نے اسلام کی خاطر بہت صعوبتیں اور تکالیف برداشت کی تھیں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ان کی خدمات اور تکالیف دور کرنے کے لیے ان سے نکاح کرلیا اور ان کے بچوں کو کفالت میں لے لیا۔ ام المومنین بہت زیرک و دانا شخصیت کی مالک تھیں۔ ان سے ۳۷۸، احادیث کی روایت ثابت ہے۔ ذیقعدہ ۶ ھ میں حضور ﷺ کو

رویائے صادقہ کے ذریعے حج کرنے کا اشارہ ہوا۔حضور ﷺ کا یہ دستور تھا کہ جہاد/کسی دوسری بناء پر سفر میں ایک بیوی ہمراہ ہوتی تھیں جن کا نام بذریعہ قرعہ اندازی نکالا جاتا تھا کہ سب ازواج کے حقوق برابر تھے! اس موقعہ پر ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن میں سے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا آپ کے ہمراہ تھیں۔انہوں نے اس موقع پر کس عقلمندی اور ذہانت کا ثبوت دیا۔وہ ذیل کے واقعے سے واضح ہوتا ہے۔

آپ ﷺ نے ایک بڑی جماعت کو لے کر حج کے حرام مہینوں میں عمرہ کرنے کا ارادہ کیا چودہ سو افراد تیار ہوئے۔کفارِ مکہ نے آپ ﷺ کو اپنے دیگر ہمراہیوں اور قربانی کے اونٹوں کو دیکھنے نیز گفت وشنید کے بعد ایک معاہدے پر رضامند ہوئے جسے صلحِ حدیبیہ کہتے ہیں۔۔۔۔اس موقعہ پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بھی مکہ میں بات چیت کے لیے بھیجا گیا۔ کفار نے انہیں روک لیا جس پر یہ مشہور ہو گیا کہ شاید انہیں شہید کر دیا گیا ہے۔اس پر حضور ﷺ نے موجود صحابہ سے بیعت لی کہ وہ عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا بدلہ لیں گے۔یہ بیعتِ رضوان کہلاتی ہے جس پر ان تمام لوگوں کے لیے آخرت میں اللہ کی رضا اور خوشنودی کی خوش خبری دی گئی، جو اس بیعت میں شامل تھے۔بعد ازاں شہادت عثمان کی خبر غلط ثابت ہوئی۔معاہدے کی شرائط، اگرچہ یکطرفہ نوعیت کی تھیں جس پر تمام صحابہ بالخصوص حضرت عمر رضی اللہ عنہ بہت پریشان تھے۔

جب معاہدہ ہو چکا تو حضور ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نحر (اونٹ ذبح کرنے) اور حلق (سر منڈوانے) کا حکم دیا۔صحابہ کرام کی موجود جماعت اس وقت اس قدر غمزدہ تھی کہ کسی نے کوئی حرکت نہیں کی۔دوبارہ یہ حکم ہوا تو بھی کوئی حرکت نہیں ہوئی۔۔۔۔ حضور ﷺ کو یہ دیکھ کر نہایت صدمہ ہوا۔آپ ﷺ اپنے خیمے میں تشریف لے گئے اور ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے شکایتاً کہا کہ نمعلوم لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ میرے متعدد مرتبہ کہنے پر عملدرآمد نہیں ہوا۔ام المومنین رضی اللہ عنہن نے عرض کی کہ تمام لوگ غم واندوہ کی وجہ سے تعمیل حکم نہیں کر سکے۔اس لیے آپ ﷺ خود سبقت فرمائیں۔آپ ﷺ نے ایسا ہی کیا۔اس

عملی اقدام نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جادۂ اطاعت پر یک لخت بحال کر دیا ____ اور جب اس معاہدے کے فوائد دین کی توسیع و اشاعت کی شکل میں ظاہر ہوئے تو سورہ الفتح نے مزید خوش خبری دی۔

اب ہم حضور ﷺ کی عائلی زندگی کے ایک ایسے پہلو کا مطالعہ کریں گے جس سے آج کے دور کا انسان یہ اندازہ ہی نہیں کر سکتا کہ عرب کے اس قبائلی اور جاہل معاشرے میں یہود، منافقین اور کفار مکہ کی ریشہ دوانیوں کا ایک شخص تن تنہا مقابلہ کر رہا ہے۔ مکہ کی زندگی کے تیرہ سال جس طرح گزرے، ان کا تو ذکر کیا، مدینہ میں تو حالات اس سے بھی زیادہ دگرگوں تھے۔ یہاں یہودی عورتوں نے زہر دینے کی کوشش کی، یہود نے آپ پر پتھر پھینکنے اور قتل کرنے کی سازشیں کیں اور جب ان تمام حادثات سے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو محفوظ رکھا تو انہوں نے چند ایسی سازشوں اور حرکتوں کا آغاز کر دیا جو ایک شریف الطبع انسان برداشت ہی نہیں کر سکتا لیکن یہ اللہ کے آخری نبی ﷺ کا حوصلہ تھا کہ وہ ان تمام چالوں اور ہتھکنڈوں سے نہ صرف خود محفوظ رہے۔ بلکہ اس دعوت اور مشن کو بھی نہایت خوش اسلوبی سے کامیابی سے ہمکنار کر پائے۔ اس ضمن میں جہاں اللہ تعالیٰ کی تمام تر مدد اور نصرت اپنے نبی ﷺ کو حاصل تھی وہاں امہات المومنین رضی اللہ عنہن نیز دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وصحابیات رضی اللہ عنہن کا کردار بھی بحیثیت مجموعی بہت من موہنا اور قابل تقلید ہے کہ ان سب نے بھی ان واقعات پر جس تحمل، وفاداری اور فرمانبرداری کا ثبوت دیا، وہ بھی ہم امتیوں کے لیے ایک مشعل راہ ہے کہ ان کی کوششوں کو اللہ رب العزت نے قبول فرمایا اور رسول اکرم ﷺ کے وصال کے بعد جو کامیابیاں خلفائے راشدین کے ادوار میں اسلام کو ہوئیں وہ اس امر کا منہ بولتا ثبوت ہے کہ:

ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ماست!

''دنیا کے نقشے پر برکات قیام اسلامی کا سلسلہ تاابد نقش رہے!''

مدینہ میں عائلی زندگی اور چند پریشان کن واقعات

اللہ کے رسول ﷺ کی قیادت میں جس دعوت کا آغاز فاران کی چوٹیوں سے ہوا تھا، وہ قافلہ ۱۳ سال تک مکہ کے در و دیوار سے مایوس ہو کر حکم ربانی کے تحت ہجرت کر کے اب مدینہ میں فروکش ہو چکا تھا۔ حضور اکرم ﷺ نے جس انداز میں آ کر انصار مدینہ میں مواخاۃ کے ذریعے اوس وخزرج کو باہم شیر و شکر کیا، وہ تاریخ کا ایک محیر القول واقعہ ہے۔ دوسری جانب یہود اور دیگر قبائل کے ساتھ جس انداز میں ایک دستور کے ذریعے تعاون و اشتراک کی منصوبہ بندی کی، وہ بھی اپنی جگہ ان خداداد صلاحیتوں کا بھرپور اظہار تھا اور یہ سب کچھ معجزاتی انداز میں ہجرتِ مدینہ کے ابتدائی چند سالوں کی بات تھی کہ دشمنانِ دین اور مشرک قبائل کو چند مشترک مقاصد کے لیے اکٹھا کر دیا کہ وہ سب آپ ﷺ کی قیادت پر اتفاق کر بیٹھے۔

اس دور میں یکے بعد دیگرے متعدد ایسے واقعات پیش آئے جن کی وجہ سے نہ صرف رسول اللہ ﷺ اور خانوادۂ نبی ﷺ کو نہایت ہی دل شکن حالات اور پریشانی کا سامنا کرنا پڑا بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی ایسے اعصاب شکن حالات سے گزرنا پڑا کہ اگر حضور ﷺ کی تعلیم و تربیت کے نتیجے میں ان کی زندگیاں صیقل نہ ہو گئی ہوتیں تو بعید نہیں کہ مکہ کے تیرہ سالہ قیام اور ہجرتِ مدینہ کے فوراً بعد کی گئی تمام تر کوششیں ناکام ہو جاتیں۔ اس ضمن میں ہم بالترتیب درج ذیل واقعات کا ذکر کریں گے اور سید مودودی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر سورۂ نور، سورۂ الاحزاب اور دیگر کتب سیرت سے استفادہ کرتے ہوئے اپنے مطالعاتی سفر کو جاری رکھیں گے۔

① پہلا واقعہ افک ہے جس کا ذکر سورۂ نور (شعبان ۵ھ) میں ہے۔

② دوسرا واقعہ سورۂ الاحزاب (شوال ۵ھ) کا ہے۔ جس میں نکاحِ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا ذکر ہے۔ اسی سورہ میں حضور کی خانگی زندگی کے معاملات کے موضوع پر دو

مسائل کا ذکر ہے:

(الف) پہلا مسئلہ مطالبہ نان ونفقہ سے متعلق تھا جبکہ

(ب) دوسرا مسئلہ یہ تھا کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح سے پہلے آپ کی چار بیویاں موجود تھیں، حضرت سودہ رضی اللہ عنہا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا، ام المومنین حضرت زینب رضی اللہ عنہا، آپ ﷺ کی پانچویں بیوی تھیں اس پر مخالفین نے اعتراض اٹھایا اور مسلمانوں کے دلوں میں بھی اس سے شبہات ابھرنے لگے کہ دوسروں کے لیے تو بیک وقت چار سے زائد بیویاں رکھنا ممنوع ٹھہرایا گیا ہے۔ مگر خود نبی ﷺ نے یہ پانچویں بیوی کیسے کر لی؟

③ تیسرے واقعہ کا تعلق سورۂ التحریم میں آیاتِ تخیر سے ہے۔

ذیل کی ان سطور کو تحریر کرنے سے مقصود اس جانب اشارہ کرنا ہے کہ جب دشمنانِ دین کو اس امر کا شعور ہو گیا کہ اسلام ایک قوت کے طور پر عالم عرب (اور مستقبل کی بھی) کی تقدیر بن چکا ہے تو پھر انھوں نے جہاں اسلام کو بزور مٹانے کی اپنی کوششوں کو جاری رکھا، وہاں مخفی انداز میں ایسی کارروائیاں بھی شروع کر دیں جن کا مقصد تحریک اسلامی کے قائد اور دیگر مسلمانوں کے لیے مشکلات اور مسائل کے ایسے پہاڑ کھڑے کر دینا تھا جن کی بنا پر ان کی توجہ اور کوشش کا رخ اصل مقصد سے ہٹا کر، ان مسائل کو حل کرنے کی جانب مبذول کرایا جائے۔ دنیا میں باطل قوتوں کا یہ ایک بہت ہی پرانا حربہ رہا ہے اور یہود و نصاریٰ (بالخصوص یہود) کو اس قسم کے حالات پیدا کرنے کا دیرینہ تجربہ تھا۔ سید ابو الاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ علیہ (۱۹۹۹) نے اپنی تفسیر سورۂ نور اور نعیم صدیقی (۱۹۷۸) اور مولانا صفی الرحمن (۱۹۷۶) نے اپنی کتب میں ان واقعات کی تفصیل بیان کی ہے۔ ذیل کے صفحات میں ہم ان اہل علم کی تحریروں سے اخذ کر کے اہم ترین معلومات پیش کر رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ہمارے دینی لٹریچر میں سیرتِ طیبہ کے اس قسم کے خاندانی اور گھریلو واقعات پر اُس انداز میں روشنی نہیں ڈالی گئی جس سے نسل نوجوان ایسے واقعات اور ان کے پس منظر کے

مضمرات سے آگاہ ہوسکتی اور یوں موجودہ دور میں یہود و ہنود اور نصاریٰ کے اس قسم کے ہتھکنڈوں کا انہیں شعور حاصل نہیں ہوسکا۔ ان میں سے بعض تہذیب حاضر کی چکا چوند روشنی سے متاثر و مغلوب ہوکر ان من مانے نتائج کو قبول کر لیتے ہیں جو اعدائے دین کا مقصد ہوتا ہے اور کچھ لوگ بربنائے عقیدت خاموشی سے ان سے کوئی سبق اپنی زندگی میں حاصل نہیں کر پاتے ـــــ یہ دونوں صورتیں امت کی نوجوان نسل کے لیے انتہائی مہلک ہیں۔ آج ضرورت اس امر کی ہے کہ قرآن اور سیرتِ رسول ﷺ کے ایسے واقعات (جس میں عائلی زندگی از قسم پردہ نیز معیشت از قسم سود اور حرمت شراب اور ردِ قادیانیت وغیرہ شامل ہیں) کے بارے میں محراب و منبر سے اور میڈیا، پرنٹ و الیکٹرانک نیز سوشل میڈیا کی ہمہ اقسام کے ذریعے ان مسائل پر تفصیلاً معلومات پیش کی جائیں کہ:

دل مردہ ، دل نہیں ہے ، اسے زندہ کر دوبارہ
کہ یہی ہے امتوں کے مرضِ کہن کا چارہ!
(اقبالؒ)

واقعۂ افک:

یہ واقعہ حضور ﷺ کی عائلی زندگی پر خوفناک ترین حملہ تھا جو شعبان ۵ ھ میں غزوۂ مصطلق سے واپسی پر واقع ہوا۔ اس واقعے کی تفصیل صاحب تفہیم القرآن (سید مودودی رحمۃ اللہ علیہ کے قلم سے) سے پڑھنے کے لائق ہے۔ ہم اس کے چیدہ چیدہ واقعات نہایت اختصار کے ساتھ ذیل میں درج کررہے ہیں:

☆......''جنگ بدر کی فتح سے عرب میں تحریک اسلامی کا جو عروج شروع ہوا، وہ اب اس مرحلے تک پہنچ گیا تھا کہ جنگ خندق کے خاتمے پر ہی نبی ﷺ نے اعلان فرمادیا: اس سال کے بعد اب قریش تم پر چڑھائی نہیں کریں گے بلکہ تم ان پر چڑھائی کرو گے ـــــ یہ گویا اس امر کا اعلان تھا کہ مخالف اسلام طاقتوں کی قوتِ اقدام ختم ہوچکی ہے، اب اسلام بچاؤ کی نہیں بلکہ اقدام کی لڑائی لڑے گا اور کفر کو اقدام کی بجائے

بچاؤ کی لڑائی لڑنی پڑے گی۔''

☆ ......سید مودودی رحمۃ اللہ علیہ نے مزید لکھا کہ: ''اسلام کے اس روز افزوں عروج کی اصل وجہ مسلمانوں کی تعداد نہ تھی۔ اس عروج کی وجہ مسلمانوں کے اسلحہ کی برتری بھی نہ تھی۔ معاشی طاقت اور اثر و رسوخ کے اعتبار سے مسلمانوں کا ان سے کوئی مقابلہ نہ تھا ــــ ان حالات میں جو چیز مسلمانوں کو برابر آگے بڑھائے لیے جارہی تھی، وہ دراصل مسلمانوں کی اخلاقی برتری تھی جسے تمام دشمنانِ اسلام خود بھی محسوس کر رہے تھے۔''

☆ ......مولانا مودودی رحمۃ اللہ علیہ نے وضاحت فرمائی کہ: ''کمینہ خصلت لوگوں کا خاصہ ہوتا ہے کہ جب وہ دوسرے کی خوبیاں اور اپنی کمزوریاں صحیح طور پر دیکھ لیتے ہیں تو انہیں یہ فکر لاحق نہیں ہوتی کہ اپنی کمزوریاں دور کریں بلکہ وہ اس فکر میں لگ جاتے ہیں کہ جس طرح بھی ہو سکے ان کے اندر بھی اپنے جیسی کمزوریاں پیدا کر دیں اور یہ نہ ہو سکے تو کم از کم اس کے اوپر خوب گندگی اچھالیں تاکہ دنیا کو اس کی خوبیاں بے داغ نظر نہ آئیں۔''

☆ ......''چونکہ یہ خدمت باہر کے دشمنوں کی نسبت خود مسلمانوں کے اندر کے منافقین زیادہ اچھی طرح انجام دے سکتے تھے، اس لیے بالارادہ یا بلا ارادہ طریق کار یہ قرار پایا کہ مدینہ کے منافقین اندر سے فتنہ اٹھائیں اور یہود و مشرکین باہر سے اس کا زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں۔

☆ ......''شعبان ٦ ھ میں نبی ﷺ کو اطلاع ملی کہ بنی المصطلق (قبیلہ بنی خزاعہ کی ایک شاخ) مسلمانوں سے لڑنے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ یہ اطلاع پاتے ہی حضور ﷺ ایک لشکر لے کر ان کی طرف روانہ ہو گئے۔ اس مہم میں عبداللہ بن ابی بھی منافقوں کی ایک بڑی تعداد لیکر آپ ﷺ کے ساتھ شامل ہوا۔ اس سے پہلے کسی جنگ میں منافقین اس کثرت سے شامل نہ ہوئے تھے۔''

☆......آنحضرت ﷺ نے اچانک دشمن کو جالیا اور تھوڑی سی مزاحمت کے بعد تمام قبیلے کو مال اسباب سمیت گرفتار کرلیا۔

☆......اس ضمن میں سید مودودی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں وہ تمام واقعات تحریر کیے ہیں جو اس غزوہ سے واپسی سے لے کر ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر الزام لگانے نیز سیّدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو اس تمام واقعے کا علم ہونے تک واقع ہوئے۔ مناسب ہے کہ ان تمام واقعات کو ان کی تفسیر سورۂ نور سے براہ راست پڑھا جائے۔

☆......غزوۂ بنو مصطلق سے کامیابی کے ساتھ واپسی پر ایک روز حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے غلام اور قبیلہ خزرج کے ایک حلیف کے درمیان پانی پر جھگڑا ہو گیا۔ ایک نے انصار کو پکارا، دوسرے نے مہاجرین کو آواز دی۔ لوگ دونوں طرف سے جمع ہو گئے تاہم معاملہ رفع دفع ہو گیا۔

☆......عبداللہ بن ابی نے جو انصار کے قبیلہ خزرج سے تعلق رکھتا تھا بات کا بتنگڑ بنا دیا اور انصار اور مہاجرین میں لڑائی کے لئے بہت سی نازیبا باتیں کیں۔ تاہم جب حضور ﷺ تک یہ خبر پہنچی تو آپ ﷺ نے اس مقام سے کوچ کا حکم دیا تاکہ لوگ چہ میگوئیاں نہ کر سکیں!

☆......''ابھی یہ شوشہ تازہ ہی تھا کہ اس سفر میں اس نے ایک اور خطرناک فتنہ اٹھا دیا ــــــ یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت کا فتنہ تھا''

☆......سید مودودی نے اس تمام واقعہ کو صدیقہ رضی اللہ عنہا کی زبان سے روایت کیا ہے۔ طریق کار کے مطابق اس غزوہ پر امہات المومنین میں سے آپ ﷺ کے ساتھ جانے کے لیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قرعہ نکلا ــــــ واپسی پر مدینے کے قریب آپ ﷺ نے پڑاؤ کیا۔ سیّدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ ''صبح سویرے کوچ کے وقت میں رفع حاجت کے لئے گئی۔ واپسی پر میرا گلے کا ہار ٹوٹ کر گر پڑا میں اس کی تلاش میں لوٹی، یوں دیر ہو گئی۔''

☆ ......''قاعدہ یہ تھا کہ کوچ کے وقت میں اپنے ہودے میں بیٹھ جاتی تھی جسے چار آدمی اٹھا کر اونٹ پر رکھ دیتے تھے ـــــ میرا ہودہ اٹھاتے وقت لوگوں کو محسوس ہی نہ ہوا کہ میں اس میں نہیں ہوں''

☆ ......''میں جب ہار لے کر پلٹی تو وہاں کوئی نہ تھا۔ آخر میں چادر اوڑھ کر لیٹ گئی اور مجھے نیند آ گئی۔ صبح کے وقت صفوان بن معطل سلمی نے وہاں سے گذرتے ہوئے جب مجھے دیکھا تو ان کی زبان سے بے ساختہ انا للہ وانا الیہ راجعون نکلا ـــــ ''رسول اللہ ﷺ کی بیوی یہاں رہ گئیں'' ـــــ اس پر میری آنکھ کھل گئی ـــــ انہوں نے اپنا اونٹ میرے پاس بٹھا دیا۔ میں اس پر بیٹھ گئی اور وہ اس کی نکیل پکڑ کر روانہ ہو گئے ـــــ دوپہر کے قریب ہم نے لشکر کو جا لیا ـــــ ابھی تک لشکر والوں کو اس بات کا علم بھی نہ ہوا تھا کہ میں پیچھے چھوٹ گئی ہوں ـــــ تاہم عبداللہ بن ابی نے بہتان اٹھا دیا مگر میں اس سے بے خبر تھی!''

☆ ......''مدینے پہنچ کر میں بیمار ہوگئی اور ایک ماہ تک پلنگ پر پڑی رہی ـــــ تاہم تمام شہر میں چہ میگوئیاں ہوتی رہیں ـــــ رسول اللہ ﷺ تک بھی یہ تمام خبریں پہنچیں۔ جس سے ان کی پریشانی ایک امر واقعہ تھی''

☆ ......''تاہم اس دوران مجھے یہ محسوس ہوا کہ آپ ﷺ کی توجہ میری طرف اتنی نہ تھی جتنی کہ بیماری کی حالت میں ہوا کرتی تھی ـــــ اس سے مجھے شبہ ہوتا تھا کہ کوئی بات ضرور ہے ـــــ آخر میں آپ ﷺ سے اجازت لے کر اپنے والدین کے گھر آ گئی۔''

☆ ......''ایک رات میں حاجت کے لئے مدینے کے باہر گئی (کہ اس وقت تک گھروں میں بیت الخلا نہ تھے) میرے ساتھ مسطح بن اثاثہ کی ماں بھی تھیں ـــــ (مسطح بھی ان لوگوں میں شامل تھے جو بہتان پھیلا رہے تھے) راستے میں ان کو ٹھوکر لگی تو انہوں نے اپنے بیٹے کو بددعا دی۔ میں نے کہا کہ تم بدری بیٹے کو کوستی ہو ـــــ

انہوں نے مجھے تمام واقعے سے آگاہ کیا___ میں رنج کی وجہ سے انہی قدموں واپس لوٹ آئی!''

☆...... ادھر رسول اللہ ﷺ نے، حضرت علی رضی اللہ عنہ، اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے مشورہ کیا___ اسامہ رضی اللہ عنہ نے آپ رضی اللہ عنہا کی بھلائی کی گواہی دی۔حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آپ ﷺ ان کی جگہ دوسری بیوی کر سکتے ہیں تاہم لونڈی کو بلا کر مزید تحقیق کر لیں۔لونڈی نے بھی ام المومنین رضی اللہ عنہا کے بارے میں کلمات خیر کہے۔

☆......اسی روز رسول اللہ ﷺ نے خطبہ میں لوگوں سے فرمایا ''مسلمانو! کون ہے جو اس شخص کے حملوں سے میری عزت بچائے'' ___ ''بخدا میں نے نہ تو اپنی بیوی میں کوئی برائی دیکھی ہے اور نہ اس شخص میں جس کے متعلق تہمت لگائی جاتی ہے'' ___ اس پر اوس وخزرج کے سرداروں کے درمیان جھگڑا ہونے لگا تو حضور ﷺ منبر سے اتر گئے!

☆......سید مودودی نے لکھا کہ عبداللہ بن ابی نے یہ شوشہ چھوڑ کر بیک وقت کئی شکار کرنے کی کوشش کی___ اس موقع پر اگر اسلام اپنے پیروؤں کی کایا نہ پلٹ چکا ہوتا تو مہاجرین اور انصار اور خود انصار کے دو قبیلے (اوس وخزرج) آپس میں لڑ مرتے!

☆......سورہ النور میں معاشرتی زندگی کی اصلاح کے لئے متعدد تفصیلی احکامات دینے کے بعد (جن کا مطالعہ اس سورہ سے کیا جا سکتا ہے)۔تاہم، ہم اس واقعہ کا اختتام بھی صدیقہ رضی اللہ عنہا کی زبان سے ہی نقل کرنا چاہتے ہیں۔سید مودودی نے واضح کیا کہ ''درج ذیل واقعات کسی ایک روایت کا ترجمہ نہیں بلکہ حدیث وسیرت کی کتابوں میں جتنی روایتیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس سلسلے میں مروی ہیں ان سب کو جمع کر کے ہم نے ان کا خلاصہ نکال لیا ہے''

''اس بہتان کی افواہیں کم وبیش ایک مہینے تک شہر میں اُڑتی رہیں۔نبی ﷺ سخت اذیت میں مبتلا رہے۔میں روتی رہی۔میرے والدین انتہائی پریشانی

اور رنج وغم میں مبتلا رہے۔ آخر کار ایک روز حضور ﷺ تشریف لائے اور میرے پاس بیٹھے۔ اس پوری مدت میں آپ ﷺ کبھی میرے پاس نہ بیٹھے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور ام رومان رضی اللہ عنہا (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی والدہ) نے محسوس کیا کہ آج کوئی فیصلہ کن بات ہونے والی ہے۔ اس لیے وہ دونوں بھی پاس آ کر بیٹھ گئے۔ حضور نے فرمایا: عائشہ مجھے تمہارے متعلق یہ خبریں پہنچی ہیں۔ اگر تم بے گناہ ہو تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری برأت ظاہر فرمادے گا اور اگر تم کسی گناہ میں مبتلا ہوئی ہو تو اللہ سے توبہ کرو اور معافی مانگو۔ بندہ جب اپنے گناہ کا معترف ہو کر توبہ کرتا ہے تو اللہ معاف کر دیتا ہے۔ یہ بات سن کر میرے آنسو خشک ہو گئے''

''یہ بات سن کر میں نے اپنے والد سے عرض کیا، آپ ﷺ رسول اللہ کی بات کا جواب دیں۔ انہوں نے فرمایا: بیٹی! میری کچھ سمجھ ہی میں نہیں آتا کہ کیا کہوں۔ میں نے اپنی والدہ سے کہا آپ ہی کچھ کہیں۔ انہوں نے بھی یہی کہا کہ میں حیران ہوں، کیا کہوں۔ اس پر میں بولی آپ لوگوں کے کانوں میں ایک بات پڑ گئی ہے اور دلوں میں بیٹھ چکی ہے۔ اب اگر میں کہوں کہ میں بے گناہ ہوں ____ اور اللہ گواہ ہے کہ میں بے گناہ ہوں ____ تو آپ لوگ نہ مانیں گے، اور اگر خواہ مخواہ ایک ایسی بات کا اعتراف کروں جو میں نے نہیں کی ____ اور اللہ جانتا ہے کہ میں نے نہیں کی ____ تو آپ لوگ مان لیں گے۔ میں نے اس وقت حضرت یعقوب علیہ السلام کا نام یاد کرنے کی کوشش کی مگر یاد نہ آیا۔ آخر میں نے کہا، اس حالت میں میرے لیے اس کے سوا اور کیا چارہ ہے کہ وہی بات کہوں جو حضرت یوسف علیہ السلام کے والد نے کہی تھی کہ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ (اشارہ ہے اس واقعہ کی طرف جب کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے سامنے ان کے بیٹے بن یمین پر چوری کا الزام بیان کیا گیا تھا)۔ یہ کہہ کر

میں لیٹ گئی اور دوسری طرف کروٹ لے لی۔ میں اس وقت اپنے دل میں کہہ رہی تھی کہ اللہ میری بے گناہی سے واقف ہے۔اور وہ ضرور حقیقت کھول دے گا۔ اگر چہ یہ بات تو میرے وہم وگمان میں بھی نہ تھی کہ میرے حق میں وحی نازل ہوگی جو قیامت تک پڑھی جائے گی۔ میں اپنی ہستی کو اس سے کمتر سمجھتی تھی کہ اللہ خود میری طرف سے بولے۔مگر میرا یہ گمان تھا کہ رسول اللہ ﷺ کوئی خواب دیکھیں گے جس میں اللہ تعالیٰ میری برأت ظاہر فرما دے گا۔ اتنے میں یکا یک حضور ﷺ پر دہ کیفیت طاری ہوگئی جو وحی نازل ہوتے وقت ہوا کرتی تھی۔حتیٰ کہ سخت جاڑے کے زمانے میں بھی موتی کی طرح آپ ﷺ کے چہرے سے پسینے کے قطرے ٹپکنے لگتے تھے۔ ہم سب خاموش ہوگئے۔ میں تو بالکل بے خوف تھی مگر میرے والدین کا حال یہ تھا کہ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں، وہ ڈر رہے تھے کہ دیکھئے اللہ کیا حقیقت کھولتا ہے۔ جب وہ کیفیت دور ہوئی تو حضور بے حد خوش تھے۔ آپ ﷺ نے ہنستے ہوئے پہلی بات جو فرمائی تھی وہ یہ تھی کہ مبارک ہو عائشہ رضی اللہ عنہا! اللہ نے تمہاری برأت نازل فرما دی اور اس کے بعد حضور ﷺ نے دس آیتیں سنائیں۔ میری والدہ نے کہا اُٹھو اور رسول اللہ ﷺ کا شکریہ ادا کرو۔ میں نے کہا میں نہ ان کا شکریہ ادا کروں گی نہ آپ دونوں کا! بلکہ اللہ تعالیٰ کا شکر کرتی ہوں جس نے میری برأت نازل فرمائی۔ آپ لوگوں نے تو اس بہتان کا انکار تک نہ کیا۔''

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے کردار کا یہ ایک بہت ہی من موہنا اور اچھوتا کردار ہے کہ بعد ازاں جب کبھی ان کے سامنے حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا جاتا تو آپؓ درگذر فرماتیں۔

تاریخ کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ اصلاحی تحریکوں میں ''شخصیت پرستی'' ایک ایسا

گھناونا جرم ہے جو بسا اوقات اصلاح کے تمام کاموں پر پانی پھیر دیتا ہے۔قرآن وحدیث کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کے بعد کوئی شخص (چاہے وہ دنیا میں کتنے بڑے سے بڑا مقام کا حامل بھی ہو) سے غلطی کا صدور ممکن ہے اور جماعتوں کے قائم رہنے کا اصل الاصول یہ ہے کہ لوگ ہر دم چوکنا اور ہوشیار رہیں کہ کسی بھی بڑے کی شخصیت کے اس قدر احترام اور عقیدت میں مبتلا نہ ہوں کہ ان کی غلطیوں کو بھی صحیح ثابت کرنے کے لیے دلائل دینے لگ جائیں۔تنقید کی چھلنی (قرآن وحدیث) سے گذار کر صرف اس بات پر ہی عمل کیا جائے جس کی ہدایت اس چشمۂ معانی سے ملتی ہو!

واقعہ افک کے سلسلے میں حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ کو جو اپنے اونٹ پر بٹھا کر ام المومنین رضی اللہ عنہا کو لائے تھے پر بھی تہمت لگی تھی جس کا انہیں بہت زیادہ قلق تھا کہ ام المومنین ان کے لیے بمنزلہ ماں کے تھیں۔غم و غصے اور نہایت رنج کے عالم میں انہوں نے حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ پر تلوار سے حملہ کر دیا۔ تاہم لوگوں نے ہر دو حضرات کو علیحدہ کر دیا ـــــ معاملہ حضور ﷺ کی خدمت میں پیش ہوا۔حضرت صفوان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ حسان رضی اللہ عنہ نے مجھے اذیت دی۔ میں نے غصے سے ان پر حملہ کر دیا۔ آپ ﷺ نے حضرت حسان رضی اللہ عنہ کو سمجھایا اور بعد میں صفوان رضی اللہ عنہ کی طرف سے تلوار کے زخم کے بدلے دیت دلوائی!

حضرت حسان رضی اللہ عنہ کا یہ جذبۂ ندامت آخر ایک قصیدے کی صورت میں امڈ پڑا۔جس میں شعر کے پانی سے انہوں نے اپنے ہی لگائے ہوئے دھبے کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے دامنِ پاک سے دھونے کی کوشش کی۔کیا خوب فرمایا:

حِصَانٌ رَزَانٌ مَا تُضَنُّ بِرِيْبَةٍ
وَتُصْبِحُ غَرْثٰى مِنْ لُحُوْمِ الْغَوَافِلِ
مُهَذَّبَةٌ قَدْ طَيَّبَ اللّٰهُ خِيْمَهَا
وَطَهَّرَهَا مِنْ كُلِّ سُوْءٍ وَّبَاطِلِ

فَاِنَّ الَّذِیْ قَدْ قِیْلَ لَیْسَ بِلَائِطٍ
وَلٰکِنَّہٗ ، قَوْلُ امْرِیٍٔ بِیْ مَا حِلِ

''وہ ایک عفت مآب خاتون ہیں۔ پردہ نشین، ہر شک وشبہ سے بالاتر، وہ اس سے پاک ہیں کہ بھولی بھالی عورتوں کے عزت وناموس سے تعرض کریں۔ وہ شائستہ اطوار ہیں۔ خدا نے ان کو مزاج کے لحاظ سے نکھارا، اور نتھارا ہے اور ان کو گناہ اور باطل سے پاک کیا ہے، وہ جو کچھ کہ اب تک کہا جا چکا ہے وہ موصوفہ پر چسپاں ہونے والا ہرگز نہیں ہے، وہ تو ایک ایسے شخص کی کہی ہوئی بات تھی، جس نے میرے سامنے نمک مرچ لگا کر اور جھوٹ گھڑ کر چغل خوری کی تھی۔''

نکاح حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا

اب ہم حضرت زینب رضی اللہ عنہا اور حضرت زید رضی اللہ عنہ کے نکاح کا مطالعہ کریں گے۔ چونکہ مستشرقین (جو زیادہ تر یہودی ہیں) اور عیسائی پادریوں نے بہت زیادہ شوروغوغا اس شادی کے بارے میں مچایا ہے۔ اس موضوع کا مطالعہ کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ مستشرقین کے اس پروپیگنڈے کی آواز نے بہت سے مسلمانوں کو بھی متاثر کیا ہے۔ لیکن ہم آغاز ہی میں اس امر کو واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ ہمارا نقطہ نظر کسی صورت بھی معذرت خواہانہ نہیں۔ ہمارا موقف اس حقیقت پر مبنی ہے کہ ہمیں تاریخی حقائق کا مطالعہ اس طرح کرنا چاہیے جس طرح وہ تاریخ کے صفحات میں بیان ہوئے ہیں، کسی کی طرف سے بھی ترمیم، اضافے یا حاشیہ آرائی کے بغیر۔ مزید ہم اس امر پر بھی زور دینا چاہتے ہیں کہ اگر حضور ﷺ، اللہ کے نبی تھے اور انہوں نے اسلام ''خود ایجاد'' نہیں کیا تھا (جیسا کہ اہل مغرب کو سمجھایا گیا ہے) تب ہمیں اس حقیقت کو ماننا پڑے گا کہ حضور ﷺ پر وحی (قرآن) جس صورت میں نازل کیا گیا ہے، اس میں ان کی اپنی مرضی اور ارادے کو کوئی دخل حاصل نہ تھا۔

اس موضوع کی نزاکت اور اہمیت کے پیش نظر ہم اس بارے میں تفہیم القرآن سے سورہ الاحزاب آیات ۳۶ کی تفسیر سے استفادہ کرتے ہوئے نہایت مختصر انداز میں گفتگو کریں گے۔

☆......آنحضرت ﷺ کی ساتویں شادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا بنت جحش سے ہوئی جبکہ ان کی عمر ۳۵ سال تھی۔ آپ رضی اللہ عنہا، حضور ﷺ کی عم زاد بہن تھیں اور اولین اسلام لانے والوں میں شامل تھیں۔

☆......اس شادی کا تعلق عربوں کی ایک قدیم ترین رسم (منہ بولے بیٹے کی بیوی سے نکاح کا حرام ہونے) کے توڑنے سے تھا۔

☆......آپ ﷺ نے یہ رشتہ حضرت زید رضی اللہ عنہ کے لیے خود تجویز کیا تھا حتیٰ کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ کی طرف سے حق مہر بھی آپ ﷺ نے خود ادا فرمایا تھا۔

☆......حضرت زید رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے غلام تھے لیکن آپ ﷺ نے انہیں اپنا منہ بولا بیٹا بنالیا تھا جب زید رضی اللہ عنہ نے آزاد ہو کر اپنے باپ اور چچا کو کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا اور حضور ﷺ کے ساتھ رہنا پسند کیا تھا۔

☆......منافقین اور کفار مکہ (بعد ازاں یہود و نصاریٰ اور ماضی قریب میں مستشرقین) نے اس پر بہت شور وغل مچایا۔ اس کی دو وجوہات تھیں:

اولاً: منہ بولے بیٹے کی بیوی سے (بعد از طلاق) شادی کرنا کہ یہ امر عرصہ دراز سے عرب میں معیوب رسم سمجھی جاتی تھی۔

ثانیاً: حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ساتھ شادی کرنے سے چار بیویوں سے زائد شادی کرنے کی عام پابندی، جو تمام مسلمانوں کے لیے قرآن کی عائد کردہ تھی، ٹوٹ گئی تھی۔

☆......معاملہ بہت سادہ ہے ــــــ یہ بات اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضور ﷺ

کے لیے طے ہوئی تھی۔ اس لیے کفار ومشرکین کا حضور ﷺ پر مختلف الزامات لگانا قابلِ فہم نہیں۔امر واقعہ یہ ہے کہ عم زاد ہونے کے ناطے اس امر کا کوئی امکان نہیں کہ آپ ﷺ نے انہیں پہلے نہ دیکھا ہو۔ ان کے بچپن سے لیکر جوانی تک کا تمام زمانہ حضور ﷺ کے سامنے گزرا تھا۔

☆......تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا بھی پہلے پہل اس رشتے سے راضی نہ تھیں کہ ان کا تعلق قریش کے معزز ترین قبیلے سے تھا جبکہ زید رضی اللہ عنہ ایک آزاد کردہ غلام تھے۔ (حالانکہ ان کا تعلق بھی عرب کے ایک معزز قبیلے سے تھا لیکن غلام بنا کر فروخت کردیئے گئے تھے)۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے دیگر رشتے دار بھی اس پر راضی نہ تھے۔

☆......لیکن اللہ تعالیٰ نے سورہ الاحزاب (آیت ۳۶) میں فرمایا:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللهُ وَرَسُوْلُهٗ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ اللهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا۔

''کسی مؤمن مرد اور کسی مؤمن عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول ﷺ کسی معاملے کا فیصلہ کردے تو پھر اُسے اپنے معاملے میں خود فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل رہے۔ جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے تو وہ صریح گمراہی میں پڑ گیا۔''

☆......اس حکم خداوندی کے سامنے انہوں نے سرِتسلیم خم کردیا اور حضرت زید رضی اللہ عنہ کے ساتھ شادی ہوگئی ـــــ لیکن یہ رشتہ بہت دیر تک نہ نبھ سکا اور حضرت زید رضی اللہ عنہ نے انہیں طلاق دیدی ـــــ باوجود اس امر کہ حضور ﷺ نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو ایسا نہ کرنے کا مشورہ بھی دیا۔ (سورہ الاحزاب: ۳۷)

☆......جیسا کہ بتایا گیا کہ ''عرب میں منہ بولے بیٹے کو حقیقی بیٹے اور بھائی

کے برابر سمجھا جاتا تھا اسے وراثت ملتی تھی۔ اس سے منہ بولی ماں اور منہ بولی بہنیں وہی خلا ملا رکھتی تھیں جو حقیقی بیٹے اور بھائی سے رکھا جاتا ہے کہ اس کے ساتھ منہ بولے باپ کی بیٹیوں کا اور اس باپ کے مر جانے کے بعد اس کی بیوہ کا نکاح اس طرح ناجائز سمجھا جاتا تھا جس طرح سگی بہن اور حقیقی ماں کے ساتھ کسی کا نکاح حرام ہوتا ہے اور یہی معاملہ اس صورت میں بھی کیا جاتا تھا جب منہ بولا بیٹا مر جائے یا اپنی بیوی کو طلاق دیدے۔ منہ بولے باپ کے لیے وہ عورت سگی بہو کی طرح سمجھی جاتی تھی۔'' (سید مودودی ۲۰۰۰ء)

☆...... یہ معاملہ کسی ایک عورت سے شادی کا ہوتا تو شاید اس پر اس قدر شور و غل نہ برپا ہوتا لیکن معاملہ چونکہ حضور ﷺ کی ذات کا تھا جن کے خلاف (یہود و نصاریٰ کے) پروپیگنڈہ کرنا بہت ضروری تھا اور معاملہ منہ بولے بیٹے کی صدہا سالہ رسم سے تھا، اس لیے شور و غل کا طوفان اٹھا دیا گیا۔

☆...... سید مودودی رحمۃ اللہ علیہ نے منہ بولے بیٹے کی رسم کو جاری رکھنے کے مضمرات اور عواقب کا تفصیلاً جائزہ لیتے ہوئے واضح کیا کہ یہ رسم قدم قدم پر نکاح، طلاق اور وراثت کے ان قوانین سے ٹکراتی تھی جو سورہ البقرہ اور سورۃ النساء میں اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمائے تھے ـــــ نیز سب سے بڑھ کر یہ کہ اسلامی قانون جن بداخلاقیوں کا سدباب کرنا چاہتا تھا یہ رسم ان کے پھیلنے میں مددگار تھی۔ اس لیے ان تمام قوانین کا تقاضا تھا کہ متبنیٰ کو حقیقی اولاد کی طرح سمجھنے کے تخیل کا قطعی استیصال کر دیا جائے۔

☆...... تاہم یہ تخیل محض قانونی طور پر ختم نہیں ہوسکتا تھا صرف یہ کہہ دینے سے کہ ''منہ بولا رشتہ کوئی حقیقی رشتہ نہیں ہے۔'' اس لیے ناگزیر تھا کہ یہ رسم عملاً توڑی جائے اور خود رسول اللہ اس کو توڑیں۔

☆...... اللہ کے رسول ﷺ، عرب میں اس رسم کے مضمرات کو سمجھتے تھے،

اس لیے آپ ﷺ نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا کہ وہ طلاق نہ دیں تا کہ آپ ﷺ حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح نہ کرسکیں۔

☆......اللہ تعالیٰ نے سورہ الاحزاب: ۴۔۵ میں واضح کر دیا۔

وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَ كُمْ اَبْنَآئَكُمْ ... اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ۔

''اور نہ اُس نے تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارا حقیقی بیٹا بنایا ہے......منہ بولے بیٹوں کو اُن کے باپوں کی نسبت سے پکارو۔ یہ اللہ کے نزدیک زیادہ منصفانہ بات ہے۔''

اس حکم کی تعمیل میں سب سے پہلے جو اصلاح نافذ کی گئی وہ یہ تھی کہ نبی ﷺ کے منہ بولے بیٹے زید کو زید رضی اللہ عنہ بن محمد ﷺ کی بجائے ان کے حقیقی باپ کی نسبت سے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کہنا شروع کر دیا گیا (سید مودودیؒ:۱۹۹۹ء)۔ چونکہ اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر ﷺ سے یہ خدمت لینا چاہتا تھا، اس لیے قرآنِ کریم (سورۃ الاحزاب، آیت نمبر: ۳۷) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَ تُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ وَ تَخْشَى النَّاسَ ۚ وَ اللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُ ؕ فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ؕ وَ كَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ۝

''اس وقت آپ ﷺ اپنے دل میں جو بات چھپائے ہوئے تھے اسے اللہ کھولنا چاہتا تھا، آپ ﷺ لوگوں سے ڈر رہے تھے، حالاں کہ اللہ اس کا زیادہ حق دار ہے کہ آپ ﷺ اس سے ڈریں۔ پھر جب زید رضی اللہ عنہ اس سے اپنی حاجت پوری کر چکا تو ہم نے اس (مطلقہ خاتون) کا تم سے نکاح کر دیا۔ تا کہ مومنوں پر اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے معاملے میں کوئی تنگی نہ

رہے، جب کہ وہ ان سے اپنی حاجت پوری کر چکے ہوں۔ اور اللہ کا حکم تو عمل میں آنا ہی چاہیے تھا۔''

درج بالا آیات کا یہ حکم کہ ''ہم نے اس مطلقہ خاتون کا نکاح تم سے کر دیا۔'' اس بارے میں واضح ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے یہ شادی کسی ذاتی خواہش کی بنا پر نہ کی تھی، بلکہ یہ حکم الٰہی تھا۔

احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ حضور ﷺ نے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو کہا کہ وہ جا کر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو نکاح کا پیغام دیں۔ پس حضرت زید رضی اللہ عنہ آپ کے پاس گئے اور کہا کہ: ''اے زینب رضی اللہ عنہا! خوش ہو جاؤ کہ پیغمبر خدا ﷺ نے تمھیں نکاح کا پیغام بھیجا ہے۔ انھوں نے جواب دیا کہ: ''میں اپنے اللہ کے حکم/ اجازت کے بغیر کوئی کام نہیں کرتی، پس وہ اٹھیں اور نماز ادا کی۔ تب یہ آیت نازل ہوئی کہ: ''جب زید رضی اللہ عنہ اس سے اپنی حاجت پوری کر چکا تو ہم نے اس (مطلقہ خاتون) کا نکاح آپ ﷺ سے کر دیا۔'' (سورۃ الاحزاب، آیت نمبر: ۳۷)۔ تب رسول خدا ﷺ ان کے گھر تشریف لے گئے۔

اس شادی پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ: ''اللہ کی رحمتیں ہوں زینب رضی اللہ عنہا بنت جحش پر، انھیں دنیا میں وہ مقام اور مرتبہ حاصل ہوا جو کسی دوسرے کو نصیب نہیں ہوا ـــــ یعنی اللہ تعالیٰ نے اُن کا نکاح اپنے پیغمبر ﷺ سے خود کر دیا۔ اور اس امر کو قرآنِ کریم میں درج فرما دیا۔ مزید یہ کہ ایک دن پیغمبر ﷺ خدا نے فرمایا جب ہم لوگ اُن کے پاس بیٹھے تھے کہ ''تم میں سے سب سے جلدی میرے ساتھ ملنے والوں میں وہ ہوگا جو سب سے زیادہ غنی اور اللہ کے نام پر خرچ کرنے والا ہے، اور پھر حضور ﷺ نے یہ خوشخبری انھیں سنائی کہ وہ میرے ساتھ سب سے پہلے ملیں گی اور جنت میں میری بیوی ہوں گی۔'' اس امر کی صراحت شاید ضروری ہو کہ یہ انعام انھیں عطا ہوا تھا، اللہ اور رسول ﷺ کے حکم کی تعمیل کرنے کی وجہ سے۔ وہ، اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضور ﷺ کی بیوی ان آیات کی وجہ سے بنیں جو قرآن میں درج ہیں اور جنھیں لوگ قیامت تک پڑھتے

رہیں گے۔ یہ ایک بہت اعلیٰ اور منفرد اعزاز تھا جو انھیں ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن میں حاصل ہوا تھا اور وہ اُس پر اللہ تعالیٰ کا بجا طور پر شکر ادا کرتی تھیں اور دیگر ازواج رضی اللہ عنہن نبوی ﷺ کے سامنے فخریہ انداز میں کہا کرتی تھیں کہ ''تمہارے اہلِ خانہ نے تم سب کی شادیاں طے کیں، لیکن میری شادی اللہ تبارک وتعالیٰ نے آسمانوں میں طے کر دی۔''

ان تصریحات سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس اہم ترین سماجی مسئلے کی اصلاح اپنے پیغمبر ﷺ کے ذریعے کرائی جو کہ ایک بہت بڑی تبدیلی تھی اور جو کسی اور ذریعے سے حاصل نہ کی جا سکتی تھی۔ ضروری ہے کہ حضور ﷺ کی عائلی زندگی کے اس اہم ترین واقعہ سے امتِ مسلمہ کو جو راہ نمائی ملتی ہے، ہم اس پر غور کریں۔

☆......سب سے پہلی بات جو ہمیں اس واقعے سے پتہ چلتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل ایک عام مسلمان تو کجا خود رسول ﷺ خدا بھی اس پر عمل کرنے کے مکلف تھے۔

☆......حضرت زینب رضی اللہ عنہا نیز ان کے دیگر رشتے داروں نے بھی اس حکمِ ربانی کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیا اور یوں ذات، برادری، دولت، خاندان، نسل، رنگ وغیرہ تمام تعصّبات کی نفی کر دی۔

☆......ہم دیکھتے ہیں کہ آج کے معاشرے میں جن جوڑوں کے ہاں اولاد نہیں ہوتی، وہ ہسپتال یا کسی عزیز/رشتے دار سے بچہ لے کر پال لیتے ہیں۔ لیکن اس ہدایت سے پتہ چلتا ہے کہ ایسے بچے کو اپنے سے منسوب نہیں کرنا چاہیے جیسا کہ سید مودودی رحمۃ اللہ علیہ نے سورہ الاحزاب کی آیت نمبر ۵ کی تشریح میں واضح کیا کہ: ''ان آیات کے نازل ہونے کے بعد زید رضی اللہ عنہ بن محمد ﷺ کی بجائے زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ کہا جانے لگا۔''

ازواجِ مطہرات کا مطالبہ توسیعِ نفقہ

سطورِ بالا میں واضح کیا گیا ہے کہ مدینہ میں آ کر بھی حضور ﷺ کو چین نصیب نہ ہو سکا۔ یہود اور منافقین نے اپنی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے آپ ﷺ کو ہمہ وقت

پریشانی میں الجھائے رکھنے کی ہر ممکن کوششیں کیں۔ اسی زمانے میں دو مسئلے اور بھی توجہ طلب تھے۔ سید مودودی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا: ''پہلا مسئلہ یہ تھا کہ نبی ﷺ اس وقت مالی حیثیت سے انتہائی تنگ حال تھے۔ (مدینہ میں) ابتدائی چار سال تک آپ ﷺ کا کوئی ذریعہ آمدنی تھا ہی نہیں۔ ۴ھ میں بنی نضیر کی جلاوطنی کے بعد ان کی متروکہ زمینوں کا ایک حصہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے آپ ﷺ کی ضروریات کے لیے مخصوص کر دیا گیا تھا مگر وہ آپ ﷺ کے کنبے کے لیے کافی نہ تھا۔ ادھر منصب رسالت کے فرائض اتنے بھاری تھے کہ وہ آپ ﷺ کے جسم اور دل و دماغ کی ساری طاقتیں اور آپ ﷺ کے اوقات کا ایک ایک لمحہ سونتے ڈال رہے تھے اور آپ اپنی معاش کے لیے ذرہ برابر بھی کوئی فکر یا کوشش نہ کر سکتے تھے۔ ان حالات میں جب آپ کی ازواجِ مطہرات خرچ کی تنگی کے باعث آپ کے سکون طبع میں خلل انداز ہوتی تھیں تو اس سے آپ کے ذہن پر دہرا بار پڑ جاتا تھا۔''◆

سید مودودی رحمۃ اللہ علیہ نے سورۂ الاحزاب کی آیات نمبر ۲۸ کی تشریح کرتے ہوئے واضح کیا (صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ بن عبداللہ اس زمانے کا ذکر کرتے ہیں) کہ ایک روز حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ دیکھا کہ ازواج مطہرات آپ ﷺ کے گرد بیٹھی ہیں اور آپ ﷺ خاموش ہیں۔ آپ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خطاب کر کے فرمایا:

> ''یہ میرے گرد بیٹھی ہیں جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو۔ مجھ سے خرچ کے لیے روپیہ مانگ رہی ہیں، اس پر دونوں صاحبوں نے اپنی اپنی بیٹیوں کو ڈانٹا اور ان سے کہا کہ تم رسول اللہ ﷺ کو تنگ کرتی ہو اور وہ چیز مانگتی ہو جو ان کے پاس نہیں ہے۔ اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ اس وقت کیسی

◆ اس ضمن میں علامہ شبلی نعمانی اور سید سلیمان ندوی نے بھی اپنی کتاب سیرت النبی ﷺ میں عمدہ تحقیقی گفتگو کی ہے جو پڑھنے کے لائق ہے!

مالی مشکلات میں مبتلا تھے اور کفر و اسلام کی انتہائی شدید کشمکش کے زمانے میں خرچ کے لیے ازواجِ مطہرات کے تقاضے مزاجِ مبارک پر کیا اثر ڈال رہے تھے۔''

تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ مدینہ کی عام عورتیں حضور ﷺ کے گھر آتی جاتی تو تھیں ہی۔ پھر وہ جو کچھ بھی دیکھتی ہوں گی اسے نسائی نفسیات کے مطابق بیان کرتی پھرتی ہوں گی۔ اس طرح اشرار و منافقین کو بخوبی علم رہتا ہوگا کہ حضور ﷺ کے گھر میں کس طرح فقر و فاقہ کا سماں چھایا رہتا ہے۔ حضور ﷺ کی ازواج بڑے بڑے گھرانوں کی خواتین تھیں۔ ان کے ذوق کسی سے کم اونچے نہ تھے۔ لیکن دوسری طرف معاشی حالات جیسے تھے اور جن پر حضور ﷺ دل سے راضی تھے وہ ان کے سابقہ ذہن اور گھریلو نیز خاندانی معیارات سے بہت ہی فروتر تھے۔ حضور ﷺ کے ساتھ ازواج رضی اللہ عنہن بھی مسلک صبر پر گامزن تھیں اور ان کو خود یہ شعور تھا کہ عالمِ نو کا معمارِ اعظم ﷺ جان جوکھوں کے جس عالم سے گزر رہا ہے۔ اس میں عیش و تنعم کی جنتیں آراستہ نہیں کی جاسکتیں۔ مگر انسان پھر انسان ہے اور انسان ہمیشہ ان خواہشات وجذبات کے درمیان گھرا رہتا ہے جنہیں اس کی فطرت میں گوندھ دیا گیا ہے۔ دوسری طرف ازواجِ مطہرات ایمان و اخلاق کے لحاظ سے عالی مرتبت ہونے کے باوجود اور اتحاد و یک جہتی اور مسکینی و حلیمی کا ایک شاندار معیار دنیا کے سامنے پیش کرنے کے باوجود کبھی نہ کبھی باہمی رشک کے جذبات سے ہلکا سا اثر لے سکتی تھیں جو ایک گھر کی رونق بننے والی خواتین کے درمیان ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں قریش کی عورتوں میں شوہروں کی وفاداری و طاعت کی جو کڑی روایات چلی آرہی تھیں ان کے برعکس مدینہ کی عورتیں مردوں کے مقابل میں خاصا زور رکھتی تھیں۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے رعب وتمکنت والے مردِ عظیم نے مدینہ کے دور میں ایک بار اپنی زوجہ محترمہ کو ڈانٹا تو انہوں نے آگے سے جواب دیا، اس پر حیرت سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ''تم مجھے جواب دیتی ہو؟'' اسی موقع پر ان کو اندازہ ہوا کہ معاشرہ کی ازدواجی زندگی میں مکہ کی

روایات پر مدینہ کی فضا کا اثر خاصا پڑ چکا ہے۔''!

مولانا شبلی نعمانی (۱۹۶۸) کی سیرت النبی ﷺ سے پتہ چلتا ہے کہ: ایک ایسی عورت ام جلدح جس کا پارٹ یہ تھا کہ وہ ازدواج مطہرات کو بھڑکایا کرتی تھی۔ اسی طرح کی عورتوں کی مدد سے افک کی چنگاری سے شعلے اٹھائے گئے تھے۔ ان میں سے سب سے بڑا واقعہ ازواج کا وہ متحدہ مظاہرہ تھا جس کا مدعا توسیع نفقہ تھا۔ خدا کا فضل خاص تھا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پورے اخلاص کے ساتھ حضور ﷺ کا پہلو مضبوط کیا اور اپنی صاحبزادیوں کی ہمت افزائی کرنے کے بجائے ان کو سختی سے منع کیا جس کا ذکر درج بالا سطور میں کیا گیا۔ ادھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے چیلنج آ گیا کہ:

''اے پیغمبر! اپنی بیویوں سے کہہ دیجیے کہ اگر تم کو دنیاوی زندگی اور اس کی زینت وآرائش مطلوب ہوتو (وہ اس گھر میں نہیں ملے گی) آؤ میں تم کو رخصتی کے جوڑے دے کر بطریق احسن رخصت کر دوں۔ اور اگر تم کو خدا، خدا کا رسول اور آخرت کا ٹھکانہ مطلوب ہے تو خدا نے نیکوکار خواتین کے لیے بڑا ثواب مہیا کر رکھا ہے۔'' (احزاب:۲۸)

درج بالا احکامات کی روشنی میں ازواج کو فوراً تنبہ ہو گیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو حضور ﷺ نے سب سے پہلے بالا خانے سے اُتر کر اس خدائی فیصلے سے آگاہ کیا اور انہی نے سب سے پہلے اعلان کیا کہ میں سب کچھ چھوڑ کر خدا اور رسول ﷺ کو لیتی ہوں ان کے بعد تمام ازواج نے اپنے مطالبہ سے شرح صدر کے ساتھ دست برداری کر لی۔

اصطلاح میں اس کو تخییر کہتے ہیں یعنی بیوی کو اس امر کا اختیار دینا کہ وہ شوہر کے ساتھ رہنے یا اس سے جدا ہو جانے کے درمیان کسی ایک چیز کا خود فیصلہ کر لے۔ اسلامی فقہ میں تخییر دراصل تفویض طلاق کی حیثیت رکھتی ہے یعنی شوہر اس ذریعہ سے بیوی کو اختیار دیتا ہے کہ چاہے تو اس کے نکاح میں رہے ورنہ الگ ہو جائے۔ اس مسئلہ میں قرآن وسنت سے استنباط کر کے فقہاء نے بہت سے احکام بیان کیے ہیں جن کی تفصیل سید مودودی رحمۃ اللہ علیہ اور

دیگر تفاسیر سے دیکھے جاسکتے ہیں۔

امت کی عائلی زندگی کے لیے سورۂ الاحزاب کی راہ نمائی: اجمالی جائزہ

قرآن میں حضور ﷺ کی عائلی زندگی کے حوالے سے بہت سے احکامات نازل ہوئے جس میں واقعہ افک، واقعہ تخییر اور ایلاء نیز تعددِ ازواج (بالخصوص نکاح حضرت زینب رضی اللہ عنہا) امت مسلمہ کے لیے، قیامت تک کے لیے ہدایت وراہ نمائی کا ذریعہ بنے۔ اگرچہ ان تمام واقعات کے بارے میں تفصیلات مختلف مقامات پر زیر بحث آچکی ہیں، تاہم ضروری محسوس ہوتا ہے کہ ایک اجمالی جائزہ ان تمام احکاماتِ الٰہی کا دوبارہ لیا جائے جو موجودہ امت مسلمہ کے مردوزن، جوان وبوڑھے کے عمل کرنے کے لیے ضروری ہیں۔

(الف) سورہ الاحزاب میں معاشرتی زندگی کے حوالے سے جو احکام نازل ہوئے وہ درج ذیل ہیں:

☆......''قوانینِ نکاح وطلاق قریب قریب مکمل ہو گئے۔ وراثت کا قانون بنا۔ شراب اور جوئے کو حرام قرار دیا گیا۔ معیشت اور معاشرت کے دوسرے بہت سے پہلوؤں میں نئے ضابطے نافذ کئے گئے۔''

☆......''حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے واقعے کو جس طرح کفار اور منافقین نے تصنیف کیا اور یہ افسانے مسلمانوں کی زبان پر بھی چڑھنے سے نہ رکے یہ اس امر کی کھلی ہوئی علامت تھی کہ معاشرے میں شہوانیت کا عنصر حد اعتدال سے بڑھا ہوا تھا۔ یہ ٹھیک موقعہ تھا جبکہ اسلامی معاشرے میں ان اصلاحی احکام کے نفاذ کی ابتدا کی گئی جو''حجاب''(پردے) کے عنوان سے بیان کیے جاتے ہیں۔ ان اصلاحات کا آغاز اس سورہ سے کیا گیا اور ان کی تکمیل ایک سال بعد سورہ نور میں کی گئی جب کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر بہتان کا فتنہ کھڑا ہوا۔''

(سید مودودی:۱۹۹۹)

☆......امہات المومنین کے مطالبہ توسیع نان ونفقہ پر واضح طور پر بتا دیا گیا کہ وہ رسول ﷺ کی ازواج رضی اللہ عنہن کے شرف سے بہرہ یاب رہنے یا دنیا اور اس کی زینت میں سے کسی ایک کا انتخاب کرلیں۔

☆......''ازواج مطہرات کو حکم دیا گیا کہ وہ تبرجِ جاہلیہ سے پرہیز کریں۔ وقار کے ساتھ اپنے گھروں میں بیٹھیں۔ غیر مردوں کے ساتھ بات چیت کرنے میں سخت احتیاط ملحوظ رکھیں ـــــ یہ پردے کے احکام کا آغاز تھا۔''

☆......سورۂ الاحزاب آیت ۵۰۔ ۵۲۔ میں نبی ﷺ کے لیے نکاح کا خاص ضابطہ بیان کیا گیا ہے۔اس میں یہ بات واضح کردی گئی کہ حضور ﷺ ان متعدد پابندیوں سے مستثنیٰ ہیں جو ازدواجی زندگی کے معاملہ میں عام مسلمانوں پر عائد کی گئی ہیں۔

☆...... نبی ﷺ کے گھروں میں غیر مردوں کی آمد و رفت پر پابندی، ملاقات اور دعوت کا ضابطہ۔ ازواج مطہرات کے بارے میں یہ قانون کہ گھروں میں صرف ان کے قریبی رشتہ دار آسکتے ہیں، باقی رہے غیر مرد، تو انہیں اگر کوئی بات کہنی ہو یا کوئی چیز مانگنی ہو تو پردے کے پیچھے سے کہیں یا مانگیں۔ نبی ﷺ کی ازواج رضی اللہ عنہن کے بارے میں یہ حکم کہ وہ مسلمانوں کے لیے ماں کی طرح حرام ہیں اور حضور ﷺ کے بعد بھی ان میں سے کسی کے ساتھ کسی مسلمان کا نکاح نہیں ہوسکتا۔

☆......اُن چہ میگوئیوں پر سخت تنبیہ کی گئی ہے جو نبی ﷺ کے نکاح اور آپ کی خانگی زندگی پر کی جا رہی تھیں اور اہل ایمان کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ دشمنوں کی اس عیب چینی سے اپنے دامن بچائیں اور اپنے نبی ﷺ پر درود بھیجیں۔ نیز یہ تلقین بھی کی گئی ہے کہ نبی تو درکنار اہل ایمان کو تو عام مسلمانوں پر بھی تہمتیں لگانے اور الزامات عائد کرنے سے کلی اجتناب کرنا چاہیے۔

☆......اسی ضمن میں معاشرتی اصلاح کا جو تیسرا قدم اُٹھایا گیا۔ اس میں تمام مسلمان عورتوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ جب گھروں سے باہر نکلیں تو چادروں سے اپنے آپ کو ڈھانک کر اور گھونگٹ ڈال کر نکلیں۔

انسانی زندگی میں حلت وحرمت

حضور ﷺ کی عائلی زندگی کے حوالے سے ہی مزید ان متعدد احکامات کا بھی ہمیں علم ہوتا ہے جن کا ذکر سورہ التحریم (جو مدینہ منورہ میں ۷ھ یا ۸ھ کے دوران کسی وقت نازل ہوئی) سے ہوتا ہے۔ اس سورت میں رسول اکرم کی ازواجِ مطہرات کے حوالے سے چند مہمات مسائل پر روشنی ڈالی گئی ہے جو قیامت تک کے لیے نافذ العمل ہونے تھے۔ تفصیلات کے لیے ہم اپنے قارئین کو مشورہ دیں گے کہ وہ تفہیم القرآن میں اس سورت کا مطالعہ کریں۔ تاہم چند چیدہ چیدہ نکات درج ذیل ہیں۔

☆......قرآن کریم میں سورت التحریم کا آغاز ہی ان الفاظ سے کیا گیا ہے:

''اے نبی، تم کیوں اس چیز کو حرام کرتے ہو جو اللہ نے تمہارے لیے حلال کی ہے؟ (کیا اس لیے کہ) تم اپنی بیویوں کی خوشی چاہتے ہو؟ ......اللہ معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔''

سید مودودی رحمۃ اللہ علیہ نے تشریح کی کہ ''یہ دراصل استفہام نہیں بلکہ ناپسندیدگی کا اظہار ہے'' ......''مزید یہ کہ آپ ﷺ کی بیویوں نے یہ چاہا تھا کہ آپ ایسا کریں اور آپ نے محض ان کو خوش کرنے کے لیے ایک حلال چیز اپنے لیے حرام کر لی تھی'' ــــــ مزید صراحت کرتے ہوئے سید مودودی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا کہ درج بالا فقرے کا مقصد صرف حضور ﷺ کو تحریم حلال پر ٹوکنا نہیں تھا بلکہ ساتھ ساتھ ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کو بھی اس بات پر متنبہ کرنا تھا کہ انہوں نے ازواج رضی اللہ عنہن نبی ہونے کی حیثیت سے اپنی نازک ذمہ داریوں کا احساس نہ کیا اور حضور ﷺ سے ایک ایسا کام کرا دیا جس سے ایک حلال چیز کے

حرام ہونے کا خطرہ پیدا ہوسکتا تھا۔''

☆......''اگرچہ یہاں یہ نہیں بتایا گیا کہ وہ کیا چیز تھی جسے حضور ﷺ نے اپنے اوپر حرام کیا تھا لیکن محدثین ومفسرین نے اس ضمن میں دو مختلف واقعات کا ذکر کیا ہے پہلا حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کا ہے اور دوسرا واقعہ یہ کہ آپ نے شہد استعمال نہ کرنے کا عہد کیا تھا۔''

اس کتاب میں کسی جگہ بتایا گیا ہے کہ صلح حدیبیہ کے بعد مختلف بادشاہوں کو اسلام کی دعوت دینے کے لیے خطوط لکھے گئے تھے جس میں اسکندریہ کے رومی بطریق (Patriach) (جسے عرب مقوقس کہتے ہیں)، بھی شامل تھا۔ اس باب میں بتایا جاچکا ہے کہ ان دو لڑکیوں میں سے جو مقوقس نے آپ ﷺ کی خدمت میں بھیجی تھیں، ماریہ کے ساتھ آپ نے نکاح کرلیا۔ یہ خاتون نہایت خوبصورت تھیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کے بارے میں کہا کہ مجھے کسی عورت کا آنا اس قدر ناگوار نہ ہوا جتنا ماریہ رضی اللہ عنہا کا آنا ہوا تھا کیونکہ وہ حسین و جمیل تھیں اور حضور ﷺ کو پسند آئی تھیں۔

☆...... احادیث سے اخذ کرتے ہوئے سید مودودی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا کہ: ''ایک روز حضور ﷺ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے مکان میں تشریف لے گئے اور وہ گھر پر موجود نہ تھیں۔ اس وقت حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے پاس وہاں آگئیں اور تخلیہ میں آپ ﷺ کے ساتھ رہیں۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو یہ بات ناگوار گزری اور انہوں نے حضور ﷺ سے اس کی سخت شکایت کی۔ اس پر آپ ﷺ نے ان کو راضی کرنے کے لیے ان سے یہ عہد کرلیا کہ آئندہ ماریہ رضی اللہ عنہا سے کوئی ازدواجی تعلق نہ رکھیں گے۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے ماریہ رضی اللہ عنہا کو اپنے اوپر حرام کرلیا اور بعض میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ آپ نے اس پر قسم بھی کھائی تھی۔

نسائی (یکے از مجموعہ احادیث از امام نسائی) میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اتنی بات منقول ہے کہ حضور ﷺ کی ایک لونڈی تھی جس سے آپ ﷺ تمتع فرماتے تھے۔ پھر

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ کے پیچھے پڑ گئیں، یہاں تک کہ آپ نے اسے اپنے اوپر حرام کرلیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ اے نبی تم کیوں اس چیز کو حرام کرتے ہو جسے اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے حلال کیا ہے۔

☆...... دوسرا واقعہ بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی اور دوسری متعدد کتب حدیث میں خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جس طرح نقل ہوا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ بالعموم ہر روز عصر کے بعد تمام ازواجِ مطہرات کے ہاں چکر لگاتے تھے۔ ایک موقعہ پر حضرت زینب بنت جحش کے ہاں جا کر زیادہ دیر تک بیٹھنے لگے کہ وہاں کہیں سے شہد آیا ہوا تھا۔ آپ وہاں شہد کا شربت نوش فرماتے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ مجھے اس پر رشک لاحق ہوا اور میں نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا، حضرت سودہ رضی اللہ عنہا اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے مل کر یہ طے کیا کہ جس کے پاس بھی آپ ﷺ آئیں وہ آپ سے یہ کہے آپ کے منہ سے مغافیر نامی پھول کی بساند آتی ہے (شہد کی مکھیاں جن پھولوں سے شہد چوستی ہیں، اس کا ذائقہ اور بو اس میں آجاتی ہے) چونکہ حضور ﷺ کو پسند نہ تھا کہ آپ ﷺ کے اندر کسی قسم کی بدبو پائی جائے۔ اس لیے آپ ﷺ کو حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ہاں ٹھہرنے سے روکنے کی خاطر یہ تدبیر کی گئی جو کارگر ہوئی۔ جب متعدد بیویوں نے آپ ﷺ سے کہا تو آپ ﷺ نے عہد کرلیا کہ اب یہ شہد استعمال نہ کروں گا۔

☆......ہم نے یہ تمام تر تحریر اس لیے نقل کی ہے کہ جہاں آپ ﷺ کی تربیت کے زیر اثر ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کی زندگی نمونہ کی حیثیت رکھتی تھی تاہم انسان کی حیثیت سے ایسے تمام امور سے حضور ﷺ کی اپنی زندگی بھی کسی حد تک متاثر بھی ہوتی تھی۔

یہاں اس امر کی صراحت بھی ضروری ہے کہ اگرچہ آپ ﷺ کے اہم ترین ذمہ دارانہ منصب کے لحاظ سے مناسب نہ تھا کہ از خود بیویوں کو خوش کرنے کے لیے ایک حلال چیز حرام کرلیں لیکن یہ کوئی گناہ بھی نہ تھا کہ اس پر مواخذہ کیا جائے اس لیے اللہ تعالیٰ نے صرف ٹوک کر اس کی اصلاح کر دینے پر اکتفا فرمایا اور آپ ﷺ کی اس لغزش کو معاف

کر دیا تاہم اس تمام واقعہ کا ایک عملی پہلو یہ ہے کہ اس واقعے کی بناء پر وہ قوانین تشکیل پائے جو طلاق، عہد/قسموں وغیرہ کے توڑنے سے متعلق ہیں اور جن کی زندہ معاشروں میں ہمیشہ ضرورت واقع ہوتی رہتی ہے!

قریش کا جذبہ انتقام

تاریخ کا طالب علم، بعثتِ نبوی سے لے کر مکی اور مدنی ادوارِ حیات میں اللہ کے رسول ﷺ پر ظلم وستم کی داستان کو پڑھتے ہوئے حیران رہ جاتا ہے کہ انسانی تاریخ کے کسی دور میں اس قدر بہیمانہ سلوک کسی ایک فرد اور گروہ/ طبقے کے ساتھ بھی روا رکھا گیا تھا۔ زبانی طعن وتشنیع تو ایک طرف، ایذا رسانی کے متعدد اور نت نئے طریقوں کو روا رکھنا، کانٹوں اور غلاظتوں سے جسم انسانی کو ناپاک کر دینا حتیٰ کہ شعب ابو طالب میں کئی سال تک قید وبند کی تکلیفوں سے نہ صرف فرد واحد بلکہ خاندان بنو ہاشم کے بچے، بوڑھے، عورت اور مردوں کا اس قدر انسان سوز بائیکاٹ جس کی تاریخ انسانی میں کوئی مثال نہیں ملتی۔ تاہم مکے کے بعد مدنی زندگی میں منافقین اور یہود کی ریشہ دوانیوں کا بھی اگر جائزہ لیا جائے تو حضور ﷺ کی ازواج رضی اللہ عنہن پر گھناؤنے الزامات لگانا۔ یہ تمام تر ظلم وستم اپنی جگہ لیکن آپ ﷺ کی زندگی میں قریش کے جذبہ انتقام کا کمینگی کی اس حد تک جا پہنچنا شاید اس سے بڑھ کر کسی اور واقعہ سے واضح نہیں ہوسکتا کہ انہوں نے اپنے دل ٹھنڈے کرنے کے لیے حضور ﷺ کی صاحبزادیوں کو ان کے شوہروں سے طلاقیں دلوائیں۔ یہ بڑے ہی زہریلے ڈنک تھے جو ٹھیک محسن انسانیت کے کلیجے پر لگائے گئے تھے۔

> ☆ ...... ''قبل از بعثت، حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا اور ام کلثوم رضی اللہ عنہا، ابولہب کے دو بیٹوں عتبہ اور عتیبہ سے بیاہی ہوئی تھیں۔ ابولہب اس قدر عالی مرتبہ کبھی بھی نہ تھا۔ جب اس کی کرتوتوں کی بناء پر سورۂ لہب نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے اس میں فرمایا کہ: ''ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ گئے'' تو وہ سخت بھنا گیا۔ اس

نے اپنے بیٹوں پر دباؤ ڈال کر اپنے بیٹے عتبہ سے حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کو طلاق دلوائی (جن کا نکاح بعد میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ہوا) دوسرا بیٹا عتیبہ، اپنے بھائی سے بھی زیادہ نکلا اور اپنے باپ کے عین مطابق اس نے نہ صرف حضرت کلثوم رضی اللہ عنہا کو طلاق دیدی بلکہ حضور ﷺ کی شان میں گستاخی بھی کی۔ جس پر آپ ﷺ کی زبان سے بددعا نکلی ــــــ بعد میں اس لڑکے کو باوجود تمام تر حفاظتی اقدامات کے قافلے کے عین درمیان سے ایک شیر نے اس کا سر چبالیا۔

☆......حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد حضور ﷺ نے اپنی ان دوسری صاحبزادی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کر دیا اسی لیے آپ ذوالنورین کہلائے۔

کفار مکہ نے جس طرح ابولہب پر دباؤ ڈال کر اس کے بیٹوں سے طلاق دلوائی تھی، اس طرح انہوں نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے شوہر حضرت ابوالعاص پر بھی زور دیا کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دیدیں تو ان کی شادی بھی کسی حسین ترین عورت جس سے وہ چاہیں، شادی کر دی جائے گی ــــــ انہوں نے اس پیش کش کو رد کر دیا۔

حضور ﷺ نے بعد میں حضرت ابوالعاص کے اس مضبوط کردار کی تعریف کی اور دو بڑے احسانات کئے۔ ایک اس وقت جب وہ جنگ بدر میں قیدی بن کر آئے تو فدیہ میں انہوں نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا اپنی بیٹی (حضرت زینب رضی اللہ عنہا) کو دیا ہوا ہار واپس کر دیا ــــــ پھر جنگ بدر کے بعد جب انہیں بطور احسانِ خاص رہائی دلوائی تو باتوں باتوں میں ان سے وعدہ لیا کہ وہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو مدینہ آنے کا موقعہ دیں گے۔ تاہم یہ بات عام لوگوں سے مخفی رہی۔

چنانچہ سیّدہ رضی اللہ عنہا کی رہائی کے مقررہ وقت پر آپ ﷺ نے دو صحابیوں (حضرت زیدؓ بن حارثہ اور ایک انصاری) کو بھیجا اور انہیں ہدایت فرمائی کہ مکہ سے ۸ میل دوری پر

کسی مقام پر ٹھہر کر انتظار کرنا اور جب حضرت زینب رضی اللہ عنہا وہاں آ جائیں تو بحفاظت انہیں لے آنا۔ ادھر ابوالعاص نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو ان کے دیور (اپنے بھائی) کو ان کے ساتھ علی الصبح بھیجا تو قریش کو خبر ہوگئی ____ کچھ لوگ تعاقب کو نکلے اور ایک شخص نے بپھر کر اونٹ کے ہودج (جس میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا تشریف فرما تھیں) پر تیر چلائے۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا اس وقت امید سے تھیں، اس حادثے سے جنین کا اسقاط ہوگیا تاہم جب ان کے دیور نے بھی تیر کمان درست کر کے انہیں للکارا تو مکہ کے یہ غنڈہ مزاج بہادر پیچھے ہٹ گئے ____ جب ابوسفیان کو خبر ہوئی تو اس نے دور ہی سے حملہ آوروں کو روکا۔ دوسری طرف حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے دیور کو کہا کہ تم نے یہ کیا کیا کہ علی الاعلان اس بی بی کو لیکر مکے سے نکلے جبکہ دشمنی کی اس حد کو تم جانتے ہو جو ہمیں محمد ﷺ کے ساتھ ہے (کمینگی کی حد تک)۔ اس وقت واپس چلو پھر کس وقت چپکے سے لے جانا۔ ❶

ذیل کے صفحات میں ہم آنحضرت ﷺ کی ذاتی عائلی زندگی کے ان واقعات اور احوال کا مطالعہ کریں گے جس کی بناء پر آپ ﷺ کی گھریلو زندگی ایک ایسے خوش گوار ماحول کی عکاسی کرتی ہے کہ باوجود اس تنگی وعسرت (مال و دولت کی فراہمی کے علی الرغم جو میسر آ سکتی تھی) اور متعدد ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کی موجودگی یہ ایک ایسا گھرانہ تھا جس کا ہر فرد ایک دوسرے کے لیے رطب اللسان اور ایثار کا شاہکار تھا۔ تاہم ان تمام کی زندگی، زمانۂ جاہلیت کی عرب سوسائٹی سے تعلق رکھنے کے باوجود، رسول اکرم ﷺ کی راہ نمائی میں ایک ایسا مینارہ نور کی حیثیت اختیار کر گئی تھی جس کی ضوفشانی اور تابانی سے انسانیت بالخصوص طبقہ نسواں قیامت تک استفادہ ہی نہیں کرتی رہے گی بلکہ ان خواتین (صحابیات رضی اللہ عنہن بالخصوص امہات المومنین رضی اللہ عنہن) کے حسن عمل نے طبقہ اناث پر اٹھنے والی

---

❶ کیا یہی ذہن اور مزاج ہمارے ملک کے وڈیروں، سرداروں اور چوہدریوں میں نہیں پایا جاتا کہ وہ کسی کی بہن/ بیٹی کو اغوا کے بعد باز یاب نہیں ہونے دیتے کہ ان کی ''ساکھ'' پر زد پڑتی ہے۔

انگلیوں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے عملاً غلط ثابت کر دیا اور صنفِ نازک کو وہ مقام عطا کر دیا جس پر وہ تا قیامت فخر کر سکتی ہیں ـــــ بلاشبہ اس میں جہاں شوہر (ﷺ) پر درود و سلام نچھاور کرنے کو جی چاہتا ہے، وہاں ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن اور صحابیات رضی اللہ عنہن کے لیے بھی ہر امتی کا رواں رواں رحمت و کرم ایزدی کے لیے دعا گو ہے۔ آیئے ذیل کے صفحات میں اس گھرانے کی چند جھلکیوں سے مشام جان کو معطر کریں: ان تمام تر معلومات کا انحصار سیرت طیبہ کی مختلف کتب کے علاوہ، ہم نے ان احادیث پر کیا ہے جو ہماری مختلف کتب میں شائع ہو چکی ہیں۔ (باب/حوالہ جات)

حضور ﷺ کا ازواجِ مطہرات کے ساتھ حسن سلوک

رسول اکرم ﷺ اپنی گوناں گوں مصروفیات کے باوجود اپنی بیویوں کے ساتھ وقت بھی گزارتے تھے۔ عصر کی نماز کے بعد آپ ﷺ کی تمام ازواج اس گھر میں جمع ہو جاتی تھیں جہاں آپ ﷺ نے رات گزارنی ہوتی تھی۔ اس دوران مختلف گھریلو امور کے علاوہ دینی موضوعات پر گفتگو کے ذریعے راہ نمائی بھی ہوتی رہتی تھی۔ آپ ﷺ تمام ازواج کے ساتھ کھانا کھاتے ـــــ یاد رہے کہ یہ کھانا بمشکل روٹی کے چند ٹکڑوں (جو ضروری نہیں کہ تازہ پکائی گئی ہو) اور چند کھجوروں اور کبھی کبھار بکری کے دودھ پر مشتمل ہوتا تھا۔ سونے سے پہلے آپ ﷺ اپنی بیوی سے بات چیت فرماتے اور اس طرح انہیں سکون واطمینان دلاتے۔

آپ ﷺ باوجود بارِ نبوت کی عظیم ترین اور کٹھن ذمہ داریوں کے، گھریلو امور میں ازواجِ مطہرات کی مدد فرمایا کرتے تھے۔ اس میں بھی نہ صرف ان خواتین کے لیے غور و فکر کا سامان ہے جو اسلام میں عورتوں پر ''سختی'' کی قائل ہیں۔ نیز ان خاوندوں کے لیے بھی ایک بہت بڑا سبق پنہاں ہے جو گھر کے باہر تو بہت ہنس مکھ، ملنسار اور نرم خو ہوتے ہیں لیکن گھر میں داخل ہوتے ہی ان کے تیور بدل جاتے ہیں اور وہ اپنے اوپر ایک ڈکٹیٹر کا سا

موڈ طاری کر لیتے ہیں۔ **وہ نہ صرف گھریلو امور نیز اپنے بچوں کی تعلیم اور ان کی اخلاقی تربیت کے بارے میں یکسر کوئی ذمہ داری نہیں لیتے بلکہ اپنی بیویوں کی معمولی سی غلطی رکوتاہی ر یا بھول چوک پر بہت تلخی اور غصے کے ساتھ بولتے اور ان کی بے عزتی کرنے حتیٰ کہ بعض اوقات مارنے سے بھی نہیں چوکتے۔ اللہ کے رسول ﷺ کا اسوۂ حسنہ ہم سب کو اس امر کا سبق دیتا ہے کہ اپنی بیویوں کے ساتھ حسن سلوک اور محبت کے ساتھ رہیں اور خاندانی امور میں مشاورت اور مل جل کر کام کرنے کی عادت ڈالیں تا کہ بچے بھی اس عمل کو اپنی زندگی کا معمول بنا لیں۔**

سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی ﷺ اپنے گھر والوں کے ساتھ کاموں میں مصروف رہتے تھے پھر جب نماز کا وقت ہوتا تو نماز پڑھنے چلے جاتے۔

قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ مَا كَانَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم يَصْنَعُ فِي بَيْتِهِ قَالَتْ كَانَ يَكُونُ فِي مِهْنَةِ أَهْلِهِ. تَعْنِي خِدْمَةَ أَهْلِهِ. فَإِذَا حَضَرَتِ الصَّلَاةُ خَرَجَ إِلَى الصَّلَاةِ. (بخاری: ٦٧٦)

اس ضمن میں درج ذیل احادیث آپ ﷺ کی زندگی کے دو ایسے من موہنے پہلوؤں کی جانب اشارہ کرتے ہیں کہ:

کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست!

''حسن وخوبی سے آراستہ کوئی عمل (کرشمہ) اپنی تمام تر توجہات اپنی جانب مبذول کرالیتا ہے۔''

☆ ...... خاندانی زندگی میں اکثر ایسے واقعات ہوجاتے ہیں جب زوجین کے درمیان کسی امر پر اختلافِ رائے ہوجاتا ہے۔ صحیح بخاری میں روایت ہے کہ ازواج النبی ﷺ کبھی کبھار آپ ﷺ کو جواب بھی دے لیا کرتی تھیں اور ان میں سے چند آپ ﷺ کے ساتھ کچھ وقت کے لیے ناراض بھی رہتی تھیں (بخاری: ٢٤٦٨،

۴۹۱۳)۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ کہا کہ جاہلیت کے زمانے میں ہم اپنی عورتوں کو کچھ نہیں دیا کرتے تھے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے لیے وراثت میں حصہ مقرر فرما دیا۔ ایک دفعہ میں اپنی بیوی سے کسی معاملے پر بات کر رہا تھا کہ اس نے کہا: ''اگر آپ یوں کر لیتے تو بہتر ہوتا۔'' میں یہ سن کر غصہ میں آ گیا اور اسے کہا: ''کہ تم دین کے معاملات میں کیوں دخل دیتی ہو؟'' اس نے کہا: ''اے ابن الخطاب! یہ بہت عجیب بات ہے کہ آپ میرے مشورے پر ناراض ہو گئے جب کہ آپ کی اپنی بیٹی حضور ﷺ کو جواب بھی دیتی ہے، سارا سارا دن ناراض بھی رہتی ہے۔'' (یہ سنتے ہی) میں نے اپنی چادر کندھے پر ڈالی اور سیدھا حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس گیا اور پوچھا کہ ''اے میری بیٹی کیا یہ صحیح ہے کہ آپ اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ جرح کرتی ہو۔'' انہوں نے کہا: ''کہ ہاں خدا کی قسم ہم رسول خدا ﷺ کو جواب دیتی ہیں۔ اس حدیث سے اللہ کے رسول ﷺ کے اسوۂ حسنہ کا ایک بہت ہی اچھوتا اور نادر عمل ہمارے سامنے آتا ہے جو شادی شدہ زندگی میں میاں بیوی کے درمیان انداز رعنائی کے ایک بہت عجیب پہلو کو واضح کرتا ہے!

☆ ......ایک بار نبی ﷺ اور سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے درمیان کچھ رنجش ہو گئی، یہاں تک کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ثالث بنایا گیا تو آپ ﷺ نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ''عائشہ! پہلے تم اپنا بیان دوں گی یا پہلے میں بات کا آغاز کروں؟'' تو سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ''پہلے آپ ﷺ ہی بات کریں لیکن سچ سچ کہنا۔'' تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کو غصہ آ گیا اور انھوں نے (اپنی بیٹی) عائشہ رضی اللہ عنہا کو تھپڑ رسید کر کے منہ سے خون نکال دیا اور فرمایا: ''اے اپنی جان کی دشمن! کیا نبی ﷺ جھوٹ بول سکتے ہیں؟'' سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پناہ لیتے ہوئے آپ ﷺ کی پیٹھ کے پیچھے چھپ گئیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''ابوبکر رضی اللہ عنہ! ہم نے آپ کو فیصلہ کرنے کے لیے بلایا تھا نہ کہ مار پیٹ کے لیے۔'' اور نبی ﷺ اس کے بعد تحمل اور شفقت و مہربانی سے کام

لیتے ہوئے مسکرانے لگے۔

اسوۂ رسول اور ازواج کے ساتھ سیر و تفریح

اسلام کے بارے میں ایک غلط فہمی یہ بھی پھیلائی گئی ہے کہ یہ انسانی زندگی میں تفریح اور مناسب ہنسی مذاق کو برداشت نہیں کرتا بلکہ ایک زاہدانہ اور راہبانہ طرز زندگی کا مذہب ہے جہاں انسان کے لطیف جذبات کا خیال نہیں رکھا گیا۔ ہمیں نہیں معلوم کہ اس غلط فہمی اور تاثر کی علمی اور عملی حیثیت کیا ہے تاہم اللہ کے رسول ﷺ کی سیرت کے مطالعے سے تو اس امر کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ درج ذیل صفحات میں درج دو احادیث کے مطالعے سے تو اس کی قطعی تردید ہوتی ہے۔

☆ ......ایک حدیث میں ہے کہ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں ابھی لڑکی تھی اور ہلکی پھلکی تھی کہ ایک سفر میں نبی ﷺ کے ساتھ گئی تو آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا: ''تم آگے نکل چلو۔'' (جب صحابہ رضی اللہ عنہم آگے نکل گئے تو) آپ ﷺ نے مجھے فرمایا: ''ہم دونوں دوڑ کا مقابلہ کرتے ہیں۔'' چنانچہ ہم دوڑے تو میں اس دوڑ میں آپ ﷺ سے آگے نکل گئی۔ پھر اس موقع کے بعد اور ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے کچھ عرصہ خاموشی اختیار کی، اسی اثنا میں ایک بار پھر آپ ﷺ کے ساتھ سفر میں ہمرکاب تھی۔ آپ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا: ''تم آگے نکل چلو۔'' (صحابہ آگے نکل گئے تو) آپ ﷺ نے فرمایا: ''آؤ ہم دونوں دوڑ کا مقابلہ کرتے ہیں۔'' اور میں پچھلا واقعہ بھول چکی تھی اور مجھ پر موٹاپا بھی طاری ہو چکا تھا۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! میں ایسی حالت میں آپ ﷺ سے کیسے دوڑ کا مقابلہ کر سکتی ہوں تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''ایسا ضرور کرنا ہوگا۔'' چنانچہ میں دوڑ پڑی اور آپ ﷺ مجھ سے سبقت لے گئے تو آپ ﷺ ہنس کر فرمانے لگے: ''آج کی میری جیت آپ کی پہلی والی جیت کا بدلا ہے۔''

عَنْ عَائِشَةَ ، رَضِيَ اللهُ عَنْهَا أَنَّهَا كَانَتْ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي سَفَرٍ قَالَتْ فَسَابَقْتُهُ فَسَبَقْتُهُ عَلَى رِجْلَيَّ فَلَمَّا حَمَلْتُ اللَّحْمَ سَابَقْتُهُ فَسَبَقَنِي فَقَالَ: "هَذِهِ بِتِلْكَ السَّبْقَةِ۔"

(ابو داؤد:۲۵۷۸)

☆......اسی طرح ایک مرتبہ پتہ چلا کہ گھر سے باہر کچھ حبشی بازیگر کرتب دکھا رہے ہیں۔حضور ﷺ نے خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ:''کیا تم وہ کرتب دیکھنا پسند کروگی؟''___ پسندیدگی کا اظہار کرنے پر آپ ﷺ نے بازیگروں کو اپنے گھر کے سامنے کرتب دکھانے کو کہا۔حضور ﷺ نے اپنا بازو پھیلا دیا اور اپنی ہتھیلی دروازے پر رکھ دی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنی ٹھوڑی، آپ ﷺ کے بازو پر نہایت سکون سے رکھ لی۔ کچھ دیر بعد آپ ﷺ نے پوچھا:''عائشہ رضی اللہ عنہا بس کافی ہے؟''۔ انہوں نے جواب دیا:''خاموش رہیں''۔تھوڑی دیر بعد آپ ﷺ نے پھر پوچھا:''بس کافی ہے'' جواب دیا:''خاموش''___ لیکن جب تیسری دفعہ آپ ﷺ نے پوچھا تو انہوں نے کہا: ''ہاں''اور حبشیوں کی ٹیم حضور ﷺ کے اشارے پر چلی گئی___ آپ ﷺ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ''اللہ تعالیٰ لازماً کسی بدخو شخص کو پسند نہیں کرتے جو لاف زنی کرتا ہو اور اپنی بیوی کے ساتھ تندخو۔''(نسائی:۱۵۹۵،۹۶۔صحیح البخاری:۹۴۹۔۹۵۰)

ازواجِ مطہرات کے ساتھ محبت و مودت کے تعلقات کے بارے میں ہم نے بیویوں کے ساتھ حسن سلوک کے بارے میں جو اشارہ کیا ہے جس میں جو ہدایت پنہاں ہے، اسے اگر حرز جان بنا لیا جائے تو ہماری معاشرتی زندگی میں زوجین کے درمیان اختلافات اور طلاقوں کا جو بڑھتا ہوا رجحان ہے، نہ صرف اس کا تدارک ہوسکتا ہے بلکہ ہماری گھریلو زندگی اس قدر خوشگوار اور اطمینان بخش ہوسکتی ہے۔جس کا اندازہ بھی نہیں کیا جاسکتا۔ذیل میں ہم حضور ﷺ کی اپنی ذاتی زندگی کے واقعات سے یہ واضح کریں گے کہ قرآن کریم میں محبت و مودت، جسے شادی/نکاح کا مقصد وحید بنایا گیا ہے، اس کی

ترجمانی اور عملی اظہار آپ ﷺ نے کس طرح اپنی زندگی میں کیا۔۔۔۔ ضروری ہے کہ آج کی نوجوان نسل (لڑکے اور لڑکیاں) اور شادی شدہ خواتین اس اسوۂ حسنہ سے سبق حاصل کریں اور اپنے مسائل اور دکھ درد، کے اس دام سے جو خود ہماری علمی، عملی کوتاہیوں کا نتیجہ ہے، نکل کر امن وسکون اور محبت ومودت کا سبق حاصل کریں!

نکاح اور شادی بیاہ کے مقاصد میں اہم ترین مقصد جو سورہ الروم میں محبت، مودت اور رحمت کے الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں ہمیں معلوم ہے کہ انہوں نے شادی کے بعد اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ اور مال و دولت کا تمام تر سرمایہ، آپ ﷺ اور دین کی ترویج و اشاعت کے لیے وقف کر دیا تھا۔ اس کا اعتراف حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی حینِ حیات میں یوں فرمایا:

خَيْرُ نِسَائِهَا مَرْيَمُ بِنْتُ عِمْرَانَ وَخَيْرُ نِسَائِهَا خَدِيجَةُ بِنْتُ خُوَيْلِدٍ، قَالَ أَبُو كُرَيْبٍ وَأَشَارَ وَكِيعٌ إِلَى السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ۔

(مسلم: ۲۴۳۰)

''اپنے وقت میں بہترین عورت حضرت مریم عمران کی بیٹی تھیں اور اپنے زمانے کی بہترین عورت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بنت خویلد تھیں ابوکریب نے کہا کہ وکیع نے زمین اور آسمان کی جانب اشارہ کیا۔''

سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مجھے جتنی غیرت خدیجہ رضی اللہ عنہا پر آیا کرتی تھی اتنی غیرت کسی (سوکن) پر کبھی نہیں آئی تھی حالانکہ میں نے انھیں دیکھا تک نہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ ان کا عموماً ذکر فرمایا کرتے تھے اور جب نبی ﷺ کوئی بکری ذبح فرماتے تھے اور اس کا گوشت بناتے تھے تو خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سہیلیوں کے پاس بھی گوشت بھیجا کرتے تھے اور کبھی کبھی میں کہا کرتی تھی یا رسول اللہ ﷺ! گویا دنیا میں خدیجہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ کوئی عورت ہے ہی نہیں؟ تو آپ ﷺ فرماتے: ''ہاں ہاں وہ تو ایسی اور ایسی تھی اور اس کے شکم سے میری اولاد ہوئی۔''

عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ مَا غِرْتُ عَلَى أَحَدٍ مِنْ نِسَاءِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم مَا غِرْتُ عَلَى خَدِيجَةَ، وَمَا رَأَيْتُهَا، وَلَكِنْ كَانَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم يُكْثِرُ ذِكْرَهَا، وَرُبَّمَا ذَبَحَ الشَّاةَ، ثُمَّ يُقَطِّعُهَا أَعْضَاءً، ثُمَّ يَبْعَثُهَا فِي صَدَائِقِ خَدِيجَةَ، فَرُبَّمَا قُلْتُ لَهُ كَأَنَّهُ لَمْ يَكُنْ فِي الدُّنْيَا امْرَأَةٌ إِلَّا خَدِيجَةُ. فَيَقُولُ إِنَّهَا كَانَتْ وَكَانَتْ، وَكَانَ لِي مِنْهَا وَلَدٌ (بخاری:۳۸۱۸)

اگرچہ نکاح کے ذریعے زوجین تمام زندگی ایک دوسرے کا ساتھ دینے کا عہد کرتے ہیں لیکن اسلام کی تعلیمات اس سے زائد کا تقاضا کرتی ہیں۔ اسلامی نقطہ نظر سے یہ کافی نہیں کہ خاوند اپنی بیوی سے محبت کرتا ہے بلکہ اسوۂ حسنہ یہ ہے کہ وہ ہر اس چیز سے محبت کرے جو بیوی کو پسند ہو۔ یہ ضروری ہے کہ بیوی کے اہل خاندان نیز اس کے عزیز و اقارب حتیٰ کہ اس کے ملنے جلنے والی سہیلیوں کے ساتھ بھی محبت و احترام کے جذبات کا مظاہرہ کیا جائے۔ اور وہ بھی آپ کو اسی طرح عزیز ہو جائیں۔ اس ضمن میں بہترین بلکہ دنیائے انسانیت میں واحد مثال درج ذیل حدیث سے ملتی ہے۔

☆ ......حضور ﷺ کو اپنی پہلی بیوی حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے ساتھ اس قدر محبت تھی کہ اس محبت کا دائرہ ان تمام لوگوں تک وسیع و دراز ہو گیا تھا جنہیں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا پسند فرماتی تھیں ــــــ بلکہ رشتوں کی پاسداری کا سلسلہ آپ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد بھی جاری و ساری رہا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد تک آپ ﷺ آپ رضی اللہ عنہا کو ہمیشہ یاد کرتے رہے اور جب بھی آپ ﷺ کو محسوس ہوتا تھا کہ گھر میں آنے والا مہمان جو دروازے پر دستک دے رہا ہے، وہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی بہن حضرت ہالہ رضی اللہ عنہا ہو سکتی ہیں تو آپ ﷺ فرطِ شوق

سے پکار اٹھتے تھے کہ ''اے خدایا! کاش یہ ہالہ رضی اللہ عنہا ہوں!''

(صحیح البخاری:۳۸۱۸، ۳۸۲۱۔صحیح مسلم: ۷۔۲۴۳)

اس واقعے سے ایک خاوند کے اپنی مرحومہ بیوی رضی اللہ عنہا کے بارے میں جن جذباتِ محبت اور پیار کا اظہار ہوتا ہے، وہ احاطہ تحریر میں نہیں لایا جاسکتا البتہ ان کی قدر و قیمت کا اندازہ ایک حساس دل بالخصوص خواتین ہی کر سکتی ہیں ـــــ یہ ایک نبی آخر الزمان ﷺ کا اسوۂ حسنہ ہے جو نہ صرف بکری کے گوشت کا حصہ اپنی مرحومہ بیوی کے عزیزوں/ رشتے داروں بلکہ سہیلیوں تک کے گھروں میں بھیجتے ہیں بلکہ دروازے پر آہٹ/دستک پر بے اختیار دعائیہ کلمات زبان پر آجاتے ہیں کہ خدا کرے یہ ہالہ رضی اللہ عنہا ہوں کہ ان کو دیکھ کر اور باتیں کر کے ماضی کی حسین اور خوش گوار یادوں کو تازہ کر سکیں۔

اے غائب از نظر کہ شدی ہم نشینِ دل
می بینمت ، عیاں ، و دعا می فرستمت!
در راہِ دوست ، فاصلہ قرب و بُعد نیست
می گوئمیت دعا و ثنا می فرستمت

''اے میرے محبوب دوست تو اگرچہ نظروں سے اوجھل ہے تاہم میں تصور میں تجھے اپنی آنکھوں سے دیکھ کر تمہارے لیے دعا کر رہا ہوں۔ دو دوستوں کے درمیان فاصلوں کی دوری اور قربت کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ میں تمہارے لیے دعا کر رہا ہوں اور تمہاری جانب ہدیۂ ثنا (تعریف) بھیج رہا ہوں۔''

ازدواجی زندگی میں بیوی کے ساتھ جنسی لذت کا حصول ازخود ایک پسندیدہ فعل ہے۔ اس ضمن میں ایک حدیث میں، جو صحیح بخاری میں مروی ہے، نہایت ہی لطیف اور فصیح انداز میں اس امر کی جانب توجہ دلائی گئی ہے ـــــ ہماری یہ دیانت دارانہ رائے ہے کہ انسانی تاریخ میں کوئی ایسی ایک مثال بھی ڈھونڈے سے نہیں ملے گی جس میں اس اندازِ رعنائی اور محبت کے ساتھ زوجین کے درمیان تعلق کے موضوع پر بات کی گئی ہو:

عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَرَأَيْتَ لَوْ نَزَلْتَ وَادِيًا وَفِيهِ شَجَرَةٌ قَدْ أُكِلَ مِنْهَا، وَوَجَدْتَ شَجَرًا لَمْ يُؤْكَلْ مِنْهَا، فِي أَيِّهَا كُنْتَ تُرْتِعُ بَعِيرَكَ قَالَ "فِي الَّذِي لَمْ يُرْتَعْ مِنْهَا" تَعْنِي أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم لَمْ يَتَزَوَّجْ بِكْرًا غَيْرَهَا۔ (بخاری:۵۰۷۷)

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! فرمایئے اگر آپ کسی وادی میں اتریں اور اس میں ایک درخت ایسا ہو جس میں اونٹ چر گئے ہوں اور ایک درخت ایسا ہو جس میں سے کچھ بھی نہ کھایا گیا ہو تو آپ اپنا اونٹ ان درختوں میں سے کس درخت میں چرائیں گے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اس درخت میں جس میں سے ابھی چرایا نہیں گیا ہو۔ ان کا اشارہ اس طرف تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے سوا کسی کنواری لڑکی سے نکاح نہیں کیا۔''

موجودہ دور کے مسلم معاشرے میں خاوندوں اور بیویوں کے لیے ایک اور نادر اور اچھوتی مثال اس بات چیت سے سامنے آتی ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے آپ ﷺ نے ایک ماہ کی علیحدگی کے بعد آپ ﷺ کی تشریف آوری کے موقع پر کی۔ یہ وہ موقع تھا جب آپ ﷺ اپنی ازواج سے کسی قدر کبیدہ خاطر ہو گئے تھے۔[1] جب انتیس دن گزر گئے تو آپ ﷺ سب سے پہلے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے۔

---

[1] اشارہ ہے اس واقعے کی جانب جو سورہ التحریم ۶۶:۵۰ کی تفسیر میں بیان ہوا ہے۔ بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اور مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مہینہ تک اپنی بیویوں سے علیحدہ رہنے کا عہد فرمایا تھا اور آپ ﷺ اپنے بالا خانہ میں بیٹھ گئے تھے۔ انتیس دن (۲۹) گزر جانے پر حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آ کر کہا کہ آپ ﷺ کی قسم پوری ہو گئی ہے، مہینہ مکمل ہو گیا۔

آپ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ: ''آپ ﷺ نے تو ہم سے جدائی کا ایک ماہ کا عہد کیا تھا اور آج تو صرف انتیس دن ہی گزرے ہیں؟ میں روزانہ دنوں کی گنتی کرتی رہی ہوں۔ حضور اکرم ﷺ نے جواب دیا کہ ''اس ماہ کے انتیس ہی دن ہیں''۔۔۔۔اس قمری مہینے کے واقعی انتیس دن تھے (صحیح البخاری: ۲۴۶۸)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا حضور ﷺ کو بتانا کہ وہ دنوں کا با قاعدہ حساب رکھتی رہی ہیں، اس سے ان کی حضور ﷺ کے ساتھ غایت درجہ محبت کا پتہ چلتا ہے اور اس امر کا بھی کہ کس طرح دن گن گن کر انہوں نے حضور ﷺ کا انتظار کیا۔۔۔۔ دوسری جانب حضور اکرم ﷺ کا اپنی چہیتی بیوی کے گھر سب سے پہلے آنا بھی اس امر کا ثبوت ہے کہ آپ ﷺ بھی تمام ازواج مطہرات ؓ میں، سب سے زیادہ صدیقہ کائنات ؓ سے ملنے ہی کو بے تاب تھے!۔

ایک دوسرے واقعے سے بھی اس غایت درجہ محبت و الفت کا ثبوت ملتا ہے۔ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عادت تھی کہ وہ جس لمحے حضور ﷺ سے خوش ہوتی تھیں تو محبت کے ایک اچھوتے اور نادر انداز میں پیغمبر اسلام ﷺ کے نام کے ساتھ قسم اٹھانے کا عہد کیا کرتی تھیں اور جب وہ کسی بات پر آپ ﷺ سے اپنی خفگی (کہ یہ بھی زوجین کے درمیان ایک اندازِ دلربائی ہے!) کا اظہار کرنا چاہتی تھیں تو آپ ؓ کا قسم کھانے کا انداز بالکل مختلف ہوتا تھا۔ جسے حضور اکرم ﷺ ہمیشہ پہچان جاتے تھے۔ آپ ﷺ خود اس بات کے راوی ہیں کہ ''میں جان جاتا ہوں کہ تم کس وقت مجھ سے خوش ہوتی ہو اور کس وقت مجھ سے خفا'' سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ایک اندازِ رعنائی سے پوچھا کہ آپ ﷺ کو کس طرح معلوم ہوتا ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ: ''جب تم مجھ سے خوش ہوتی ہو تو کہتی ہو کہ نہیں ''محمد ﷺ کے خدا کے نام پر'' اور جب میرے ساتھ خفگی کا اظہار کرنا ہوتا ہے تو کہتی ہو ''نہیں خدائے ابراہیم علیہ السلام کے نام سے''......صدیقہ طاہرہ رضی اللہ عنہا نے نہایت خوش طبعی سے تسلیم کیا کہ ''ہاں یہ صحیح ہے، لیکن خدا کی قسم اے پیغمبر خدا ﷺ، میں صرف آپ ﷺ کا نام نہیں لیتی!''۔

عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها قَالَتْ قَالَ لِي رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم "إِنِّي لأَعْلَمُ إِذَا كُنْتِ عَنِّي رَاضِيَةً، وَإِذَا كُنْتِ عَلَيَّ غَضْبَى" قَالَتْ فَقُلْتُ مِنْ أَيْنَ تَعْرِفُ ذَلِكَ فَقَالَ "أَمَّا إِذَا كُنْتِ عَنِّي رَاضِيَةً فَإِنَّكِ تَقُولِينَ لاَ وَرَبِّ مُحَمَّدٍ، وَإِذَا كُنْتِ غَضْبَى قُلْتِ لاَ وَرَبِّ إِبْرَاهِيمَ" قَالَتْ قُلْتُ أَجَلْ وَاللهِ يَا رَسُولَ اللهِ، مَا أَهْجُرُ إِلاَّ اسْمَكَ (بخاری:۵۲۲۸ ،مسلم:a/۲۴۳۹)

سیرت طیبہ کے ان واقعات کے عملی مضمرات پر غور کرنے سے ایک مومن مرد اور عورت کا دل اس اندازِ دلربائی پر عش عش کر اٹھتا ہے جس کا نمونہ آپ ﷺ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے امت کی راہ نمائی کے لیے چھوڑا ہے۔ایک خاندان میں چھوٹے موٹے ناخوش گوار واقعات ہوتے رہتے ہیں جن کی بنا پر وقتی طور پر خفگی کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے، بالخصوص بیویوں میں کہ وہ بہت حساس اور نازک طبع واقع ہوتی ہیں اور جبکہ خاوند بھی محمد رسول اللہ ﷺ جیسا محبت کرنے والا شفیق و رحیم ہو تو پھر بیوی کے لیے یہ ایک اندازِ محبت ایک عجیب اندازِ دلربائی اختیار کر لیتا ہے ــــــ ادھر خاوند (ﷺ) کی ذکاوتِ حس کی داد دیجیے کہ:

اب ہم بھی ہوگئے ہیں تیرے رمز آشنا
واں تو نے بات کی کہ ادھر ہم نے پائی بات!

عملی مضمرات کی بات چل پڑی تو برسبیل تذکرہ اس امر کی جانب اشارہ کرنا بھی ضروری ہے کہ ایسے مخلوط خاندان (Extended Families) جہاں خاوند یا بیوی کے ماں باپ یا دیگر بھائی بہن بھی ساتھ رہتے ہوں، وہاں اس قسم کے واقعات اکثر وبیشتر پیش آتے رہتے ہیں کہ کسی وجہ سے خاوند اور بیوی کے کسی عزیز/ والدین کے درمیان کسی بات پر اختلافِ رائے ہو گیا تو ایسی صورت میں بیوی کو کون سا طرزِ عمل اختیار کرنا چاہیے۔خاوند کی تابعداری اور ماں باپ کی فرمانبرداری میں سے کسی ایک کو منتخب کرنا ہو تو کیا کیا جائے؟

ایسی صورت میں کہ جب والدین اور خاوند ایک دوسرے کے مدمقابل ہوں تو بیوی کا فرض ہے کہ وہ خاوند کا ساتھ دے۔ اس موقع پر والدین کے حقوق پس پشت ڈالے جا سکتے ہیں۔ آپ صدیقہ رضی اللہ عنہا (آسمان کے ستاروں سے لاکھوں گنا زیادہ، اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور برکات آپ رضی اللہ عنہا پر ہوں) سے مروی یہ حدیث اس بات کو واضح کرتی ہے کہ ''میں نے حضور ﷺ سے دریافت کیا کہ ایک عورت پر کس کو حق فائق حاصل ہے؟'' حضور ﷺ اکرم ﷺ نے جواب مرحمت فرمایا کہ: ''خاوند کو'' اور میں نے دریافت کیا کہ ایک آدمی پر کس کا سب سے زیادہ حق ہے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ''اس کی ماں کا''!____ دیکھئے کس حسین اور آسان انداز میں ام المومنین نے امت کی عورتوں کی راہ نمائی فرمائی کہ وہ اپنے خاوند کا اتباع کر کے گھریلو زندگی کو خوشگوار بنائیں اور وقتی طور پر ماں باپ کے حکم کو موخر کر دیں!

درج بالا احادیث آپ ﷺ کی خالص نجی، عائلی زندگی کی ایک من موہنی تصویر ہے جس کا اندازہ بھی موجودہ زمانے کے مرد و زن کے لیے کرنا اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے جو دنیاوی زندگی کی دوڑ میں مسابقانہ انداز میں ایسے مصروف ہیں کہ انہیں اس قسم کی تفریح اور گفتگو کے لیے وقت ہی نہیں ملتا۔ ان حسین تصاویر کا مطالعہ کرتے وقت ایک حساس دل سے بے اختیار حضور ﷺ اور آپ ﷺ کی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے لیے سلام و رحمت کے الفاظ نکل جاتے ہیں!

اسوۂ رسول ﷺ کا چمن زار، گونا گوں رنگوں، خوشبو اور مختلف اقسام کے پھولوں کے ایک ایسے مہکتے ہوئے باغ کی مانند ہے جس میں ہر فرد کی انفرادی پسند اور ذوقِ نظر کے مطابق سامان راحت و ہدایت موجود ہے۔ ذیل کی چند احادیث آپ ﷺ کی حسین گھریلو زندگی کی عکاسی کرتی ہیں، ضروری ہے کہ ہر شخص اس سے اپنے مشام جان کو معطر و منور کرے۔ ایک حدیث (ابوداؤد: ۴۹۳۲) میں روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ بہت ہی دل آویز شخصیت کے حامل تھے۔ جس کی وجہ سے آپ ﷺ دیگر تمام لوگوں سے

ممتاز تھے۔

☆......ایک روایت میں ہے کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ خیبر سے واپس ہوئے (یعنی جنگ اختتام پذیر ہوگئی) پھر جب اللہ تعالیٰ نے خیبر کا قلعہ فتح کرا دیا تو آپ ﷺ کے سامنے سیّدہ صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا کے حسن و جمال کا تذکرہ کیا گیا اور ان کا خاوند خیبر میں مارا گیا تھا اور وہ ابھی ابھی دلہن بنی تھیں۔ آپ ﷺ نے سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو اپنی ذات کے لیے منتخب کر لیا۔ آپ ﷺ صفیہ کو لے کر وہاں سے روانہ ہوئے پھر جب ہم صہباء نامی بند پر پہنچے تو وہ حلال ہو چکی تھیں، چنانچہ آپ ﷺ نے ان سے شادی کر لی پھر چھوٹے سے دستر خوان پر مالیدہ رکھ دیا پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''اپنے اردگرد والوں کو اطلاع دے دو۔'' اور نبی ﷺ نے سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کی شادی پر بس یہی ولیمہ کیا تھا۔ پھر ہم مدینہ کی طرف روانہ ہوئے تو میں نے دیکھا کہ نبی ﷺ سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو اپنے پیچھے بٹھائے چادر کا پردہ کیے ہوئے تھے۔ پھر آپ ﷺ اپنے اونٹ کے پاس بیٹھ گئے اور اپنا گھٹنا ٹکا دیا پھر سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا اپنا پاؤں آپ ﷺ کے گھٹنے پر رکھ کر سوار ہوئیں۔ (بخاری:۵۰۸۵ ۲۲۳)

یہ امر آج کے شوہروں کے لیے سبق کا ایک ایسا پہلو اپنے اندر رکھتا ہے جس کی پیروی کرنے سے موجودہ زمانے کے بے شمار گھریلو مسائل اور جھگڑوں کا سد باب ہو سکتا ہے جو زوجین میں سے کسی ایک کی تنگ مزاجی یا جذبہ تفاخر کے باعث جنم لیتے ہیں اور بعض اوقات نہایت خراب نتائج کی صورت میں ختم ہوتے ہیں۔

صحت اور طہارت: اسوۂ رسول ﷺ

اس ضمن میں اس امر کی صراحت بھی ضروری ہے کہ زوجین کے لیے ایک دوسرے کو ذہنی اور جسمانی آسودگی سے ہمکنار کرنے کی خاطر اپنی ظاہری شکل وصورت اور صحت و

تندرستی کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ سے زیادہ کوئی دوسرا فرد اس امر میں آپ ﷺ سے بڑھ کر حساس نہیں تھا۔ سیرتِ طیبہ کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ آپ ﷺ اپنی ذاتی زندگی میں بہت زیادہ صحت وصفائی کا اہتمام فرماتے تھے: جس طرح خاوند چاہتے ہیں کہ ان کی بیویاں ان کے لیے بنی سنوری اور صحت مند رہیں، اسی طرح عورتوں کی بھی یہ فطری خواہش ہوتی ہے کہ ان کے خاوند بھی جسمانی صحت کے اعتبار سے تندرست وتوانا اور خوبصورت نظر آئیں۔ اس ضمن میں بخاری کی روایت (عروہ بواسطہ عطا سے ہے) کہ ''ہم نے سنا کہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، اپنے کمرے میں دانت صاف کر رہے ہیں (صحیح مسلم: ۱۲۵۴) انہوں نے فرمایا کہ ''کبھی ایسا نہیں ہوا کہ حضور ﷺ نے سونے کے بعد جاگنے پر وضو کرنے سے پہلے مسواک سے دانت صاف نہ کیے ہوں۔ (صحیح البخاری: ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹)

حضور ﷺ اپنے دانتوں اور منہ کی صفائی کے بارے میں اس قدر حساس تھے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر مجھے یہ امر امت کے لیے باعث تکلیف معلوم نہ ہوتا تو میں انہیں حکم دیتا کہ ہر نماز سے پہلے مسواک کریں۔'' دانتوں کی صفائی کے بارے میں آپ ﷺ کی نفاست طبع کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ اپنی رحلت سے کچھ پہلے مرض الموت/ بے ہوشی کے عالم میں ایک مرتبہ آنکھیں کھول کر دیکھا کہ حضرت عبداللہ بن ابوبکر رضی اللہ عنہ کھڑے ہیں اور ان کے ہاتھ میں مسواک کی سبز ٹہنیاں ہیں ـــــ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے جو مزاج شناس رسول ﷺ تھیں، آپ ﷺ کی مسواک کرنے کی خواہش کو بھانپ لیا اور اپنے بھائی کے ہاتھ سے مسواک لے کر اپنے دانتوں سے اسے نرم کیا اور حضور ﷺ کو پکڑا دی۔ (بخاری: ۴۴۵۰، ۸۹۰)

آج کے روشن خیال زمانے کی خواتین کے لیے یہ امر کس قدر باعث حیرت ہوسکتا ہے۔ تاہم اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن بالخصوص حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو آپ ﷺ سے کس قدر شدید محبت تھی کہ خاوند کے ابرو سے ان کی دلی خواہش کا اندازہ ہی

نہیں لگایا بلکہ مسواک کو اپنے دانتوں سے نرم کر کے آپ ﷺ کے ہاتھ میں پکڑا دی کہ حالت بیماری میں نقاہت و کمزوری کی بناء پر آپ ﷺ اسے نرم نہ کر سکتے تھے!____

____یہاں آپ ﷺ کی محبت کا بھی اندازہ لگایئے جو آپ ﷺ کو اپنی زوجہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ تھی کہ بغیر کسی ہچکچاہٹ کے آپ ﷺ نے اسے اپنے منہ میں ڈال کر مسواک کرنی شروع کر دی۔ حضور ﷺ کے اس اسوۂ حسنہ سے فقہائے کرام نے یہ استنباط کیا کہ **نظافت اور ذکاوتِ حس کی بناء پر کسی شخص کو دوسرے شخص کی استعمال شدہ مسواک استعمال کرنے کی اجازت نہیں سوائے خاوند اور بیوی کے یعنی وہ دونوں ایک دوسرے کے استعمال شدہ مسواک کو استعمال کر سکتے ہیں!** اور اس سے فقہائے کرام کی اس دقیقہ رس نگاہوں کا بھی اندازہ کیجیے کہ اسوۂ رسول ﷺ اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اس ایک عمل سے انہوں نے اس قانونی نکتے کا استنباط فرمایا جو ہمیشہ کے لیے ایک فقہی قانون بن گیا!

درج بالا چند احادیث جن کا تعلق ازدواجی زندگی میں اس مقصد عظیم سے ہے جس کے لیے مرد و عورت کی دو اصناف اللہ تعالیٰ نے نہ صرف انسانوں میں پیدا کیں بلکہ قرآن کی رو سے کائنات کی تمام مخلوقات میں ازدواج کا قانون پایا جاتا ہے۔ (سورہ الرعد ۱۳: ۳، سورہ یٰسین ۳۶:۳۶) ◆

طہارت و نظافت کا حصول

ذیل میں چند احادیث کا مطالعہ نہ صرف اسوۂ حسنہ کے اس پہلو کو اجاگر کرتا ہے بلکہ دوسرے پہلو جس کا تعلق میاں بیوی کے تعلقات کے نتیجے میں طہارت اور پاکیزگی کے حصول سے ہے، کے بارے میں بھی راہ نمائی دیتا ہے!

◆ مزید تفصیلات کے لئے دیکھئے کتاب قرآن حکیم اور علم الجنین (۱۹۹۰) اور مقالہ انگریزی (۱۹۸۹)

☆......حالت حیض میں اپنی بیوی کے ساتھ مباشرت کے علاوہ کس قسم کا سلوک روا رکھا جاسکتا ہے؟ ذیل کی احادیث سے اس امر پر روشنی پڑتی ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ كُنْتُ أَشْرَبُ وَأَنَا حَائِضٌ، ثُمَّ أُنَاوِلُهُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم فَيَضَعُ فَاهُ عَلَى مَوْضِعِ فِيَّ فَيَشْرَبُ وَأَتَعَرَّقُ الْعَرْقَ وَأَنَا حَائِضٌ ثُمَّ أُنَاوِلُهُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم فَيَضَعُ فَاهُ عَلَى مَوْضِعِ فِيَّ. وَلَمْ يَذْكُرْ زُهَيْرٌ فَيَشْرَبُ.

(مسلم:٣٠٠)

''سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں ایام حیض میں نبی ﷺ کے برتن سے پانی پیا کرتی تھی۔ تو آپ ﷺ اپنے لب مبارک اس جگہ پر رکھ کر پانی پیتے تھے جس جگہ سے میں نے پانی پیا ہوتا تھا اور میں ہڈی سے گوشت نوچ کر کھاتی پھر میں ہڈی پر موجود بقیہ گوشت سمیت ہڈی نبی ﷺ کو دیتی پھر آپ ﷺ اپنا منہ مبارک میرے منہ کی جگہ پر رکھ کر گوشت کھاتے تھے۔''

☆......ازواج النبی ﷺ سے یہ بات مروی ہے کہ جب آپ ﷺ (اپنی بیوی سے) حیض کی حالت میں کچھ کرنے (وغیرہ) کا ارادہ فرماتے تو اس کی شرم گاہ پر کوئی چیز ڈال دیتے تھے، پھر آپ ﷺ کی جو خواہش ہوتی کرتے تھے پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ تم میں ایسا کون ہے جو نبی ﷺ کی طرح اپنی شہوت پر قابو رکھتا ہو۔ (صحیح البخاری: ٣٠٣:٣٠٢)

اول الذکر حدیث جو مسلم نے روایت کی ہے، اس سے نہ صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ حالت حیض میں اپنی بیوی کے ساتھ کھانا پینا ممنوع نہیں بلکہ اس سے اس غایت درجہ محبت، مودت کا اندازہ کرنا بھی کوئی مشکل امر نہیں جو اللہ کے رسول ﷺ کو اپنی ازواج کے ساتھ تھی **کیا یہ اسوۂ حسنہ بھی ہماری روشن خیال بہنوں کے لیے قابل اعتراض ہے اور ہمارے مرد بھائیوں کے لیے اس میں بیوی کے ساتھ حسن عمل کا**

جو سبق بالکل واضح ہے، کیا وہ قابل تقلید نہیں کہ جس پر عمل پیرا ہو کر ہم اپنی گھریلو زندگی کو دنیا میں جنت بنا سکیں؟

☆...... اللہ کے رسول ﷺ نے اپنی امت کے لیے جو اسوۂ حسنہ چھوڑا ہے، اس کی شفقت اور محبت کا اندازہ درج ذیل حدیث سے کیجیے اور اس بے جا مذہبیت نیز روشن خیالی (ہر دو انتہاؤں) کے درمیان راہِ اعتدال ملاحظہ فرمائیں۔ یاد رہے کہ یہ حدیث بخاری میں روایت کی گئی ہے:

أَنَّ عَائِشَةَ حَدَّثَتْهَا أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم كَانَ يَتَّكِئُ فِي حِجْرِي وَأَنَا حَائِضٌ، ثُمَّ يَقْرَأُ الْقُرْآنَ. (البخاری:۲۹۷)

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ میری ماہواری کے زمانہ میں میری گود میں تکیہ لگایا کرتے تھے، اور اسی حالت میں قرآنِ مجید پڑھتے تھے۔''

یہود کا دستور تھا کہ عورتوں کو جب ایام آتے تو ان کو گھروں سے نکال دیتے اور ان کے ساتھ کھانا پینا چھوڑ دیتے۔ لوگوں نے مدینہ میں آپ ﷺ سے سوال کیا۔ تو یہ آیت نازل ہوئی کہ اس حالت میں مقاربت ناجائز ہے۔ اس بناء پر آپ ﷺ نے حکم دیا کہ مقاربت کے سوا کوئی چیز منع نہیں۔ یہودیوں نے غصے میں کہا کہ یہ شخص بات بات میں ہماری مخالفت کرتا ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ نے عرض کیا کہ یہود جب یہ کہتے ہیں تو ہم مقاربت بھی کیوں نہ کریں، رخسار مبارک غصہ سے سرخ ہو گئے۔ دونوں صاحب چلے گئے تو آپ ﷺ نے ان کے پاس کچھ کھانے کی چیزیں بھیجیں اس وقت ان کو تسکین ہوئی کہ آپ ﷺ ناراض نہ تھے۔

موجودہ زمانے میں مغربی ممالک میں جنسی بے راہ روی کے نتیجے میں مباشرت کا فعل اس قدر عام اور جلدی جلدی واقع ہونے والا عمل بن گیا ہے لیکن بدقسمتی سے یورپ میں کوئی فرد بھی طہارت یا پاکیزگی کا تصور نہیں رکھتا اور غسل کا کلچر ہی ناپید ہے، بالعموم جنسی عمل کے

بعد وہی لباس خاص طور پر زیر جامہ پہن لیا جاتا ہے جس پر خون، مادۂ منویہ کے دھبے بھی لگے ہوتے ہیں جو جسم پر بھی لگ جاتے ہیں۔ تاہم اسلام میں طہارت، پاکیزگی اور ذاتی صفائی کا جو بلند ترین تصور دیا گیا ہے، اس کے تحت جنسی عمل، حیض اور احتلام کے بعد نہانا ضروری ہے۔ درج ذیل احادیث سے نہ صرف اس پہلو پر روشنی پڑتی ہے بلکہ اس امر کی بھی نشان دہی ہوتی ہے کہ اگر یہ راہ نمائی، اللہ کے رسول ﷺ نے نہ دی ہوتی تو کیا ہم بھی آج مغربی ممالک کے لوگوں کی طرح ناپاکی کی حالتِ گندگی میں زندگی بسر نہ کر رہے ہوتے؟

☆......حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ہدایت فرمائی کہ ایک عقلمند عورت کو اپنے بستر کے قریب ایک صاف کپڑا رکھنا چاہیے جو اسے مباشرت کے بعد اپنے خاوند کو دینا چاہیے تا کہ وہ اپنی صفائی کر سکے، پہلے خاوند اور بعد میں بیوی کو اپنا جسم اور کپڑے خشک صاف کر لینے چاہئیں۔

☆......ایک دوسری حدیث میں جو ترمذی اور ابن ماجہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی مروی ہے، اس میں اس امر کی نشان دہی کی گئی ہے کہ مباشرت کی کون سی حالت میں زوجین پر غسل فرض ہو جاتا ہے؟

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ إِذَا جَاوَزَ الْخِتَانُ الْخِتَانَ فَقَدْ وَجَبَ الْغُسْلُ فَعَلْتُهُ أَنَا وَرَسُوْلُ اللهِ ﷺ فَاغْتَسَلْنَا۔ (الترمذی:۱۰۸)

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب مرد کے ختنہ کی جگہ (یعنی سپاری) عورت کے خاص مقام کو پہنچ جائے تو (دونوں پر) غسل فرض ہو گیا۔ میں نے اور رسول اللہ ﷺ نے ایسا کیا پھر ہم دونوں نے غسل کیا۔''

☆......ایک دوسری حدیث میں روایت ہے کہ:

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ رُبَّمَا اغْتَسَلَ النَّبِيُّ ﷺ مِنَ الْجَنَابَةِ ثُمَّ جَاءَ فَاسْتَدْفَأَ بِي فَضَمَمْتُهُ إِلَيَّ وَلَمْ أَغْتَسِلْ۔ (جامع الترمذی:۱۲۳)

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مجھ پر اور رسول اکرم ﷺ پر غسل فرض ہوتا تھا پھر آپ مجھ سے پہلے غسل فرما لیتے تھے اور اس سے پہلے کہ میں غسل کرتی۔ میرے قرب سے گرمی حاصل فرماتے تھے۔''

☆......حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث ہے کہ ''میں اور رسول اللہ ﷺ ایک ساتھ پانی کے ایک ہی برتن سے غسل کرلیا کرتے تھے جو ہمارے درمیان موجود ہوتا تھا۔ غسل کے دوران ہمارے ہاتھ برتن کے اندر ایک دوسرے کے ساتھ مل جاتے تھے۔ اللہ کے رسول ﷺ جلدی جلدی نہاتے تھے جبکہ میں انہیں کہتی تھی کہ'' کچھ پانی میرے لیے بھی چھوڑ دیں، کچھ پانی میرے لیے بھی چھوڑ دیں۔'' (مسلم: ۳۲۱/۷)

اس ضمن میں شاید موجودہ زمانے میں کچھ مرد و خواتین اس حدیث اور اس قسم کی دیگر احادیث کو تعلیمات رسول ﷺ کے منافی سمجھتے ہیں اور انہیں حضور ﷺ کے مرتبے سے فروتر۔ ہم نے اپنی کتاب **دین ہمہ اوست** (۲۰۱۸) میں سید مودودی کے قلم سے نیز اسی قسم کے دیگر چند اعتراضات (جو مغربی پاکستان ہائی کورٹ کے ایک فاضل جسٹس کے اعتراضات کے جواب میں) درج کیے ہیں، نقل کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔ سید مودودی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا کہ ''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ بتایا ہے کہ زوجین ایک ساتھ غسل کر سکتے ہیں اور حضور ﷺ نے خود ایسا کیا ہے۔ اس مسئلے کو معلوم کرنے کی ضرورت دراصل ان لوگوں کو پیش آئی تھی جن کے ہاں بیویاں اور شوہر سب نماز کے پابند تھے۔ فجر کے وقت ان کو بارہا اس صورت حال سے سابقہ پیش آتا تھا کہ وقت کی تنگی کے باعث یکے بعد دیگرے غسل کرنے سے ایک کی جماعت چھوٹ جاتی تھی۔ ایسی حالت میں ان کو یہ بتانا ضروری تھا کہ دونوں کا ایک ساتھ غسل کرلینا نہ صرف جائز ہے بلکہ اس میں کوئی قباحت بھی نہیں ہے۔ اس سلسلے میں یہ بھی جان لینا چاہیے کہ مدینے میں اس وقت بجلی کی روشنی والے غسل خانے نہیں تھے اور فجر کی نماز اس زمانے میں اول وقت ہوا کرتی تھی اور عورتیں بھی صبح (فجر) اور عشاء کی نمازوں میں مسجد جایا کرتی تھیں۔ اس ضمن میں ہم اپنے قارئین کو اپنی

درج بالا کتاب کے پڑھنے کا مشورہ دیں گے جس میں اس قسم کے دیگر اعتراضات کا بھی مدلل جائزہ لیا گیا ہے۔

مسلم اہل علم اور فقہائے کرام نے شادی بیاہ کے نتیجے میں جنسی اخلاقیات جیسے اہم موضوعات پر بھی بہت فکر انگیز معلومات بہم پہنچائی ہیں۔ تاہم افسوس ناک امر یہ ہے کہ آج کل بہت سے مسلمان ایسے بھی ہیں جنہوں نے اس پہلو کو نظر انداز کر دیا ہے۔ اس قسم کے موضوعات پر بات کرنا شرمناک سمجھا جاتا ہے جبکہ جوانی کی حدود میں قدم رکھنے والے نوجوان نسل کے افراد ان امور کو جاننے میں ایک فطری دلچسپی رکھتے ہیں تاہم جب انہیں یہ معلومات کسی مستند ذریعے (بزرگ/کتاب/اساتذہ) سے نہیں ملتیں تو پھر وہ ادھر ادھر سے یہ معلومات حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ انٹرنیٹ وغیرہ سے حاصل کردہ معلومات فائدے کی بجائے نقصان دہ اور ان کے اخلاق و اعمال کو بگاڑنے کا سبب بنتی ہیں۔

☆......مختلف احادیث کے مطالعے سے رسول اللہ ﷺ کی ان حکیمانہ ہدایات کو پڑھ کر ایک انسان حیران رہ جاتا ہے جو آپ ﷺ نے انسانی زندگی گزارنے کے لیے دیں۔ ذیل میں چند مزید احادیث ہمیں انسانی زندگی کے اس پہلو کی جانب راہ نمائی کرتی ہیں۔

عَنْ عَائِشَةَ ، أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم قَبَّلَ امْرَأَةً مِنْ نِسَائِهِ ثُمَّ خَرَجَ إِلَى الصَّلَاةِ وَلَمْ يَتَوَضَّأْ . قَالَ عُرْوَةُ فَقُلْتُ لَهَا مَنْ هِيَ إِلَّا أَنْتِ فَضَحِكَتْ. (سنن أبي داود: ١٧٩)

''عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنی ایک بیوی کا بوسہ لیا، پھر نماز کے لیے نکلے اور (پھر سے) وضو نہیں کیا۔ عروہ کہتے ہیں: میں نے ان سے کہا: وہ بیوی آپ کے علاوہ اور کون ہو سکتی ہیں؟ یہ سن کر وہ ہنسنے لگیں۔''

درج بالا حدیث خالہ اور بھانجے (عروہ آپ رضی اللہ عنہا کی بہن کے بیٹے تھے) کے

درمیان محبت، شفقت اور بے تکلفی کی ایک بہترین مثال ہے! جبکہ موجودہ مسلم معاشرہ اس خوشگوار اسوۂ حسنہ کی برکات سے تہی دامن!

☆......ایک دوسری حدیث میں مروی ہے:

عَنْ عَائِشَةَ، رضی الله عنها أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم كَانَ يُبَاشِرُ وَهُوَ صَائِمٌ۔ (مسلم:ایف/۱۱۰۶)

''نبی ﷺ روزے کی حالت میں بوس و کنار اور بیویوں کے ساتھ لیٹ جایا کرتے تھے۔'' (صحیح بخاری: ۳۰۲، میں بھی یہ حدیث آئی ہے)

درج بالا حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو اپنے جذبات پر کس قدر قابو حاصل تھا کہ وضو کی حالت میں بھی اپنی بیوی کا بوسہ لینے سے دوبارہ وضو کیے بغیر نماز پڑھ لیتے تھے۔ اس طرح آپ ﷺ روزے کی حالت میں بھی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے ساتھ لیٹ جاتے تھے۔ یاد رہے کہ مباشرت کا لفظ عربی میں ہمیشہ جنسی عمل کے لیے ہی نہیں بولا جاتا بلکہ اس میں بوس و کنار اور ساتھ لیٹنے کے مخفی معنی بھی ہیں جیسا کہ ترجمہ سے واضح ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسی حالت کسی عام مسلمان کے لیے جائز نہیں ہو سکتی ــــــ تاہم جب کوئی شخص ایسی حالت سے دوچار ہو تو اسے جو راہ نمائی آپ ﷺ نے دی، وہ درج ذیل حدیث سے واضح ہوتی ہے:

☆......ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ہم نبی کریم ﷺ کی خدمت میں تھے کہ ایک شخص نے حاضر ہو کر کہا کہ یا رسول اللہ! میں تو تباہ ہو گیا، آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کیا بات ہوئی؟ اس نے کہا کہ میں نے روزہ کی حالت میں اپنی بیوی سے جماع کر لیا ہے، اس پر رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا کیا تمہارے پاس کوئی غلام ہے جسے تم آزاد کر سکو، اس نے کہا نہیں، پھر آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کیا پے در پے دو مہینے کے روزے رکھ سکتے ہو؟ اس نے عرض کی نہیں، پھر آپ ﷺ نے پوچھا کیا تم کو ساٹھ

مسکینوں کو کھانا کھلانے کی طاقت ہے؟ اس نے اس کا جواب بھی انکار میں دیا، راوی نے بیان کیا کہ پھر نبی کریم ﷺ تھوڑی دیر کے لیے ٹھہر گئے، ہم ابھی اسی حالت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ ﷺ کی خدمت میں ایک بڑا تھیلا (عرق نامی) پیش کیا گیا جس میں کھجوریں تھیں۔ (عرق تھیلے کو کہتے ہیں جسے کھجور کی چھال سے بناتے ہیں) آنحضرت ﷺ نے دریافت فرمایا کہ سائل کہاں ہے؟ اس نے کہا کہ میں حاضر ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا کے اسے لے لو اور صدقہ کر دو، اس شخص نے کہا یا رسول اللہ! کیا میں اپنے سے زیادہ محتاج پر صدقہ کر دوں، بخدا ان دونوں پتھریلے میدانوں کے درمیان کوئی بھی گھرانہ میرے گھر سے زیادہ محتاج نہیں ہے، اس پر نبی کریم ﷺ اس طرح ہنس پڑے کہ آپ کے آگے کے دانت دیکھے جا سکے۔ پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اچھا جا اپنے گھر والوں ہی کو کھلا دے۔

(بخاری: ۶: ۱۹۳، مسلم: ۱۱۱۱)

☆...... ایک حدیث جو مسلم، ابوداؤد اور ترمذی میں روایت ہوئی ہے، ایک شادی شدہ شخص کو، اللہ کے رسول ﷺ نے ہدایت فرمائی کہ کسی شخص کی نگاہ اگر کسی خوبصورت عورت پر پڑے تو اسے چاہیے کہ وہ اپنی بیوی سے جا کر مباشرت کر لے کہ اس طرح، اس کے اندر پیدا ہونے والے جذبات کی تسکین ہو جائے گی...... ذرا دیکھئے کہ موجود زمانے کی تحقیقات اس بارے میں کیا کہتی ہیں!

زمانہ حال کے سائنسی تجربات اور تحقیقی سروے (Surveys) سے پتہ چلا کہ ۵۴ فی صد عورتوں کے خیال میں، مردوں میں جنسی خواہش/شہوت زیادہ ہوتی ہے۔ (Anon.1991)۔ نیز یہ بھی ایک سائنسی حقیقت ہے کہ مردوں میں جنسی خواہش زیادہ ہوتی ہے۔ مردوں کے بارے میں یہ سائنسی حقیقت بہت حد تک پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ ان کے جذبات کے برانگیختہ ہونے میں آنکھ سے دیکھنا ایک بہت اہم کردار ادا کرتا ہے

(شاید یہی وجہ قرآنی حکم غض بصر کے پس پردہ حکمت سے ہے)۔ (سورہ النور) اس ضمن میں درج ذیل دو احادیث بھی پیش نظر رہنی ضروری ہیں۔

☆......ابوداوَداور ترمذی نے ایک حدیث روایت کی ہے جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے آپ ﷺ نے مخاطب ہو کر فرمایا

" يَا عَلِيُّ لاَ تُتْبِعِ النَّظْرَةَ النَّظْرَةَ فَإِنَّ لَكَ الأُولَى وَلَيْسَتْ لَكَ الآخِرَةُ". (ابو داؤد:۲۱۴۹۔جامع الترمذی ۲۷۷۷)

''اے علی رضی اللہ عنہ! ایک نظر کے بعد دوسری نظر نہ ڈالو پہلی نظر تو معاف ہے مگر دوسری نہیں۔''

☆......مزید برآں، درج ذیل حدیث ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے احمد بن حنبل، ترمذی اور ابوداوَد نے روایت کی ہے، اس سے بھی غضِ بصر/ پردے کی نزاکت اور اہمیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے!

أُمِّ سَلَمَةَ، قَالَتْ كُنْتُ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم وَعِنْدَهُ مَيْمُونَةُ فَأَقْبَلَ ابْنُ أُمِّ مَكْتُومٍ وَذَلِكَ بَعْدَ أَنْ أُمِرْنَا بِالْحِجَابِ فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم " احْتَجِبَا مِنْهُ ". فَقُلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ أَلَيْسَ أَعْمَى لاَ يُبْصِرُنَا وَلاَ يَعْرِفُنَا فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم " أَفَعَمْيَاوَانِ أَنْتُمَا أَلَسْتُمَا تُبْصِرَانِهِ ". (ابو داؤد:۴۱۱۲)

''ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں اور میمونہ رضی اللہ عنہا ہم دونوں رسول اللہ ﷺ کے پاس تھیں کہ اچانک عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ سامنے سے آ گئے اور رسول اللہ ﷺ کے پاس آنے لگے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ان سے پردہ کرو میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! کیا وہ نابینا نہیں ہیں؟ ہم کو تو وہ نہیں دیکھ رہے ہیں۔ اس کے جواب میں

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کیا تم دونوں نابینا ہو؟ کیا تم ان کو نہیں دیکھ رہی ہو؟''

اسی طرح گزشتہ صفحات میں ہم نے ایک حدیث نقل کی ہے جس میں عورتوں سے کہا گیا ہے کہ: ''وہ اپنے خاوند کی جنسی خواہش کی تکمیل کریں چاہے وہ تنور پر روٹی ہی کیوں نہ پکا رہی ہو۔'' اس حقیقت کی تائید سائنس دانوں نے یوں کی ہے کہ مرد جنسی اشتعال کے مختلف طریقوں سے اکثر دوچار رہتے ہیں کیونکہ گھر سے باہر بہت سے ایسے مواقع ہوتے ہیں جو اسے جنسی تحریک دلاتے رہتے ہیں۔(Jerome and Rainer. 1969) موجودہ دور میں اس جنسی انارکی کے سونامی کی سب سے بڑی وجہ مرد و زن کا باہمی اختلاط ہے جو مارکیٹ، تعلیم گاہوں، دیگر پبلک مقامات پر اس قدر عام ہے کہ جس سے صرفِ نظر کرنا بہت مشکل ہے۔ یہی وجہ ہے اسلام میں دونوں صنفوں کی علیحدگی (Segregation) کا حکم دیا ہے لیکن شادی/نکاح کو آسان بنایا گیا ہے۔

یہاں ہم اس امر کی جانب اپنے قارئین کو توجہ دینا چاہتے ہیں کہ زوجین کے درمیان انفرادی تعلقات کے ضمن میں چند خواتین اور اصحاب کو مختلف اشکال پیش آتے ہیں۔ ایسی تمام حالتوں میں حیا اور شرم نیز پاکیزگی اور طہارت کا حصول، اسلام کی تعلیمات میں بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ میاں بیوی کے لیے یہ بہتر جانا گیا ہے کہ مباشرت کے بعد وہ دونوں اس وقت تک مت سوئیں جب تک کہ وضو نہ کر لیں۔ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ''جب کبھی حضور ﷺ جنابت کی حالت میں سونا یا کھانا چاہتے تھے تو آپ ﷺ اپنے اعضا کو دھو کر وضو کرتے تھے جس طرح نماز کے لیے وضو کیا جاتا ہے۔'' (بخاری:۲۸۶،۲۸۹،۲۸۸)

اس امر کی نشان دہی بھی ضروری ہے کہ اگر ایک دفعہ مباشرت کے بعد میاں بیوی دوبارہ مباشرت کرنا چاہیں تو بہتر ہے کہ وضو کر لیا جائے۔(مسلم، ابن ماجہ، ابن داؤد)

☆......ایک حدیث جو حضور (ﷺ) کے غلام (حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ) سے مروی

ہے کہ:

عَنْ أَبِي رَافِعٍ ، أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم طَافَ ذَاتَ يَوْمٍ عَلَى نِسَائِهِ يَغْتَسِلُ عِنْدَ هَذِهِ وَعِنْدَ هَذِهِ . قَالَ فَقُلْتُ لَهُ يَا رَسُولَ اللهِ أَلَا تَجْعَلُهُ غُسْلًا وَاحِدًا قَالَ : "هَذَا أَزْكَى وَأَطْيَبُ وَأَطْهَرُ ." (ابو داؤد:۲۱۹، ابن ماجہ:۵۹۰)

''ایک دفعہ آپ ﷺ نے اپنی تمام ازواجؓ سے ایک دوسرے کے بعد خلوت کی اور ہر دفعہ غسل کیا۔'' جب رافع رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ کیا ایک دفعہ ہی غسل کرنا ٹھیک نہیں تھا۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہ زیادہ صاف ستھرا اور راحت کا باعث ہے۔''

باب ششم

رسول اللہ ﷺ کی شخصیت کے چند درخشاں پہلو

سیرت نگاروں نے اپنی کتب میں زادالمعاد کے حوالے سے رسول اللہ ﷺ کی اُم معبد رضی اللہ عنہا کی مرتب کردہ ایک جامع لفظی تصویر دی ہے۔ جب رسول اللہ ہجرت کے لیے غارثور (منزلِ اول) سے چلے تو پہلے ہی روز راستے میں قومِ خزاعہ کی ایک نیک بوڑھی خاتون کا خیمہ راہ میں پڑا۔ حضور ﷺ اور آپ ﷺ کے ہمراہی پیاسے تھے۔ فیضانِ خاص تھا کہ ایک مریل سی بھوکی بکری نے اس لمحہ وافر مقدار میں دودھ دیا۔ حضور ﷺ نے بھی پیا، ہمراہیوں نے بھی اور کچھ بچ رہا۔ ام معبد رضی اللہ عنہا کے شوہر نے گھر آ کر دودھ دیکھا تو اچنبھے سے پوچھا کہ یہ کہاں سے آیا۔ ام معبد نے سارا حال بیان کیا۔ وہ پوچھنے لگا کہ اچھا اس قریشی نوجوان کا نقشہ تو بیان کرو۔ یہ وہی تو نہیں جس کی تمنا ہے۔ اس پر ام معبد نے حسین ترین الفاظ میں تصویر کھینچی۔ ام معبد کو نہ تو کوئی تعارف تھا، نہ کسی طرح کا تعصب بلکہ جو کچھ دیکھا من وعن کہہ دیا۔ اصل عربی میں دیکھنے کی چیز ہے۔ (زادالمعاد جلد اول ص ۳۰۷)

''پاکیزہ رُو، کشادہ چہرہ، پسندیدہ خُو، نہ پیٹ باہر نکلا ہوا، نہ سر کے بال گرے ہوئے، زیبا، صاحبِ جمال، آنکھیں سیاہ و فراخ، بال لمبے اور گھنے، آواز میں بھاری پن، بلند گردن، روشن مردمک، سرمگیں چشم، باریک و پیوستہ ابرو، سیاہ گھنگھریالے بال، خاموش وقار کے ساتھ، گویا دلبستگی لیے ہوئے، دور سے دیکھنے میں زیبندہ و دلفریب، قریب سے نہایت شیریں و کمال حسین۔ شیریں کلام، واضح الفاظ، کلام کمی و بیشی الفاظ سے معرا، تمام گفتگو موتیوں کی لڑی جیسی پروئی ہوئی، میانہ قد کہ کوتاہی نظر سے حقیر نظر نہیں آتے۔ نہ طویل کہ آنکھ اس

سے نفرت کرتی۔ زیبندہ نہال کی تازہ شاخ، زیبندہ منظر والا قد، رفیق ایسے کہ ہر وقت اس کے گرد و پیش رہتے ہیں۔ جب وہ کچھ کہتا ہے تو چپ چاپ سنتے ہیں جب حکم دیتا ہے تو تعمیل کے لیے جھپٹتے ہیں، مخدوم، مطاع، نہ کوتاہ سخن نہ فضول گو۔''

پروفیسر عبدالرحمن عبد (مرحوم) نے اپنی کتاب کی چوتھی جلد میں بھی اس سراپا کا ذکر کیا ہے جو ام معبد نے آپ ﷺ کے بارے میں بیان کیا۔ انہوں نے اپنے آخری جملے میں کہا ''صاحب جمال کہ دیکھنے والے پر ان کے حسن و زیبائی کا اثر ضرور ہوتا تھا'' صاحب کتاب نے مزید لکھا کہ ''ام معبد نے اپنے آخری جملے میں ایک عظیم حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ میرا یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو اجمل الوریٰ تخلیق کیا کہ جنہیں بنا کے مصور بھی آپ سے مسرور ہے''

آپ ﷺ کی زندگی، رہن سہن اور دیگر معمولات کے بارے میں ہم ذیل میں کچھ معلومات اختصار کے ساتھ دے رہے ہیں۔

لباس و تعلیم

آپ ﷺ کا لباس احکامِ ربانی (سورہ الاعراف: ۲۶، و دیگر) کی ایک جامع تصویر تھی۔ ان ہدایات ربانی کے تحت لباس ستر ڈھانپنے والا، زینت دینے والا اور تقوی کا مظہر ہونا چاہیے۔ دوسرا پہلو گرمی سے بچانے والا اور جنگ میں حفاظت کے لیے اور بطور زرہ کام دینے والا ہونا چاہیے۔ حضور ﷺ کا لباس عرب کے حالات (جغرافیائی، تمدنی اور موسمی) کا لحاظ کرتے ہوئے معیاری ذوق کا مظہر ہوتا تھا۔ انسانی زندگی میں تعلیم اور گفتگو کے بارے میں یہ شعر ایک حقیقت کی غمازی کرتا ہے کہ

تا مرد سخن نگفتہ باشد
عیب و ہنرش نہفتہ باشد!

''جب تک کوئی شخص گفتگو نہ کرے اس کے عیب و ہنر پوشیدہ رہتے ہیں۔''

گفتگو ایک انسان کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو واضح کر دیتی ہے۔ حضور ﷺ کی زندگی کے ہمہ جہتی پہلوؤں (بارِ نبوت، گھریلو زندگی بطور شوہر، باپ، حکمران، قانون ساز، منصف، معلم، مزکی اور دیگر) پر مشتمل تھی۔ قریش مکہ کے مہذب خاندان کا یہ ممتاز فرد قبیلہ بنو سعد کی فضاؤں میں عرب کی فصیح ترین زبان سے آراستہ تو تھا ہی، وحی کی لسانِ مبین نے حسن گفتگو کو اور بھی صیقل کر دیا تھا۔ حضور ﷺ کی امتیازی شان یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے آپ ﷺ کو ''جوامع الکلم'' عطا کئے گئے تھے۔ جن کی ضرورت ایک داعی حق کے لیے بہت ضروری ہے۔

ذوقِ مزاح اور تفریحات

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی کا یہ ایک ایسا پہلو ہے جو اکثر و بیشتر نوجوان نسل (لڑکے/لڑکیوں) کی نظر سے اوجھل رہا ہے۔ تاہم نسل نو کے لیے اس میں کسی تعجب اور حیرت کا شائبہ نہیں رہنا چاہیے کہ رسول اللہ کی ذاتی اور نجی زندگی اس پہلو سے بھی بہت دلآویز اور خوش کن ہے۔

دنیا میں عظیم کارنامے سرانجام دینے والی شخصیت کے لیے یہ ایک لازمی وصف ہے کہ وہ فرائض حیات کے بوجھ کو اپنے تبسم سے گوارا بنا دے اور ساتھیوں کے دلوں میں گھر کر لے۔ آپ ﷺ ایسے بے تکلفانہ انداز مزاح سے پیش آتے تھے کہ رفقاء کے دلوں میں آپ کی محبت رچ بس گئی تھی۔ آپ ہنسی، دل لگی کی باتیں کرتے اور مجلس میں شگفتگی کی فضا پیدا کر دیتے۔ مگر توازن و اعتدال ہمیشہ ملحوظ رہتا۔ مزاح کا رنگ آٹے میں نمک کی طرح ہلکا رہتا اور اس میں بھی نہ تو خلافِ حق کبھی کوئی بات شامل ہوتی نہ کسی کی دلآزاری کی جاتی اور نہ ٹھٹھے لگا کر ہنسنا معمول تھا۔ بات چیت میں غنچوں کا سا تبسم ہوتا۔

موجودہ دور میں چند لوگوں کو اس قسم کے واقعات سن کر تعجب ہو سکتا ہے کیونکہ مذہبی

لوگوں کے ساتھ تقویٰ اور تقشّف کا تصور ہمیشہ رہا ہے کہ وہ خشک طبیعت اور مزاج کے حامل ہوتے ہیں لیکن حضور ﷺ کا کردار اس بارے میں اس قدر من موہنا تھا کہ جب ابن عمر رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ ''کیا رسول اللہ کے رفقاء ہنسا بھی کرتے تھے؟'' تو انہوں نے فرمایا: ہاں ہنستے تھے اور ان کے دلوں میں پہاڑ سے زیادہ بڑا ایمان تھا (یعنی ہنسی دل لگی ایمان وتقویٰ کی نفی نہیں کرتی)۔

انسان کی متوازن زندگی کے لیے تفریحات (جائز اور معقول حدود میں) بھی ایک لازمی جزو کی حیثیت رکھتی ہیں۔ حضور ﷺ کو شخصی طور پر باغوں کی سیر کا شوق تھا۔ کبھی تنہا اور کبھی رفقاء کے ساتھ باغوں میں چلے جاتے اور وہیں مجلس آرائی بھی ہو جاتی۔ تیرنے کا مشغلہ بھی تھا۔ احباب کے ساتھ کبھی کبھار تالاب میں تیرا کرتے، دو دو ساتھیوں کے ساتھ جوڑ بنائے جاتے اور پھر ہر جوڑ کے ساتھ دور سے تیر کر آتے جب کبھی وقفے کے بعد بارش پڑتی تو تہ بند باندھ کر پھوار میں نہایا بھی کرتے۔ کبھی تفریحاً کسی کنویں میں پاؤں لٹکا کر اس کے کنارے پر بیٹھتے بھی تھے۔ دوڑوں اور تیر اندازی کے مقابلے کراتے اور اکھاڑے میں خود پوری دلچسپی سے شریک رہتے۔

مسرت کے موقعوں پر پسند تھا کہ دف بجائی جائے۔ بچیاں گیت گاتیں۔ چنانچہ عید کے موقعہ پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس دو لڑکیاں گیت گا رہی تھیں۔ حضور ﷺ قریب ہی لیٹے تھے۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آئے تو غصے میں ڈانٹا کہ خدا کے رسول ﷺ کے گھر پر یہ ہنگامہ مچا رکھا ہے۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا ''انہیں گانے دو'' ایک مرتبہ ایسی ایک بزمِ عروسی میں بچیاں گا رہی تھیں۔ حضرت عامر بن سعد نے بعض حاضرین سے بطور اعتراض کہا: ''اے صحابیانِ رسول ﷺ! اے شرکائے بدر! تمہارے سامنے یہ ہو رہا ہے؟ جواب ملا جی چاہے تو بیٹھ کر سنو ورنہ چلے جاؤ۔ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے اس کی اجازت دی ہے!

حضور ﷺ کی زندگی سے پتہ چلتا ہے کہ آپ ﷺ کو شعر سے بھی دلچسپی تھی۔ اچھے اشعار رکلام کی قدر فرماتے تھے۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ اور کعب رضی اللہ عنہ بن مالک سے

دشمنانِ اسلام کے جواب میں شعر کہلاتے اور کبھی کبھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنے منبر پر بٹھا کر ان سے پڑھواتے اور کہتے کہ یہ اشعار دشمنوں کے حق میں تیر سے بھی زیادہ سخت ہیں آپ ﷺ نے معاشرے کو ایک نئے ذوق ادب سے آشنا کر دیا۔ مدینہ میں آمد کے موقع پر بنونجار کی بچیوں کے خیر مقدمی ترانے کا ذکر گزشتہ صفحات میں ہو چکا ہے۔

گھریلو زندگی

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے دریافت کیا کہ رسول خدا اپنے گھر میں کیا کرتے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: ''آپ آدمیوں میں سے ایک آدمی تھے۔ اپنے کپڑوں کی دیکھ بھال خود ہی کر لیتے، بکری کا دودھ دوہتے اور اپنی ضرورتیں خود ہی پوری کر لیتے۔ نیز اپنے کپڑوں کو خود ہی پیوند لگا لیتے یا اپنے جوتوں کی مرمت کر لیتے اور یہ کہ اپنے ڈول کو ٹانکے لگا لیتے، بوجھ اٹھاتے، جانوروں کو چارہ ڈالتے، کوئی خادم ہوتا تو اس کے ساتھ مل کر کام کرا دیتے۔ بازار جانے میں عار نہ تھا۔ خود ہی سودا سلف لاتے اور ضرورت کی چیزیں ایک کپڑے میں باندھ کر اٹھا لاتے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نیز فرمایا کہ آپ گھر میں سب سے زیادہ نرم خو، متبسم، خندہ جبین اور اس صفت کی شان یہ تھی کہ ''کبھی کسی خادم کو جھڑ کا نہیں''۔ حق یہ ہے کہ رسول خدا ﷺ سے بڑھ کر کوئی بھی اپنے اہل وعیال کے لیے شفیق نہ تھا۔ (مسلم)

درج بالا چند واقعات کے ذکر سے مقصود یہ ہے کہ آج کا ایک عام امتی ہی نہیں بلکہ حامیانِ دین اور بزرگان اپنی زندگیوں کا جائزہ لیکر دیکھیں کہ ان کی اپنی ذاتی زندگی رسول اللہ کی زندگی سے کس قدر مطابقت رکھتی ہے؟ کیا وہ بھی اپنے اہل خانہ بالخصوص بیویوں اور اولاد کے ساتھ اسی شفقت اور محبت کا سلوک روا رکھتے ہیں جو ہمیں رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں نظر آتا ہے؟ کیا ہم نے گھریلو کاموں میں اپنے اہل خانہ کے ساتھ کبھی ہاتھ بٹایا ہے؟ کیا ہم نے کبھی کبھی ان کے ساتھ نرم خو اور متبسم ہو کر ان کی دل جوئی کا سلوک کیا

ہے؟____ اگر نہیں کیا اور امر واقعہ یہ ہے کہ ایسا نہیں تو پھر ہم کس منہ سے آپ ﷺ کی محبت اور اطاعت کا دم بھرتے ہیں؟

حضور ﷺ کی ذات صرف اس حد تک ہی محدود نہیں جس کا ذکر درج بالا سطور میں کیا گیا۔ آپ ﷺ کی زندگی کا اہم ترین پہلو یہ تھا کہ بطور رسول ﷺ، آپ نے امت کی خواتین کی تعلیم و تربیت کے لیے بھی ایک عملی نمونہ پیش کرنا تھا۔ چنانچہ تمام ازواج اس گھر میں جمع ہوتیں جہاں آپ ﷺ نے شب گزارنی ہوتی تھی۔ گھریلو امور کے علاوہ دینی مسائل بھی زیر بحث آتے۔ مختلف خواتین اپنے مسائل لے کر آتیں اور ازواجِ مطہرات کی معرفت دریافت کرتیں۔ آپ ﷺ نے خواتین کے اصرار پر ان کے لیے ایک علیحدہ دن مقرر کر دیا تھا جہاں جا کر آپ ﷺ ان کی تعلیم و تربیت فرماتے۔ اس تمام تر کے باوجود آپ ﷺ نے کبھی گھر کی فضا کو خشک اور بوجھل نہ بننے دیا۔ بات چیت ہوتی، کبھی کبھی قصہ گوئی بھی ہوتی اور دلچسپ لطائف بھی وقوع میں آتے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنا ایک واقعہ بیان فرمایا کہ ایک مرتبہ میں نے خزیرہ (گوشت کا قیمہ کر کے پانی میں پکاتے اور پھر اس پر آٹا چھڑک کر مزید پکاتے) تیار کیا۔ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا بھی موجود تھیں اور رسول اللہ ﷺ دونوں کے درمیان بیٹھے تھے۔ بے تکلفی کی فضا تھی۔ میں نے سودہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ کھاؤ۔ انہوں نے انکار کیا، پھر اصرار سے کہا کہ کھاؤ انہوں نے انکار کیا۔ پھر اصرار سے کہا کہ تمہیں ضرور کھانا ہوگا، انہوں نے پھر انکار کیا۔ ادھر سے پھر کہا گیا کہ اس میں سے کھاؤ ورنہ میں اٹھا کر تمہارے منہ پر مل دوں گی۔ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے بھی ہٹ دکھائی۔ حضرت عائشہ نے خزیرہ میں ہاتھ ڈالا اور واقعی حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے چہرے پر لیپ دیا۔ اس بے تکلفی پر حضور ﷺ خوب ہنسے اور سودہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ تم اس کے منہ پر ملو تا کہ حساب برابر ہو جائے چنانچہ سیّدہ رضی اللہ عنہا نے ایسا ہی کیا اور حضور ﷺ مکرر ہنسے!

موجودہ دور میں امت مسلمہ نے اسوۂ حسنہ سے دوری کے سبب، دنیاوی زندگی کے

لیے ایسی ثقافتی اور معاشرتی روایات اختیار کر لی ہیں جن کا تصور بھی دورِ نبوی ﷺ میں نہیں تھا۔ آج مسلم معاشرے میں سر بفلک عمارتیں، کاروباری مراکز اور گھریلو طرزِ تعمیر پر نظر ڈالیں تو اسوۂ حسنہ کے عین برعکس صورت حال نظر آتی ہے۔ آپ ﷺ نے مسجد کے ساتھ ازواج کے لیے حجرات (چھوٹے چھوٹے کمرے) بنوا لیے تھے۔ ان میں گرمی سردی سے بچنے کا اہتمام تھا، جانوروں کی مداخلت سے بچاؤ کا انتظام تھا، پردہ داری (Privacy) کا بندوبست اور حفظانِ صحت کا خیال تھا۔ بجز صفائی کے اور کس طرح کی آرائش نہ تھی۔ صفائی میں ذوقِ نبوت یہاں تک تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو گھروں کے آنگن صاف رکھنے کی ہدایت فرماتے!

ازواجِ مطہرات کے حجروں کی تعمیر

اصحابِ سیرت النبی ﷺ نے لکھا کہ ''مسجد نبوی ﷺ جب تعمیر ہو چکی تو مسجد سے متصل ہی آپ ﷺ نے ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے لئے مکان بنوائے۔ اس وقت تک حضرت سودہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا عقد نکاح میں آ چکی تھیں، اس لیے دو ہی حجرے بنے جب اور ازواج آتی گئیں تو اور مکانات بنتے گئے۔ یہ مکانات کچی اینٹوں کے تھے۔ ان میں سے پانچ کھجور کی ٹٹیوں سے بنے تھے جو حجرے اینٹوں کے تھے ان کے اندرونی حجرے بھی ٹٹیوں کے تھے۔ ترتیب یہ تھی کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا، حضرت حبیبہ رضی اللہ عنہا، حضرت زینب رضی اللہ عنہا، حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا، حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا، حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے مکانات شامی جانب تھے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا، حضرت سودہ رضی اللہ عنہا مقابل جانب تھیں۔ یہ مکانات مسجد سے اس قدر متصل تھے کہ جب آپ ﷺ مسجد میں اعتکاف میں ہوتے تو مسجد سے سر نکال دیتے اور ازواج مطہرات گھر میں بیٹھے بیٹھے آپ ﷺ کے بال دھو دیتی تھیں''

''یہ مکانات چھ چھ سات سات ہاتھ چوڑے اور دس ہاتھ لانبے تھے۔ چھت

اتنی اونچی تھی کہ آدمی کھڑا ہو کر چھت کو چھو لیتا تھا۔ دروازوں پر کمبل کا پردہ پڑا رہتا تھا۔ راتوں کو چراغ نہیں جلتے تھے''

اسی سلسلے میں مزید لکھا کہ '' آخری ایام میں آنحضرت ﷺ کی نو بیویاں تھیں اور الگ الگ حجروں میں رہتی تھیں جن میں نہ صحن تھا نہ دالان تھے نہ ضرورت کے الگ الگ کمرے تھے۔ ہر حجرہ کی وسعت چھ سات ہاتھ سے زیادہ نہ تھی۔ دیواریں مٹی کی تھیں جو اس قدر کمزور تھیں کہ ان میں شگاف پڑ گئے تھے۔ ان سے اندر دھوپ آتی تھی۔ چھت کھجوروں کی شاخوں اور پتیوں سے چھائی تھی۔ بارش سے بچنے کے لیے بال کے کمبل لپیٹ دیئے جاتے تھے، بلندی اتنی تھی کہ آدمی کھڑا ہو کر چھت کو ہاتھ سے چھو سکتا تھا۔ گھر کے دروازوں پر پردہ یا ایک پٹ کا کواڑ ہوتا تھا۔ آنحضرت ﷺ ہمیشہ باری باری سے ایک ایک شب ایک ایک حجرے میں بسر فرماتے تھے۔ دن کو عموماً اصحاب کی مجلس میں تشریف رکھتے جو گویا ان حجروں کا صحن یا گھر کی مردانہ نشست گاہ تھی''

''ان حجروں کے علاوہ ایک بالا خانہ بھی تھا۔ جب آپ ﷺ نے ایلاء کیا تھا اور نیز گھوڑے سے گر کر چوٹ کھائی تھی تو ایک ایک مہینہ اسی پر قیام فرمایا تھا۔ یہاں ایک چٹائی کا بستر، چمڑے کا تکیہ جس میں کھجور کی چھال بھری تھی اور ادھر ادھر چند کھالیں لٹکی ہوئی تھیں''

''یہ حجرہ مبارک آپ ﷺ کی وفات کے بعد ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے قبضہ میں رہے۔ ان میں سے جب کسی کا انتقال ہو جاتا تو وہ حجرہ ان کے اعزہ کی ملکیت ہو جاتا جن سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے زمانے میں خرید لیا کرتے تھے'' ــــــ یہ تمام حجرے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت تک اپنے حال پر قائم رہے۔ بعد ازاں ۸۸ھ میں جب حضرت عمر بن عبدالعزیز مدینہ کے والی بنے تمام حجرے بجز حجرۂ عائشہ کے کہ وہ مدفن نبوی ﷺ ہے، توڑ کر مسجد نبوی میں شامل کر دیئے گئے۔ جس دن یہ حجرے ٹوٹے تو تمام مدینے میں کہرام مچا ہوا تھا کہ حضور ﷺ کی ایک یادگار مٹ گئی'' ــــــ

اس حجرے کے بارے میں عبدالرحمن عبد (مرحوم) نے واضح کیا۔

''ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا صدیقہ کا حجرۂ مطہرہ تھا جس کی عظمت کا خود حضور رسالتمآب ﷺ نے ذکر فرمایا اور ارشاد کیا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ کسی اور زوجہ کے حجرے میں مجھ پر وحی نازل نہیں ہوئی''

ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن اور اہل وعیال کی سادہ زندگی

اپنی عزیز ترین اولاد اور اعزہ و اقارب کو سادہ زندگی بسر کرنے پر مجبور کرنا، انسان کے بس میں نہیں تاہم تاریخ میں محمد رسول اللہ ﷺ کو یہ شرف حاصل ہے کہ انہوں نے نہ صرف خود بلکہ اپنی ازواج اور اولاد کو بھی سادہ زندگی بسر کرنے کا نہ صرف سبق دیا بلکہ عملاً ثابت بھی کیا ـــــ آپ ﷺ کی ازواج، میں بعض بہت ناز ونعمت میں پلی تھیں۔ اکثر معزز گھرانوں سے تعلق رکھتی تھیں اور شادی سے قبل بہت متمول اور خوشحال زندگی بسر کر رہی تھیں لیکن آپ ﷺ کی صحبت میں آکر اس تمام تر مال ودولت اور فراخی سے دستکش ہو گئیں جو فتوحات کی کثرت کی وجہ سے مدینہ میں دولت کی ریل پیل تھی۔ اگرچہ آپ ﷺ کو اپنی تمام ازواج کے ساتھ محبت اور لگاؤ تھا، اس کے باوجود اپنی ذات کی طرح انہیں بھی زخارف دنیا کا خوگر نہیں بنایا کہ آپ ﷺ کے تمام اہل خانہ کی زندگی آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کا اعلیٰ ترین مظہر بن گئی''

گھریلو زندگی میں جب کہ ازواج کی تعداد ایک زمانہ میں ۹ تک پہنچ گئی تھی، بہت سے بکھیڑے ہوتے ہیں۔ اپنی ذات کے لئے تو آپ ﷺ نے کبھی کوئی اہتمام نہیں کیا تھا جس کی مثال بوقت رحلت ''گھر میں جو کے چند دانے تھے'' تاہم ازواج مطہرات اور مہمانوں کے کھانے پینے کا تمام تر انتظام حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے سپرد تھا جو اکثر قرض لے کر پورا کرتے تھے۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ، آپ ﷺ کو جو محبت تھی اس کے باوجود ان کی زندگی بہت تنگی اور ترشی سے گذرتی تھی۔ سیّدہ رضی اللہ عنہا چکی پر جو پیس کر آٹا بناتی تھیں لیکن اکثر

و بیشتر بھوکا رہنا پڑتا تھا۔

ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے لیے بنو نضیر کے نخلستان کا حصہ مقرر تھا جو سال بھر کے مصارف کے لیے کافی ہوتا تھا۔ چنانچہ جب انہوں نے اچھے کھانے اور کپڑوں کی خواہش ظاہر کی تو آپ ﷺ نے ایلاء کرلیا۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے کہ ''ہم تمام بیبیوں کے پاس صرف ایک جوڑا کپڑا تھا'' ــــــ تمام اہل وعیال اور خانوادۂ نبوت کو ممانعت تھی کہ وہ پرتکلف وریشمی لباس اور سونے کے زیور استعمال کریں۔ آپ ﷺ ان سے فرمایا کرتے تھے کہ اگر تم کو اس کی تمنا ہے کہ یہ چیزیں جنت میں ملیں تو دنیا میں ان کے پہننے سے پرہیز کرو۔ واضح رہے کہ اس تمام تر سادگی اور عسرت کی زندگی کے باوجود وہ سب آسودہ دل اور اطمینانِ قلب کی دولت سے مال و مال تھے!

بتایا جا چکا ہے کہ روزانہ آپ ﷺ، تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے گھروں میں جو پاس پاس تھے، تشریف لے جاتے۔ ہر ایک کے پاس تھوڑی دیر ٹھہرتے، جب ان کا گھر آتا جن کی باری ہوتی تو شب کو وہیں قیام فرماتے ــــــ بروایت ابوداؤد عصر کے وقت حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر سے ابتدا ہوتی تھی۔ بعض روایتوں میں ہے کہ جن کی باری ہوئی تھی انہی کے گھر پر تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن آجاتی تھیں اور دیر تک صحبت رہتی تھی۔ کچھ رات گئے سب رخصت ہو جاتی تھیں (اگرچہ کبھی کبھی شکوے کا اظہار ہوتا تھا لیکن دل صاف تھے اور باہم مل کر لطف صحبت سے فیض یاب ہوتی تھیں۔ آنحضرت ﷺ جس طرح ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی خاطرداری فرماتے تھے اور ان کی نازک مزاجیاں برداشت کرتے تھے اس کا اندازہ اس امر سے ہوتا ہے کہ ساربان کو ہدایت کی کہ ''دیکھنا آبگینے (شیشے) ہیں'' لاکھوں سلام و درود ازواج مطہرات پر۔ اس ضمن میں مزید لکھا کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن عبادہ، حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن معاذ، حضرت عمارہ بن حزم اور حضرت ایوب رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی خدمت میں دودھ بھیج دیا کرتے تھے اور اسی پر آپ ﷺ بسر فرماتے تھے۔ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے التزام کرلیا تھا کہ رات کے کھانے پر ہمیشہ

اپنے ہاں سے ایک بڑا بادیہ بھیجا کرتے تھے جس میں کبھی سالن، کبھی دودھ، کبھی گھی ہوتا تھا۔ حضرت ام انس رضی اللہ عنہ نے اپنی جائیداد حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کی۔ آپ ﷺ نے قبول فرما کر اپنی دایہ حضرت ایمن رضی اللہ عنہا کو دے دی اور خود فقر و فاقہ اختیار فرمایا''

کسی دوسرے باب میں ہم نے بخاری اور ترمذی کے حوالے سے ایک حدیث درج کی ہے جس میں آپ ﷺ نے اس شخص کے لیے جنت کی ضمانت دی ہے جو اپنی زبان اور جنسی داعیات کے بارے میں احکام خداوندی پر عامل ہو۔ اگرچہ زبان کے بارے میں اکثر اہل علم نے زبان کے بے جا استعمال (جھوٹ بولنا، غیبت، گالم گلوچ وغیرہ) کی جانب اشارہ کیا ہے لیکن موجودہ دور میں لذت کام و دہن سے جو شغف امت مسلمہ میں پایا جاتا ہے، کیا وہ اس حدیث کے معنی اور حیطہ اختیار میں نہیں آتا؟ آج پاکستان کے چھوٹے سے چھوٹے قصبے سے لیکر لاہور، کراچی، اسلام آباد اور دیگر بڑے شہروں میں جس قدر لذتِ کام و دہن کے لیے دکانیں، ہوٹل موجود ہیں جہاں اشیائے خوراک کی بھرمار ہوتی ہے۔ نیز گھروں میں اہل خانہ بالخصوص جوان نسل جس قدر کھانے پینے کا شوق و اہتمام کرتی ہے، کیا اس کا کوئی تعلق اسوۂ حسنہ سے ہے؟

حضور اکرم ﷺ کے بارے میں سیرت کی کتب میں بہت تفصیل کے ساتھ آپ ﷺ کے کھانے پینے کے نفیس ذوق کے بارے میں بہت تفصیل کے ساتھ معلومات پائی جاتی ہیں جن کا ایک تقابلی مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ آپ ﷺ نے امت کے لیے کھانے پینے کے بارے میں کوئی قید نہیں لگائی سوائے حرام اشیاء کی ممانعت کے تاہم درج بالا سطور میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے یہ امر حیرت کا باعث ہے کہ: **''ادھر ادھر دیکھا تو ایک طرف مٹھی بھر جو رکھے ہیں۔''** اسی طرح اس کتاب کے کسی دوسرے باب میں بتایا جا چکا ہے کہ امہات المومنین رضی اللہ عنہن کے لیے نان و نفقہ کا علیحدہ علیحدہ بندوبست کیا ہوا تھا لیکن اس حقیقت کے علی الرغم کہ بیشتر کا تعلق نہایت خوشحال اور دولت مند خاندانوں سے تھا، یہ امر بھی تاریخ سے واضح ہوتا ہے کہ اکثر و بیشتر

گزارہ بکری کے دودھ، کھجور یا جو کے آٹے پر ہوتا تھا اور عرصے تک چولہے پر کھانا پکانے کے لیے آگ تک نہ جلائی جاتی تھی!ـــــ "جہاں ایک طرف فقر و سادگی کی وہ شان تھی وہاں دوسری طرف آپ ﷺ کو رہبانیت کا سد باب بھی کرنا تھا۔"

کھانے پینے کے ضمن میں رسول اللہ ﷺ کی ایک نہایت اہم ہدایت یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ اپنی ذات کے ساتھ ساتھ ہمسایوں اور دیگر عزیز و اقارب کا خیال بھی رکھا جائے۔ گھر میں شوربا پکتا تو کہتے کہ ہمسائے کے لیے ذرا زیادہ بنایا جائے! گھر میں جب کبھی بکری ذبح ہوتی تو آپ ﷺ بالخصوص اس کا گوشت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سہیلیوں، ملنے جلنے والوں اور عزیزوں کے ہاں بھی بھجواتے تھے!

موجودہ دور میں مرد و زن، مسابقت کی حالت میں مبتلا ہیں۔ ہر شخص مال و دولت، اولاد اور دیگر دنیاوی امور میں ایک دوسرے سے آگے بڑھ جانے کے جنون میں مبتلا دکھائی دیتا ہے۔ ذاتی تعلقات کو اس جذبہ مسابقت نے اس حد تک متاثر کیا ہے کہ ملنے جلنے اور ایک دوسرے کو تحائف وغیرہ دینے کے لیے جب تک بہت بڑی رقم نہ ہو، اس کارِ خیر کو موخر بلکہ معطل کر دیا گیا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے انسانی زندگی کو سہل اور آسان بنانے کے لیے طبقہ اناث کو کیا خوبصورت نصیحت فرمائی کہ:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنه۔ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ : "يَا نِسَاءَ الْمُسْلِمَاتِ لَا تَحْقِرَنَّ جَارَةٌ لِجَارَتِهَا، وَلَوْ فِرْسِنَ شَاةٍ۔"

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے مسلمان عورتوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ کوئی پڑوسن اپنی پڑوسن کے لیے کسی بھی چیز (لینے دینے) کو حقیر نہ جانے اگرچہ بکری کا کھر ہی ہو۔"

ذاتی طور عمر بھر یہ معمول رہا کہ رات کے نصف حصے کے اوائل میں بیدار ہو کر مسواک اور وضو کے بعد تہجد ادا فرماتے۔ قرآن ٹھہر ٹھہر کر پڑھتے ہوئے بعض اوقات اتنا لمبا قیام فرماتے کہ قدم مبارک متورم ہو جاتے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب اس مشقت پر توجہ

دلائے تو آپ ﷺ فرمایا کرتے کہ کیا میں خدا کا احسان شناس اور شکر گزار بندہ نہ بنوں؟

سیرتِ طیبہ و مطہرہ کے گلستان سے چند نہایت خوبصورت پھولوں کا انتخاب کرنے کے بعد اگرچہ دل اس امر پر راضی نہیں کہ اس سعی ناتمام کی تکمیل کے لیے راہوارِ قلم کو روک لیا جائے کہ:

کس قدر لذت کشودِ عقدۂ مشکل میں ہے
لطف صد حاصل ہماری سعی بے حاصل میں ہے!

تاہم اس حکایت لذیذ کو ایک ایسی حدیث پر ختم کرتے ہوئے اللہ رب العزت کے حضور دست بہ دعا ہیں کہ وہ نہ صرف اس سعی ناتمام کو اپنی جناب میں قبولیت کا شرف بخشیں بلکہ اپنے ان بھائی بہنوں کے لیے بھی دست بہ دعا ہیں جو مغربی تہذیب وتمدن پر فریفتہ ہو کر اس چشمہ شیریں سے فیض یاب ہونے سے محروم ہیں۔

سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی ﷺ کے پاس ایک خاتون آئی۔ آپ ﷺ نے اس سے فرمایا: ''آپ کون ہیں؟'' تو اس نے کہا: ''میں جثامہ مزنیہ ہوں۔'' تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''آپ کا نام حسانہ ہے، تمہارا کیا حال ہے؟ ہمارے بعد تمہارے ساتھ کیا گزری؟'' تو اس نے کہا: ''میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہو جائیں، بہت اچھی گزری اور ہم خیر و عافیت سے ہیں۔'' جب وہ چلی گئی تو آپ ﷺ سے سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا یارسول اللہ! آپ نے اس بڑھیا پر اتنی توجہ مرکوز کی (یہ کون تھی؟) تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ عورت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی زندگی میں آیا کرتی تھی۔ دوستی کا لحاظ و پاس کرنا ایمان کی علامت ہے۔'' (حاکم نے اسے صحیح کہا اور ذہبی نے حاکم کی موافقت کی)

خواتین کے ساتھ حسن سلوک اور تربیت

ازواج مطہرات میں عام اصولِ فطرت کے موافق ہر مزاج اور طبیعت کی عورتیں تھیں۔ باہم رشک رقابت بھی تھا۔ آنحضرت ﷺ چونکہ ہمیشہ فقر و فاقہ سے بسر کرتے

تھے، ان کی خورد ونوش کا انتظام بھی خاطر خواہ نہیں ہوسکتا تھا اس لیے ان کو شکایت کا موقعہ ملتا تھا۔ ان تمام حالات کے ساتھ آپ ﷺ کی جبین پر کبھی شکن نہیں پڑتی تھی۔

عورتوں کے لیے مخصوص مجالس

عورتوں کے لیے، ان کی درخواست پر علیحدہ مجلس کا اہتمام فرمایا۔ عورتیں ہر قسم کے سوالات کرتیں جس میں وہ مسائل بھی ہوتے تھے جو خاص پردہ نشینوں سے تعلق رکھتے تھے (متعدد مثالیں مختلف ابواب میں درج ہیں) تاہم جب کبھی کوئی پردہ کا واقعہ مجلس عام میں سوال کی غرض سے پیش کیا جاتا تو فرطِ حیا کے باعث آپ ﷺ کو ناگوار ہوتا۔

☆...... ہجرت حبشہ کرنے والوں میں ایک صحابیہ اسماء رضی اللہ عنہا بنت عمیس تھیں۔ جب وہ مدینہ واپس آئیں تو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے ملنے گئیں تو وہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے ـــــ معلوم کرنے پر جب پتہ چلا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا ''ہاں وہ حبش والی، سمندر والی''۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے کہا ''ہاں وہی''۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم نے ہجرت پہلے کی اس لیے ہمارا حق رسول اللہ ﷺ پر فائق ہے۔'' حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کو سخت غصہ آیا۔ بولیں ہرگز نہیں، تم لوگ تو رسول اکرم ﷺ کے ساتھ رہتے تھے۔ وہ بھوکوں کو کھلاتے تھے۔ ہمارا حال یہ تھا کہ گھر سے دور بیگانے حبشیوں میں رہتے تھے'' ـــــ یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ حضور ﷺ تشریف لے آئے۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے کہا یا رسول اللہ ﷺ عمر رضی اللہ عنہ یہ کہتے ہیں۔ آپ ﷺ نے پوچھا تم نے کیا جواب دیا۔ انہوں نے ماجرا سنایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا عمر رضی اللہ عنہ کا حق مجھ پر تم سے زیادہ نہیں۔ عمر رضی اللہ عنہ اور اس کے ساتھیوں نے صرف ایک ہجرت کی اور تم لوگوں نے دو ہجرتیں کیں'' ـــــ اس واقعہ کا جب چرچا پھیلا تو مہاجرین حبش جوق در جوق اسماء رضی اللہ عنہا کے پاس آتے اور آنحضرت ﷺ کے الفاظ ان سے بار بار دہرا کر سنتے۔ ان کا بیان ہے کہ مہاجرین حبش کے لئے دنیا میں کوئی چیز آنحضرت ﷺ کے ان الفاظ سے زیادہ مسرت انگیز نہ تھی۔

☆......حضرت انس بن مالک کی خالہ کا نام ام حرام تھا (جو رضاعت کے رشتے سے آپ ﷺ کی بھی خالہ تھیں) وہ آپ کو اکثر کھانا پیش کرتیں ــــــ آپ ﷺ سو جاتے تو بالوں میں سے جوئیں نکالتیں۔

☆......حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ کے ہاں اکثر تشریف لے جاتے۔ وہ بچھونا بچھا دیتیں، آپ ﷺ آرام فرماتے۔ آپ ﷺ کا پسینہ ایک شیشی میں جمع کر لیتیں۔ وصیت کی کہ مرتے وقت کفن میں حنوط ملایا جائے تو عرقِ مبارک کے ساتھ ملایا جائے۔

☆......ایک دفعہ حضرت انس کی والدہ نے آپ ﷺ کی دعوت کی ــــــ کھانے کے بعد آپ ﷺ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ، ان کی دادی، اور یتیم غلام کو دو رکعت نماز پڑھائی۔

☆......حضرت اسماء (ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیٹی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی علاتی بہن) کی شادی حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے ہوئی تھی۔ ان کا صرف ایک گھوڑا تھا۔ حضرت اسماء خود جنگل سے گھاس لاتیں اور کھانا پکاتیں۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی زمین مدینہ سے دو میل دور تھی جو حضور ﷺ نے انہیں عطا کی تھی۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا وہاں سے کھجور کی گٹھلیاں سر پر لاد کر لاتیں۔ ایک دن حضور ﷺ اس طرف سے اونٹ پر سوار آ رہے تھے۔ اونٹ کو بٹھا دیا کہ سیّدہ اسماء رضی اللہ عنہا پیچھے بیٹھ جائیں لیکن وہ شرم و حیا کی وجہ سے نہ بیٹھیں ــــــ آپ ﷺ آگے بڑھ گئے ــــــ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو انہوں نے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کو ایک خادم دے دیا جو گھوڑے کی خدمت کرتا تھا۔

☆......ایک دن قرابت کی خواتین بیٹھی تھیں اور حضور ﷺ سے باتیں کر رہی تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آنے پر سب اٹھ کر چلی گئیں۔ اس پر حضور ﷺ ہنس پڑے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے استفسار کیا تو فرمایا کہ تعجب ہوا کہ وہ تمہاری آواز سنتے ہی آڑ میں

چھپ گئیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں مخاطب کر کے کہا ''اے اپنی جان کی دشمنو! مجھ سے ڈرتی ہو، حضور ﷺ سے نہیں ڈرتیں۔ وہ سب بولیں ''تم رسول اللہ ﷺ کی نسبت سخت مزاج ہو''

☆......خواتین نہایت دلیری کے ساتھ آپ ﷺ سے بے محابہ مسائل دریافت کرتیں، صحابہ کرام کو ان کی اس جرأت پر حیرت ہوتی تھی لیکن آپ ﷺ کسی قسم کی پریشانی یا غصے کا اظہار نہیں کرتے تھے!

انسانوں میں ازدواجی تعلقات کا ایک اہم مقصد اولاد کا ہونا ہے۔ اولاد، نسل انسانی کے فروغ اور بقا کے لیے ضروری ہے۔ ان کے ذریعے والدین نہ صرف اپنے افکار واعمال کو جاری رکھتے ہیں بلکہ بچے والدین کے درمیان ایک مستقل رابطے اور تعلق کو بھی مضبوط بنانے کا سبب بنتے ہیں۔ علاوہ ازیں انسان کی گھریلو زندگی میں ان کی حیثیت باغ کے ایسے پھولوں کی مانند ہوتی ہے جس سے انسانی زندگی میں فرحت وآسودگی کا ایک ایسا ماحول پیدا ہوتا ہے جو انسانوں کی زندگی کو اعتدال اور توازن کے ساتھ گزارنے میں مدد ومعاون ثابت ہوتا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کی عائلی زندگی کا یہ بھی ایک بہت ہی اچھوتا پہلو ہے۔ مختلف وجوہات کی بناء پر والدین آج کل بچوں پر وہ توجہ نہیں دیتے جس کے وہ مستحق ہوتے ہیں، یوں معاشرے میں ایک بے گانگی اور عدم تعاون کی فضا پیدا ہوگئی ہے۔ ذیل میں ہم حضور ﷺ کی زندگی کے اس پہلو کا مطالعہ کریں گے۔

گذشتہ صفحات میں ہم نے مسلم معاشرے میں عورتوں کے ساتھ روا رکھنے والے امتیازی سلوک اور ناروا ظلم کے بارے میں گذارشات پیش کی ہیں۔ اس امر میں کسی ایماندار شخص کو کوئی شبہ نہیں ہونا چاہیے کہ عورت، حضرت حوا علیہا السلام کی ذات سے لے کر ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تک کس طرح بہتان طرازی کا نشانہ بنتی رہی ہیں۔ رہا آج کا ''متمدن اور روشن دور'' تو بات مشرق کے ان پڑھ دیہاتی کی نہیں جو عورت کو ''پیر کی جوتی'' سمجھ کر جب چاہے اسے بدلنے (طلاق دینے) کی بات کرتا ہے۔ مغرب کے

''روشن دماغ اور مہذب مرد'' کی ہے جو آج بھی عورت کو عریاں فلموں میں ایسے ایسے ایکٹ کرنے پر مجبور کرتا ہے جو وہ خود اپنی ماں/ بہن/ بیٹی/ بیوی کے لئے پسند نہیں کرتا ــــ آخر یہ دورنگی اور منافقت کیا ہے؟ اپنی بہن/ بیٹی/ بیوی کے لئے جو امر روا نہیں وہ بالآخر دوسروں کی بہن بیٹی کے لئے کس منطق، قانون اور اخلاقی ضابطے کی رو سے جائز اور روا رکھے جاتے ہیں؟ ــــ یہ ہے وہ سوال جو پوچھا جانا چاہیے ــــ اس کے مقابلے میں ایک وہ تہذیب (اسلام) ہے جو عورت ذات کے ساتھ بحیثیت ماں، بہن، بیوی اور بیٹی کے ہی نہیں بلکہ طبقۂ اناث کی ہر عورت اور ہر فرد کے ساتھ محبت و احترام کے جذبات رکھنے اور ان پر عمل کرنے کا داعی ہے؟ ــــ عورت ذات، عرب جاہلیت میں نشانۂ ستم تھی اور آج کے اس روشن/ مہذب دور میں بھی حالات بہت زیادہ مختلف نہیں بلکہ شاید اس سے ایک قدم آگے ہی ہیں اور قرآن کا سوال آج بھی (۱۴۰۰ سال گذرنے کے بعد بلکہ آخرت تک) برقرار رہے گا۔

وَ اِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ ۝ بِاَیِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ ۝ (سورۃ التکویر ۸-۹)

اللہ کے رسول ﷺ نے طبقہ اناث کے لئے جو اسوۂ حسنہ پیش فرمایا ہے اس کی ایک ہلکی سی جھلک ہم نے درج ذیل چند احادیث میں دکھانے کی کوشش کی ہے۔ اگرچہ چمنستانِ حدیث کا تو گوشہ گوشہ ایسے مختلف النوع، رنگوں، خوشبو اور حسن و نزاکت کے پھولوں سے مشک بار ہے کہ ایک انسان ان کا اندازہ کرنے سے بھی قاصر ہے!

☆......اللہ کے رسول ﷺ نے مسلمان مردوں کو ہدایت دیتے ہوئے فرمایا کہ وہ اپنی بیویوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئیں۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ النَّبِيِّ، صلى الله عليه وسلم. قَالَ " خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لأَهْلِهِ وَأَنَا خَيْرُكُمْ لأَهْلِي ". (سنن ابن ماجه:۱۹۷۷)

''تم میں سے بہتر وہ ہے جو اپنے اہل و عیال کے لیے بہتر ہے اور میں اپنے اہل کے حق میں تم سب سے زیادہ بہتر ہوں۔''

ایک دوسری حدیث میں فرمایا:

وعن انس رضی الله تعالی عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم المراۃ اذا صلت خمسها وصامت شهرها واحصنت فرجها و اطاعت بعلها فلتدخل من ای ابواب الجنۃ شآءت

''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشادفرمایا کہ عورت جب پنج وقتہ نماز پڑھےاوررمضان کے روزے رکھےاور پاک دامن رہےاور اپنے شوہر کی فرمانبرداری کرے تو جنت کے جس دروازے سے چاہے جنت میں داخل ہوجائے۔''

☆......درج ذیل حدیث میں آپ ﷺ نے ایک ایسی عورت کو جنت کی خوشخبری عنایت فرمائی جس کا شوہر،اس کی موت کے وقت اس سے راضی اورخوش تھا۔

عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ، قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم " أَيُّمَا امْرَأَةٍ مَاتَتْ وَزَوْجُهَا عَنْهَا رَاضٍ دَخَلَتِ الْجَنَّةَ ".

(ترمذی:۱۱۶۱)

''حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جوعورت اس حال میں وفات پا گئی کہ اس کا شوہراس سے راضی تھاتو وہ جنت میں داخل ہوگی۔''

ہماری پڑھی لکھی خواتین جومستشرقین کے پھیلائے ہوئے پروپیگنڈے کا شکار ہو جاتی ہیں، ان کو اکثر اوقات اس امر کا علم نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے، طبقہ اناث کے بارے میں کس قدرمحبت وشفقت کے رویہ کا اظہارفرمایا ہے۔آپ ﷺ نے کسی عورت کو اپنے ہاتھ سے کبھی کوئی ایذا نہیں پہنچائی۔نیزعورتوں کے ہر اچھےعمل پر بہت زیادہ خوش خبری اوراجروثواب ملنے کا اظہارفرماتے رہے۔محمد ﷺ وہ پہلے اوردرحقیقت آخری شخص ہیں

جنہوں نے عورت کے بارے میں ایک نہایت ہی صحیح اور متوازن رویہ کی ہدایت فرمائی جس کی بنیاد جذبات پر نہیں بلکہ خالص عقل اور علم پر تھی۔ پھر آپ ﷺ نے ان کی باطنی اصلاح پر ہی اکتفا نہیں فرمایا بلکہ قانون کے ذریعے عورتوں کے حقوق کی حفاظت کا بندوبست بھی فرمایا۔ ذرا آپ ﷺ کی شانِ رحمت و شفقت ملاحظہ فرمائیں کہ آپ ﷺ نے طبقہ اناث کے ساتھ حسن سلوک کا کیسا حکیمانہ انداز اختیار فرمایا:

☆......انسانی زندگی میں عبادات (فرض ونوافل) کو جس قدر اہمیت حاصل ہے، وہ محتاجِ تعارف نہیں۔ ایک مسلمان مرد یا عورت کی زندگی میں نہ صرف فرائض کی ادائیگی (پابندئ اوقات کے ساتھ) ضروری ہے بلکہ اس کے علاوہ، آخرت میں اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لئے بھی بہت ضروری ہے کہ مسلمان مرد اور خواتین نوافل نماز (تہجد) اور انفاق فی سبیل اللہ پر خصوصی توجہ دیں۔ دیکھئے اللہ کے رسول ﷺ نے اس پہلو کو نظر انداز نہیں فرمایا بلکہ اس پر خصوصی توجہ فرمائی۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم "رَحِمَ اللَّهُ رَجُلاً قَامَ مِنَ اللَّيْلِ فَصَلَّى ثُمَّ أَيْقَظَ امْرَأَتَهُ فَصَلَّتْ فَإِنْ أَبَتْ نَضَحَ فِي وَجْهِهَا الْمَاءَ وَرَحِمَ اللَّهُ امْرَأَةً قَامَتْ مِنَ اللَّيْلِ فَصَلَّتْ ثُمَّ أَيْقَظَتْ زَوْجَهَا فَصَلَّى فَإِنْ أَبَى نَضَحَتْ فِي وَجْهِهِ الْمَاءَ" (ابو داؤد:۱۳۰۸)

''اللہ اس شخص پر رحم فرمائے جو رات کو (تہجد یا صبح کی نماز کے لیے) کھڑا ہوتا ہے اور اپنی بیگم کو بھی بیدار کرتا ہے اگر وہ انکار کر دے تو اس کے چہرے پر پانی کے چھینٹے ڈالے اور اللہ تعالیٰ اس عورت پر بھی رحم کرے جو رات کو کھڑی ہوتی ہے اور اپنے خاوند کو بھی بیدار کرتی ہے، اگر وہ انکار کرے تو اس کے چہرے پر پانی کے چھینٹے مارے۔''

درج ذیل دو احادیث بھی خواتین کی جسمانی کمزوری/نزاکت، نیز ان کے گھریلو

امور کی سرانجام دہی میں محنت و مشقت اور مصروفیات کا خیال کرتے ہوئے ایک ایسی ہدایت ہے جس سے طبقہ اناث کے بارے میں اللہ کے رسول ﷺ کی بے پایاں محبت و شفقت کا اظہار ہوتا ہے۔

عَنْ أَبِي قِلاَبَةَ، عَنْ رَجُلٍ، قَالَ أَتَيْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم لِحَاجَةٍ فَإِذَا هُوَ يَتَغَدَّى قَالَ " هَلُمَّ إِلَى الْغَدَاءِ " . فَقُلْتُ إِنِّي صَائِمٌ . قَالَ " هَلُمَّ أُخْبِرْكَ عَنِ الصَّوْمِ إِنَّ اللَّهَ وَضَعَ عَنِ الْمُسَافِرِ نِصْفَ الصَّلاَةِ وَالصَّوْمَ وَرَخَّصَ لِلْحُبْلَى وَالْمُرْضِعِ ". (النسائی:۲۲۷۷) جس کا مفہوم درج ذیل ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مسافر کے لیے نماز کا ایک حصہ معاف فرما دیا ہے اور رمضان کے روزے نہ رکھنے کی بھی مسافر کو اجازت دی ہے اور اسی طرح دودھ پلانے والی عورت اور حمل والی عورت کو اجازت ہے کہ روزہ نہ رکھے۔ (اور بعد میں قضا کر لے) سنن ابوداؤد (۲۳۱۸) میں بھی اس مفہوم کی حدیث روایت کی گئی ہے۔

☆......اسی طرح ذیل میں جہاد جیسے اہم رکن اسلام سے عورتوں کو بری الذمہ قرار دیا کہ ان کا جسم اس بارِگراں کا متحمل نہیں ہوسکتا۔

عَنْ عَائِشَةَ بِنْتِ طَلْحَةَ، عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ. رضى الله عنها. قَالَتِ اسْتَأْذَنْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم فِي الْجِهَادِ. فَقَالَ " جِهَادُكُنَّ الْحَجُّ ". (بخاری:۲۸۷۵)

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے جہاد میں شریک ہونے کی اجازت چاہی تو آپ ﷺ نے فرمایا تمہارا یعنی عورتوں کا جہاد حج ہے۔''

بالعموم یہ دیکھا گیا ہے کہ خواتین خرچ اخراجات کے بارے میں بہت حد تک محتاط

ہوتی ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے عورتوں میں جذبہ انفاق فی سبیل اللہ کو پروان چڑھانے نیز صدقہ وخیرات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کی تلقین فرمائی جو درج ذیل حدیث سے واضح ہے:

عَنْ أَسْمَاءَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ "أَنْفِقِي وَلاَ تُحْصِي فَيُحْصِيَ اللَّهُ عَلَيْكِ، وَلاَ تُوعِي فَيُوعِيَ اللَّهُ عَلَيْكِ".

(البخاری: 2591، مسلم 1029/a)

''حضرت اسماء روایت کرتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے مجھے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ خرچ کرتی رہو (اللہ کی راہ میں) اور گن گن کر مت رکھنا ورنہ اللہ تعالیٰ بھی تجھے گن گن کر دیں گے اور مال کو بند کر کے، نہ رکھنا ورنہ اللہ تعالیٰ بھی اپنی بخشش روک دیں گے جہاں تک ہو سکے تھوڑا بہت (حاجت مندوں پر) خرچ کرتی رہو۔''

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم "إِذَا أَنْفَقَتِ الْمَرْأَةُ مِنْ طَعَامِ بَيْتِهَا غَيْرَ مُفْسِدَةٍ كَانَ لَهَا أَجْرُهَا بِمَا أَنْفَقَتْ وَلِزَوْجِهَا أَجْرُهُ بِمَا كَسَبَ وَلِلْخَازِنِ مِثْلُ ذَلِكَ لاَ يَنْقُصُ بَعْضُهُمْ أَجْرَ بَعْضٍ شَيْئًا". (مسلم 1024/a)

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب عورت اپنے (شوہر کے) کھانے میں سے خرچ کرے اور فساد کا طریقہ اختیار کرنے والی نہ ہو تو اس کو خرچ کرنے کی وجہ سے ثواب ملے گا اور شوہر کو کمانے کی وجہ سے ثواب ملے گا اور جو خزانچی ہے اس کو بھی اس طرح ثواب ملتا ہے اور ایک کی وجہ سے دوسرے کے ثواب میں کمی نہ ہو گی (یعنی ایک مال سے تین اشخاص کو ثواب ملا۔ کمانے والا، اس کی بیوی، جس نے صدقہ کیا اور اس کا خزانچی)۔

☆...... درج ذیل حدیث میں والدین کو یہ ہدایت کی گئی ہے کہ اگر ان کے بچوں (لڑکے/لڑکیوں) کے لئے مناسب رشتہ آئے جن کے اخلاق، کیریکٹر اور دین کے بارے میں انہیں اطمینان ہو تو پھر انہیں اپنے بچوں کی شادی کر دینی چاہیے کیونکہ ایسا نہ کرنے کا نتیجہ فتنے کی شکل میں اختیار کر سکتا ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم "إِذَا خَطَبَ إِلَيْكُمْ مَنْ تَرْضَوْنَ دِينَهُ وَخُلُقَهُ فَزَوِّجُوهُ إِلاَّ تَفْعَلُوا تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الأَرْضِ وَفَسَادٌ عَرِيضٌ".

(جامع الترمذی: ۱۰۸۴)

''جب تمہارے پاس نکاح کا پیغام وہ شخص بھیجے جس کا دین اور اخلاق تمھیں پسند ہو تو اس سے نکاح کر دو، اگر تم نے ایسا نہ کیا تو زمین میں فتنہ اور فساد برپا ہو جائے گا۔''

درج بالا حدیث کی روشنی میں جب ہم گذشتہ صفحات میں درج گذارشات کا جائزہ لیتے ہیں تو کیا بچوں کی شادی بالغ ہونے پر کرنا کوئی ایسا امر ہے جس کے لیے ہمیں مزید کسی ثبوت یا اعداد وشمار کی ضرورت ہے تا کہ معاشرے سے جنسی انارکی کا تدارک کیا جا سکے؟

والدین

ذیل میں ہم والدین اور بچوں اور بہنوں کے بارے میں چند احادیث کا مطالعہ کریں گے کہ آپ ﷺ نے خاندانی / عائلی زندگی کے ان علائق کے بارے میں کیا راہ نمائی دی۔

والدین کی خدمت کی تاکید نبی اکرم ﷺ نے جس زوردار انداز میں کی ہے وہ اس حدیث کے الفاظ سے بخوبی ظاہر ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: "رَغِمَ أَنْفُهُ ثُمَّ رَغِمَ

أَنْفُهُ ثُمَّ رَغِمَ أَنْفُهُ۔" قِيلَ مَنْ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ: "مَنْ أَدْرَكَ وَالِدَيْهِ عِنْدَ الْكِبَرِ أَحَدَهُمَا أَوْ كِلَيْهِمَا ثُمَّ لَمْ يَدْخُلِ الْجَنَّةَ۔"

(مسلم a/۲۵۵۱)

"حضرت ابوہریرہ کی روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے تین مرتبہ فرمایا: خاک آلود ہو اس کی ناک، خاک آلود ہو اس کی ناک، خاک آلود ہو اس کی ناک جس نے اپنے ماں باپ میں کسی ایک یا دونوں کو پایا اور ان کی خدمت کر کے جنت حاصل نہ کی۔"

والدین بالخصوص والدہ بشمول وہ خاتون جس سے کسی انسان نے بچپن میں دودھ پیا ہو (رضاعی ماں) اس کی عزت و احترام کا اندازہ، رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ حسنہ سے لگائیے جو ہم نے گزشتہ صفحات میں نقل کی ہے نیز اس دور کا ہر امتی بلکہ انسان اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھے کہ کیا وہ اپنے والدین بلکہ اپنی دودھ پلائی ماں (انا) سے اتنی ہی محبت کرتا ہے جس کا مظاہرہ ہمیں اسوۂ حسنہ سے ملتا ہے۔

بچوں سے محبت

عائلی زندگی میں ایک بہت ہی دلچسپ پہلو، اس وقت پیدا ہوتا ہے جب زوجین کے ہاں بچوں کی پیدائش ہوتی ہے۔ نہ صرف اپنے بچے بلکہ دیگر عزیز واقارب کے بچے بھی ایک انسان کے لیے فرحت کا باعث بنتے ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ کی چار بیٹیاں تھیں نیز آپ ﷺ نانا بھی تھے۔ آپ ﷺ کی محبت اور شفقت کا دامن اس قدر کشادہ ہے کہ قیامت تک کے لیے پیدا ہونے والے بچوں سے محبت کا سبق آپ ﷺ نے اپنے اسوۂ حسنہ سے دیا۔ آپ ﷺ کو بچوں سے بہت دلچسپی تھی۔ بچوں کے سر پر ہاتھ پھیرتے، پیار کرتے، دعا فرماتے، ننھے بچے لائے جاتے تو ان کو گود میں لے لیتے۔ ان کو بہلانے کے لیے عجیب سے کلمے فرماتے یعنی: خرقة خرقة فی عین کل بقة۔ ایک معصوم بچے کو بوسہ

دیتے ہوئے فرمایا: اِنَّھُم لَمِنْ رَیحَانِ اللّٰہِ (یہ بچے تو خدا کے باغ کے پھول ہیں) بچوں کے نام تجویز کرتے، بچوں کو قطار میں جمع کر کے انعامی دوڑ لگواتے کہ دیکھیں کون ہمیں پہلے چھولیتا ہے۔ بچے دوڑتے ہوئے آتے تو کوئی سینہ پر گرتا، کوئی پیٹ پر، بچوں سے دل لگی بھی کرتے۔ مثلاً حضرت انس رضی اللہ عنہ کو کبھی کبھی پیار سے کہا: "یَا ذَاالْاُذنین"! (او، دو کانوں والے) حضرت انس رضی اللہ عنہ کے بھائی ابوعمیر کا پالا ہوا ممولا مر گیا۔ تو وہ اداس بیٹھا تھا۔ حضور ﷺ آئے تو پکار کر کہا: یا ابا عمیر ! ما فعل النغیر ! (ابوعمیر! تمہارے ممولے کو کیا ہوا)۔ عبداللہ بن بشیر کے ہاتھ ان کی والدہ نے ہدیہ کے طور پر انگور حضور ﷺ کی خدمت میں بھیجے۔ وہ راستے میں کھا گئے۔ بعد میں معاملہ کھلا تو آپ ﷺ نے پیار سے عبداللہ کے کان پکڑ کر کہا یا غدر! اودھوکے باز، اودھوکے باز۔ سفر سے آ رہے ہوہوتے تو جو بچہ راستے میں ملتا اسے سواری پر بٹھا لیتے چھوٹا ہوتا تو پیچھے، فصل کا میوہ پہلی بار آتا تو دعائے برکت مانگ کر کم عمر بچے کو دے دیتے، آپ ﷺ کا یہ خیال تھا کہ یہی نئی پود آئندہ تحریک اسلامی کی علمبردار ہوگی۔

اپنے بچوں کے لیے بھی حضور ﷺ کے جذبات بڑے گہرے تھے۔ حضرت ابراہیم ﷺ کو رضاعت کے لیے ایک لوہار کے گھر میں مدینہ کے بالائی حصے میں رکھا گیا تھا۔ ان کو دیکھنے کے لیے خاصہ فاصلہ چل کر تشریف لے جاتے۔ گھر میں دھواں بھرا ہوتا مگر وہاں بیٹھتے اور بچے کو گود میں لے کر پیار کرتے۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آتیں تو اُٹھ کر استقبال کرتے۔ خود تشریف لے جاتے۔ اپنی کہتے، ان کی سنتے، ان کے صاحبزادوں امام حسن رضی اللہ عنہ، امام حسین رضی اللہ عنہ سے بہت ہی پیار تھا۔ ان کو گود میں لیتے، ان کو کندھوں پر سوار کرتے۔ ان کے لیے گھوڑا بنتے۔ حالت نماز میں بھی ان کو کندھوں پر بیٹھنے دیتے۔ ایک بار اقرع بن حابس نے آپ ﷺ کو جناب حسن رضی اللہ عنہ کا بوسہ لیتے دیکھا تو تعجب سے کہا کہ میرے تو دس بیٹے ہیں میں نے کبھی کسی کو پیار نہیں کیا مگر آپ ﷺ تو بوسہ لیتے ہیں۔ فرمایا جو رحم نہیں کرتا۔ اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔

بچوں کی تعلیم وتربیت

بچوں کے بارے میں اسوۂ رسول ﷺ یہاں پر ہی ختم نہیں ہوتا بلکہ اس رحمت دو عالم ﷺ کی زندگی کے چند دیگر مظاہر بالخصوص تعلیم وتربیت بھی بہت روشن وتابناک ہیں۔آیئے ذیل میں اس کی ایک مختصر سی جھلک دیکھیں۔

☆......اللہ کے رسول ﷺ بچوں کی جسمانی صحت، تندرستی کے لیے اونٹ، گھوڑ دوڑ کی تربیت کا اہتمام فرماتے تھے۔اس طرح بچوں کے تیراکی، دوڑ اور نیزہ بازی کے مقابلے بھی منعقد کراتے تھے۔حضرت علی رضی اللہ عنہ اس قسم کی تمام کارروائیوں کے نگران اور ذمہ دار بنائے گئے تھے۔رسول اللہ ﷺ ذاتی طور پر بچوں کی ورزش/سیر و تفریح میں دلچسپی لیا کرتے تھے۔وہ بچوں کو ایک قطار میں کھڑا کر کے انہیں دور سے اپنی طرف دوڑ کر آنے کا اشارہ فرماتے اور یوں دوڑتے ہوئے بچے آپ ﷺ کے سینۂ مبارک سے چمٹ جاتے اور آپ ﷺ بچوں کو شاباش اور انعام سے نوازتے۔

☆......**موجودہ زمانے میں والدین بالخصوص والد کو اس امر پر سنجیدگی سے غور کرنا چاہیے کہ وہ خود کس قدر وقت اپنے بچوں کو سیر و تفریح اور تندرستی کے قیام کے لیے دیتے ہیں۔تاہم یہ سوچنا تو کسی گناہ سے کم نہیں کہ ہم وقت کی کمی کا بہانہ بنا کر اسوۂ رسول ﷺ سے پہلوتہی کا جواز پیش کریں۔** حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نوجوان نسل کی تربیت ذہنی و جسمانی کا عظیم تر مقصد اپنے سامنے رکھتے تھے۔اور یوں آپ ﷺ انہیں مستقبل کی لیڈر شپ کے لیے تیار فرماتے تھے۔اس میں موجودہ والدین کے لیے راہنمائی ہے کہ وہ بھی اپنے بچوں کے مستقبل میں تعمیر سیرت و کردار کے معاملے میں کسی صورت بھی اغماض نہ برتیں جو امت مسلمہ کے مستقبل کے لیے شعاعِ امید ہیں۔اور شاید یہی اسوۂ رسول ﷺ کا

اثر ہے کہ اسلام کے دور اولین میں ہمیں کسی ایک نوجوان کا بھی باغی ہو کر گھر سے نکل جانے یا والدین سے لڑائی جھگڑے کی کوئی مثال نہیں ملتی!

☆ ...... درج بالا تمام ہدایات رمشورے نامکمل رہیں گے اگر ہم بچوں کے لیے کسی رول ماڈل کی اہمیت وضرورت پر روشنی نہ ڈالیں۔ اگر چہ بطور مسلم، ہمارے لیے اسوۂ حسنہ رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارک ہے۔(سورہ الاحزاب: ۳۳:۲۱)۔ رسول اللہ ﷺ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے آنے پر فرط محبت سے کھڑے ہو کر ان کا استقبال کرتے، ان کا ذکر گزشتہ صفحات میں کر چکے ہیں۔ یاد رہے کہ پیغمبر ﷺ کی جانب سے لڑکیوں کے ساتھ محبت وشفقت کا یہ رویہ ایک ایسے دور میں تھا جبکہ لڑکوں کو لڑکیوں پر ترجیح دی جاتی تھی، یہ امر نہ صرف اسی زمانے میں بہت حیران کن تھا بلکہ اس میں آج کے مسلمان والد کے لیے بھی ایک بہت اہم سبق ہے کہ انہیں بھی اپنی بیٹیوں کے ساتھ اسی قسم کا سلوک کرنا چاہیے۔ **پیدائش سے لے کر اوائل عمر، بلوغت اور شادی کے بعد لڑکیوں سے محبت شفقت کے ساتھ پیش آنا سنت نبوی ﷺ کے زمرے میں آتا ہے جس پر لفظاً و معناً عمل کرنا ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے۔** تاہم بدقسمتی سے بڑے بڑے دینی گھرانوں میں بھی اس سنت نبوی ﷺ پر عمل کی مثال مشکل ہی سے ملتی ہے۔ عموماً یہ دیکھا گیا ہے کہ والدین کے ہاں لڑکیوں کو باپ، بڑے بھائی وغیرہ سے محبت وشفقت نہیں ملتی، شادی کے بعد تو سسرال میں ساس، سسر، نندوں، دیور، جیٹھ کے علاوہ اکثر اوقات خاوند بھی اسے محبت دینے میں بخل کا مظاہرہ کرتے ہیں بلکہ کسی نہ کسی بہانے اسے مطعون کرنے، ظلم وستم کے نت نئے بہانے تلاش کرنے سے باز نہیں آتے جس کی مثالیں روزانہ اخبارات میں شادی شدہ لڑکیوں کے تیل کے چولہوں سے جل جانے یا کم از کم گھٹ گھٹ کر زندگی بسر کرنے کی آتی ہیں۔(عائشہ رباب: ۲۰۱۲) اور ظلم کی انتہا یہ ہے کہ مسلم سوسائٹی، میں کسی طرف سے اس پر صدائے

احتجاج بلند نہیں ہوتی۔ **حتیٰ کہ دینی راہنما بھی منبر و محراب سے اس کے خلاف کوئی بات کرنے کو تیار نہیں!**......کیا ہوگا جب بروز قیامت ایسی مظلوم لڑکیوں سے پوچھا جائے گا کہ ''تمہیں کس بات پر سزا دی گئی تھی؟'' (سورہ التکویر ۸-۹) اور اس سوال کا جواب والدین سے ہی نہیں بلکہ دیگر تمام افراد حتیٰ کہ وارثین منبر و محراب سے بھی پوچھ گچھ ہوگی!

بچوں کی اخلاقی تربیت

☆......آج کل جب والدین اپنے دوسرے دوست احباب سے ملتے ہیں تو وہ ایک دوسرے سے اپنے اپنے بچوں کے باغیانہ رویے، کھیل کود میں زیادہ انہماک کی باتیں کرتے ہیں۔ درج بالا چند امور کا مطالعہ کرنے کے بعد ہمیں جو راہنمائی اسوہ رسول ﷺ سے ملتی ہے، اس کی روشنی میں کیا ہم موجودہ دور کے والدین سے یہ سوال کرنے کی جسارت کر سکتے ہیں کہ وہ اپنے بچوں کو روزانہ کس قدر وقت دیتے ہیں اور ان کی اخلاقی، ذہنی، جسمانی صحت اور نشوونما کے لیے کس قدر ذرائع و وسائل مختص کرتے ہیں؟ اور ایسی صورت حال میں جب کہ بچوں کو مناسب توجہ والدین سے نہیں ملتی اور اگر وہ کسی قسم کا باغیانہ رویے اختیار کرتے ہیں تو پھر ہمیں ان کے اس رویے سے مایوس ہونے کا کوئی جواز نہیں۔ اس امر کی جانب پہلے بھی اشارہ کیا جا چکا ہے کہ ایک بچہ جب اپنے والد کو قرآن یا کوئی دوسری کتاب پڑھتے ہوئے دیکھتا ہے تو پھر وہ بھی اس کی تقلید میں پڑھنا شروع کر دیتا ہے اور اس کی حوصلہ افزائی کرنے کی صورت میں وہ مستقبل میں اس عادت کو اپنا لیتے ہیں اور یہ بات اس کی عادت ثانیہ بن جاتی ہے۔ مزید برآں، عمر کے اس دور میں بچوں کو گھریلو کاموں کے کرنے کی عادت ڈالنی چاہیے۔ اگر والد گھریلو باغبانی کا شوق ہے تو بچوں کو بھی اس کی جانب راغب کرنا چاہیے۔ بچوں کو اپنے ہاتھ سے زمین میں بیج ڈالنے کو کہا جائے اور

چند روز بعد اس میں سے پودا نکلنے کی صورت میں انہیں اس حیرت انگیز عمل کو دیکھنے کی دعوت دینی چاہیے۔اس طرح والدین انہیں انسانی توالدو تناسل کا عمل بھی سمجھا سکتے ہیں!

☆......موضوع زیر بحث پر اس گفتگو کو ہم اس طریق پر سمیٹ سکتے ہیں کہ والدین اور اساتذہ کرام اس امر کا احساس پیدا کریں کہ اخلاقی تعلیم وتربیت کا نظام زندگی بھر کا لائحہ عمل ہے جسے زندگی کے مختلف ادوار میں جاری رہنا چاہیے۔ظاہر ہے کہ اوائل عمر میں ایک بچہ اس قابل نہیں ہوتا کہ وہ ان موضوعات اور مسائل کو سمجھ سکے مثلاً بچے کی پیدائش اور دیکھ بھال وغیرہ۔اس بارے میں والدین کو اپنے بچوں کی راہ نمائی کرنا ضروری ہے۔(محمد آفتاب خان ۲۰۱۶)

باب ہفتم

مسلمانوں کی عائلی زندگی: اسوۂ رسول کی عمومی راہ نمائی

ذیل کے صفحات میں، ہم اپنی علمی بے بضاعتی کے باوجود، ایک بہت محدود سی کوشش کر رہے ہیں کہ حدیث کے وسیع ذخیرہ علمی سے خوشہ چینی کرتے ہوئے، مسلمانوں کی عائلی زندگی سے متعلق ہدایات کو واضح کریں۔ گزشتہ صفحات میں بتایا گیا کہ اسلام، مرد و زن کے درمیان ازدواجی تعلق کو نکاح رشادی کے تحت ایک قانونی اور اخلاقی دائرے میں لاتا ہے۔ اس لیے ضروری محسوس ہوتا ہے کہ اس موضوع کے متعلق چند امور جن کا تعلق اس ادارے کی تشکیل سے ہے کے بارے میں معلومات درج کریں۔ اس میں شادی سے قبل زوجین کا انتخاب ایک اہم موضوع ہے۔ حالیہ دور میں میڈیا بالخصوص الیکٹرانک میڈیا کے ذریعے جو گفتگو انٹرنیٹ، موبائل، ٹی وی میں دکھائی جا رہی ہے تو ضروری ہے کہ ان موضوعات پر مثبت راہ نمائی فراہم کی جائے کہ اکثر و بیشتر وہ معلومات نامکمل ہونے کے باعث نوجوان نسل کے لیے مزید الجھنوں اور گمراہی کا موجب بنتی ہیں!

زوجین کا انتخاب

شادی بیاہ کے سلسلے میں موجودہ مسلم ممالک میں مناسب رشتوں کا حصول ایک گھمبیر مسئلے کی حیثیت اختیار کر گیا ہے۔ دینی تعلیمات کے نہ ہونے کی وجہ سے اخلاقی انحطاط اس حد تک ہو گیا ہے کہ لڑکیوں کے رشتے ملنا، جوئے شیر لانے کے مترادف ہو گیا ہے۔ بالخصوص درمیانے طبقے کے والدین اس مسئلے سے بہت بری طرح دوچار ہیں۔ لڑکیاں دولت کی ہوس، ایک دوسرے کی ریس اور غلط دنیوی رسم و رواج کی بھینٹ چڑھ رہی ہیں۔

اسلامی نقطہ نظر سے مناسب رشتوں کی اہمیت اس قدر ہے کہ اس کی وجہ سے انسان کی زندگی اس دنیا میں اور خدانہ کرے آخرت میں بھی تباہ ہو سکتی ہے۔ان وجوہات کی بناء پر یہ بہت ضروری ہے کہ مسلمان نوجوان لڑکے اور لڑکیاں (اور ان کے والدین بھی) ان صفات سے آگاہ ہوں جو زوجین کے انتخاب کے لیے ضروری ہیں، قرآن حکیم نے ایک بہت ہی بنیادی حقیقت کی جانب سورۃ النور (۲۶:۲۴) میں توجہ دلائی ہے۔

اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَ الْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ ۚ وَ الطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَ الطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ ۚ . . .

''خبیث عورتیں خبیث مردوں کے لیے ہیں اور خبیث مرد خبیث عورتوں کے لیے۔ پاکیزہ عورتیں پاکیزہ مردوں کے لیے ہیں اور پاکیزہ مرد پاکیزہ عورتوں کے لیے......''

☆...... احادیث کی رو سے جو صحیح بخاری اور مسلم میں روایت کی گئی ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ''ایک عورت سے شادی/نکاح اس کی دولت، خوبصورتی یا دین کی وجہ سے کی جاتی ہے، تمہیں چاہیے کہ تم دین کی بنیاد پر شادی کرو۔''

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ: "تُنْكَحُ الْمَرْأَةُ لأَرْبَعٍ لِمَالِهَا وَلِحَسَبِهَا وَجَمَالِهَا وَلِدِينِهَا، فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّينِ تَرِبَتْ يَدَاكَ."

(بخاری: ۵۰۹۰، مسلم: ۱۴۶۶)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عورت سے چار چیزیں دیکھ کر نکاح کیا جاتا ہے اس کے مال کی وجہ سے، اس کی حیثیت کی وجہ سے، اس کی خوبصورتی کی وجہ سے، اس کی دینداری کی وجہ سے۔ پس اے مخاطب تو دیندار عورت کو اپنے نکاح میں لا کر کامیاب ہو جا تیرا بھلا ہو۔''

☆......زوجین کے انتخاب میں ایک اور وصف جس کا اہتمام کرنے کی ہدایت کی گئی ہے وہ باکرہ/کنواری لڑکی کا انتخاب ہے۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم " أَتَزَوَّجْتَ " . قُلْتُ نَعَمْ . قَالَ " بِكْرًا أَمْ ثَيِّبًا " . فَقُلْتُ ثَيِّبًا . قَالَ " أَفَلاَ بِكْرٌ تُلاَعِبُهَا وَتُلاَعِبُكَ " .

(سنن ابی داود:۲۰۴۸)

''حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تم نے شادی کی ہے میں نے کہا ہاں، فرمایا کہ باکرہ ہے یا ثیبہ ہے میں نے کہا ثیبہ ہے۔ فرمایا کہ باکرہ سے کیوں نہیں کی تو اس سے کھیلتا اور وہ تجھ سے کھیلتی۔''

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ شادی کے بعد کنواری لڑکی کے ساتھ ہنسی مذاق اور دل لگی کی باتیں کر کے ایک شوہر زیادہ لطف حاصل کر سکتا ہے بہ نسبت کسی بوڑھی عورت کے ـــــ اس ضمن میں لڑکیوں کے لیے بھی کنوارے/خوبصورت لڑکوں کے انتخاب کی ہدایت کی گئی ہے۔

☆......شادی کے سلسلے میں اگرچہ فریقین کے والدین/سرپرست یا ولی اپنے بچوں کے لیے جیون ساتھی کا انتخاب کر سکتے ہیں، انہیں نصیحت کر سکتے ہیں، مشورہ دے سکتے ہیں تاہم شادی کا حتمی فیصلہ لڑکے اور لڑکی کے اپنے آزادانہ انتخاب اور مرضی سے ہی ہو سکتا ہے۔ دیکھئے اللہ کے رسول ﷺ نے اس بارے میں کیا ہدایت فرمائی۔

" لاَ تُنْكَحُ الأَيِّمُ حَتَّى تُسْتَأْمَرَ وَلاَ تُنْكَحُ الْبِكْرُ حَتَّى تُسْتَأْذَنَ ". قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ وَكَيْفَ إِذْنُهَا قَالَ " أَنْ تَسْكُتَ ".

(بخاری:۵۱۳۶)

''بیوہ سے نکاح اس کے مشورہ کے بغیر نہ کیا جائے اور کنواری دوشیزہ کا نکاح اس کے اذن کے بغیر نہ کیا جائے۔'' صحابہ نے پوچھا:''یا رسول اللہ! اس کا

اذن کیسا ہوگا؟'' تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اس کا خاموش رہنا بھی اس کا اذن ہوتا ہے۔''

☆......بخاری میں ایک حدیث یوں روایت ہوئی ہے:

عَنْ خَنْسَاءَ بِنْتِ خِذَامٍ الأَنْصَارِيَّةِ، أَنَّ أَبَاهَا، زَوَّجَهَا وَهِيَ ثَيِّبٌ، فَكَرِهَتْ ذَلِكَ فَأَتَتْ رَسُولَ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم فَرَدَّ نِكَاحَهُ.

''خنساء بنت خذام کہتی ہیں کہ میرا نکاح میرے والد نے میری اجازت کے بغیر کر دیا جب کہ میں پہلے ایک نکاح کر چکی تھی۔ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس شکایت لے کر گئی تو آپ ﷺ نے میرا نکاح ختم کر دیا۔''

☆......مزید ایک دوسری حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے کنواری لڑکی سے شادی کرنے میں اس حکمت کا بھی اظہار فرمایا کہ کنواری لڑکی جلد ہی بارآور (حاملہ) ہو جاتی ہے، وہ خوش طبع ہوتی ہے اور تھوڑا دینے پر بھی راضی ہو جاتی ہے۔

☆......اسی طرح ایک دوسری حدیث میں فرمایا:

عَنْ مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ، قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ إِنِّي أَصَبْتُ امْرَأَةً ذَاتَ حَسَبٍ وَجَمَالٍ وَإِنَّهَا لاَ تَلِدُ أَفَأَتَزَوَّجُهَا قَالَ " لاَ " . ثُمَّ أَتَاهُ الثَّانِيَةَ فَنَهَاهُ ثُمَّ أَتَاهُ الثَّالِثَةَ فَقَالَ " تَزَوَّجُوا الْوَدُودَ الْوَلُودَ فَإِنِّي مُكَاثِرٌ بِكُمُ الأُمَمَ ". (سنن ابی داؤد: ۲۰۵۰)

''محبت کرنے والی اور بچے جننے والی عورتوں سے شادی کرو، تمہارے ساتھ میں دوسری امتوں پر فخر کروں گا۔''

☆......مزید برآں، ایک اور حدیث میں مردوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے ہونے والی بیوی کو ایک نظر دیکھ لیں تا کہ مستقبل میں کسی جسمانی عیب کی بناء پر کوئی مسئلہ پیدا نہ ہو۔

تاہم دیکھنے کی حد تک اجازت کو اس مروجہ کورٹ شپ/ ڈیٹنگ کے مترادف قرار نہیں دینا چاہیے جو مغربی ممالک میں رائج ہے اور بہت حد تک مسلمان ممالک میں بھی اس کا رواج جڑ پکڑتا جا رہا ہے۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ ، قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم : " إِذَا خَطَبَ أَحَدُكُمُ الْمَرْأَةَ فَإِنِ اسْتَطَاعَ أَنْ يَنْظُرَ إِلَى مَا يَدْعُوهُ إِلَى نِكَاحِهَا فَلْيَفْعَلْ. (سنن ابی داود:۲۰۸۲)

''حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی کسی عورت کو منگنی کا پیغام بھیجے تو اگر اس کی استطاعت میں ہو کہ جس کو نکاح کا پیغام دیا ہے اس کو دیکھے تو وہ ضرور ایسا کرے۔''

☆ ...... کنوارپن کے علاوہ، رسول اللہ ﷺ نے عورت کی خوبصورتی کے بارے میں بھی تاکید فرمائی ہے۔ ایک حدیث میں جس کا تعلق انسانی زندگی کے اس اہم ترین پہلو سے ہے، میں نہایت اعلیٰ علمی اور ادبی انداز میں اس امر کی وضاحت کی گئی ہے جس کی مثال شاید دنیا کے دیگر کسی مذہب کے لٹریچر میں ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ہے کہ بریرہ رضی اللہ عنہ نامی ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا نے جو مغیث نامی ایک حبشی کی بیوی تھی، اللہ کے رسول ﷺ سے حاضری کی اجازت چاہی اور شکایت گزار ہوئی کہ **''اے اللہ کے رسول ﷺ! میں اپنی زندگی کا ایک لمحہ بھی اب اپنے خاوند کے ساتھ نہیں گزار سکتی، اور نہ ہی میرا سر ایک تکیہ پر اس کے ساتھ رکھا جائے گا۔''** چند ثانیہ بعد وہ مزید گویا ہوئی میں اسے کسی ایمان کے عقیدے کی کمی کا الزام نہیں دیتی اور نہ ہی اس کی مردانہ خوبیوں کی شاکی ہوں تاہم مجھے ڈر ہے کہ میں خود وفاداری اور دینی تعلیمات سے بیگانگی کا شکار نہ ہو جاؤں، اگر خدانخواستہ مجھے اس کے ساتھ ایک لمحہ بھی گزارنا پڑا۔ میں نے ایک دفعہ اپنے خیمے کا پردہ اٹھایا تو میری نظر میرے شوہر پر پڑی جو دیگر لوگوں کے درمیان کھڑا تھا۔ وہ اس

گروہ میں اس قدر بدصورت، سیاہ رو (کالا بھجنگ) پستہ قد (Dwarfish) لگ رہا تھا کہ مجھے اس سے نفرت ہوگئی اور میں اب اس کے ساتھ نباہ نہیں کرسکتی'' ـــــ یہ الفاظ ایک ایسی شادی شدہ لڑکی کے منہ سے ادا ہوئے جو اس کی زندگی کے ایک اہم ترین جذباتی پہلو سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ الفاظ اس قدر خوبصورت اور نہایت اعلیٰ ادبی عربی میں کہے گئے ہیں کہ ایک انسان ان الفاظ میں پنہاں حسن و معنی کی تعریف کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ مزید برآں، یہ الفاظ ایک لونڈی کے منہ سے ادا ہوئے جس سے اس زمانے کی مسلمان لڑکی (خاندانی اور بڑے طبقے کی خواتین سے نہیں) بلکہ ایک لونڈی کی اعلیٰ علمی و ادبی قابلیت کا بھی اندازہ کرنا چنداں مشکل نہیں!◆

اس واقعے کے مضمرات کو جاننے کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس کے پس منظر سے بھی آگہی کی جائے ـــــ ایک مسلمان کنواری لڑکی کے جیون ساتھی کے انتخاب میں، اگرچہ باپ یا گارڈین (ولی) کی اجازت ضروری ہے تاہم اس لڑکی کی اپنی ذاتی مرضی/ رضا/ اجازت بھی ضروری قرار دی گئی ہے۔ اسلام عورت کے حقوق اور عزت نفس کا داعی اور علمبردار ہے اور اس ضمن میں اس کی خواہشات اور پسند کو بالخصوص ایک شوہر کی پسند کے لیے ضروری قرار دیتا ہے جس کے ساتھ اس نے عمر بھر نباہ کرنا ہے۔ اس لیے کوئی شخص بھی کسی نوجوان، کنواری لڑکی کو اس کی مرضی کے خلاف شادی کرنے پر مجبور نہیں کرسکتا۔ اس حدیث میں یہ حبشی (ایتھوپین) لڑکی ابولہب کے بیٹے عقبہ کی لونڈی تھی جس نے اس کی شادی مغیث نامی حبشی غلام سے جبراً کردی کہ وہ اسلام لانے سے پہلے غلامی کی حالت میں مجبور تھی۔ وہ اس رشتے کو ہرگز قبول نہ کرتی اگر وہ آزاد حالت میں اپنی مرضی کی خود مالک

◆ اسلامی تعلیمات نے ان جاہل اوران پڑھ عربوں اس قدر کا یا کلپ کردی کہ:

تری نگاہ سے ذرے بھی مہر و ماہ بنے
گدائے بے سر و ساماں جہاں پناہ بنے!
(مظہرالدین صدیقی)

ہوتی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اسے خرید کر آزاد کر دیا، تب اس نے یہ محسوس کیا کہ اب وہ آزاد ہونے کی بناء پر اپنے فیصلوں میں خود مختار ہے تو اس نے اپنے شوہر سے طلاق لینے کا مطالبہ کیا (جسے اسلامی اصطلاح میں خلع کہتے ہیں اور جو عورت کا حق تسلیم کیا گیا ہے) خاوند نے اس کی بات سے اتفاق نہ کیا اور اس کے پیچھے روتا ہوا مدینے کی گلیوں میں گیا۔ یہ واقعہ جب اللہ کے رسول ﷺ نے دیکھا تو آپ ﷺ بہت متاثر ہوئے۔ آپ ﷺ نے بریرہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ وہ کیوں اپنے خاوند کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی؟ ____ اس لڑکی نے کہا کہ ''اے پیغمبر خدا کیا آپ ﷺ مجھے اس کا حکم دے رہے ہیں؟''۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ''نہیں میں صرف خاوند کی طرف سے دخل دینے (مصالحت) کی کوشش کر رہا ہوں۔'' اس پر اس نے کہا: ''مجھے اس کی ضرورت نہیں۔'' یوں اللہ کے رسول ﷺ نے اسے خلع دلا دی۔ (سنن نسائی: ۵۴۱۷، بخاری: ۵۲۸۳)

اس حدیث سے یہ اہم ترین سبق حاصل ہوتا ہے کہ **رسول ﷺ نے عورت کے نہایت نازک جذبات کی پذیرائی فرمائی جس سے عورتوں کے حقوق کی اہمیت واضح ہوتی ہے** اور اس حق کی انتہا یہ ہے کہ اس عورت نے رسول ﷺ اللہ کی نصیحت/مشورے کو قبول نہ کرتے ہوئے اپنے حق پر اصرار کیا جو اللہ کے قانون نے اسے دیا تھا اور سب سے بڑھ کر یہ امر کہ رسول اللہ ﷺ نے عورت کے اس حق کو تسلیم کرتے ہوئے امت مسلمہ کو عملاً یہ سبق دیا جو مستقبل میں آنے والے ''بڑے لوگوں'' (والدین یا دیگر مذہبی راہنماؤں) کے لیے ایک مینارہ نور کی حیثیت رکھتا ہے کہ وہ بھی عورتوں (بیوی/ بیٹی/ بہن) کے جائز حقوق اور معاملات میں اس طرز عمل کی پیروی کریں۔ یہ سنت کا تقاضہ ہے!

شادی

گزشتہ صفحات میں بتایا جا چکا ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں جنسی تسکین کے چار مختلف طریقے رائج تھے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ان جذبات کی تسکین کے لیے صرف نکاح

کے طریقے کی اجازت دی۔اس ضمن میں مختلف احادیث درج ذیل ہیں:

☆......'' نکاح ر شادی کرنا میری سنت ہے جو کوئی بھی اس طریقے سے اجتناب کرتا ہے وہ میری سنت سے اعراض کرتا ہے۔''(بخاری:٥٠٦)

☆......ایک دوسری حدیث میں نوجوان طبقے کو نکاح کرنے کی یوں ترغیب دلائی:

''اے نوجوانوں کے گروہ! تم میں سے جو شخص نکاح کی طاقت رکھتا ہے تو اس کو ضرور نکاح کرنا چاہیے کیونکہ نکاح آنکھوں کو بہت نیچا رکھنے والا اور بدکاری سے بچانے والا ہے لیکن تم میں سے جو طاقت نہ رکھتا ہو تو اس کو روزوں کا اہتمام کرنا چاہیے کیونکہ روزہ اس کی شہوت کو کچلنے کا ذریعہ ہے۔''

(صحیح مسلم:١٤٠٠،صحیح بخاری:٥٠٦٦)

موجودہ زمانے میں نوجوان نسل کی شادی میں مختلف رسوم اور اخراجات کی بناء پر جو مشکلات امت نے خود اپنے اوپر عائد کر لی ہیں۔اس حدیث کی روشنی میں سادگی سے ساتھ اس ادارے کو قائم کرنے کی ضرورت ہے۔

☆......ایک اور حدیث جو ترمذی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے آئی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: شادی ر بیاہ کا اعلان کرو اور اس تقریب کا اہتمام مساجد میں کیا کرو اور اس موقعہ پر دف بھی بجایا کرو۔

" أَعْلِنُوا هَذَا النِّكَاحَ وَاجْعَلُوهُ فِي الْمَسَاجِدِ وَاضْرِبُوا عَلَيْهِ بِالدُّفُوفِ". (ترمذی:١٠٨٩)

☆...... ایک اور حدیث جو ترمذی میں روایت کردہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسے افراد کو اللہ تعالیٰ کے انعام اور رضا کی خوشخبری دی جو ایک پاکیزہ زندگی بسر کرنے کے لیے شادی کرتے ہیں:

" ثَلَاثَةٌ حَقٌّ عَلَى اللَّهِ عَوْنُهُمُ الْمُجَاهِدُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ

وَالْمُكَاتَبُ الَّذِي يُرِيدُ الأَدَاءَ وَالنَّاكِحُ الَّذِي يُرِيدُ الْعَفَافَ".

(ترمذی:۱۶۵۵)

''اللہ تعالیٰ نے ازخود تین قسم کے افراد کو مدد دینے کا وعدہ فرمایا ہے، ایک وہ مجاہد جو اللہ کی راہ میں جہاد کرنا چاہتا ہو، دوسرا وہ کام کرنے کا خواہش مند شخص جو اپنا قرض ادا کرنے کا پکا ارادہ رکھتا ہو اور ایک وہ شخص جو ایک پاکیزہ اور باعفت زندگی بسر کرنے کے لیے شادی کا خواہاں ہو۔''

مقاصد نکاح

چونکہ شادی کے ذریعے زوجین کے درمیان محبت اور باہمی ہمدردی کے جذبات پیدا ہوتے ہیں اس لیے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۵۰۵ھ) اور دیگر فقہاء نے مقاصد نکاح کے بارے میں بہت تفصیل کے ساتھ خامہ فرسائی کی ہے جن کے بارے میں مختصراً معلومات ذیل میں درج کی جارہی ہیں۔

(الف) بچوں کی پیدائش

قرآن کریم میں شادی کے نتیجے میں زوجین کے ہاں بچوں کی پیدائش کو ایک اہم ترین مقصد کی حیثیت سے گنوایا گیا ہے۔

☆......شادی کے مقاصد اولین میں بچوں کی پیدائش کو متعدد احادیث میں بھی بیان کیا گیا ہے۔ سنن ابوداؤد کی روایت ہے کہ کسی شخص نے رسول اللہ ﷺ سے اجازت طلب کی ایک بہت خوبصورت، دولت مند خاتون سے شادی کرے جس کا تعلق بہت معزز خاندان سے تھا لیکن وہ عورت بانجھ تھی، اللہ کے رسول ﷺ نے دو مرتبہ اجازت دینے سے انکار فرمایا اور تیسری مرتبہ پوچھنے پر فرمایا: ''ایسی عورت سے شادی کرو جو بہت زیادہ محبت کرنے والی اور بچے جننے والی ہو کیونکہ میں روزِ قیامت اپنی امت کی کثرت پر فخر کروں گا۔''

(ب) فطری جذبے کی تسکین

چونکہ انسانوں میں جنسیت ایک بہت زبردست اور طاقتور جبلی جذبہ ہے پس مسلمانوں کو پاکباز رکھنے اور معاشرے میں شرم وحیا کا ماحول برقرار رکھنے کے لیے، اسلام نے زوجین کے درمیان جنسی تعلق (مباشرت) قائم کرنے اور یوں ایک دوسرے سے حظ اور لذت کے حصول پر کوئی ناروا پابندی نہیں لگائی۔ایک حدیث میں جو صحیح مسلم میں روایت کی گئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

☆......''اپنی بیوی سے جنسی لذت کا حصول ایک صدقہ ہے'' ــــــ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس پر حیرت وتعجب کا اظہار کیا تو آپ ﷺ نے وضاحت فرمائی کہ:''تم کیا سمجھتے ہو اگر کوئی شخص ناجائز طریق پر اپنی جنسی تسکین کرتا ہے تو کیا وہ سزا کا مستحق نہیں ہوتا؟'' پس جب وہ اس کی تسکین جائز ذریعے اور طریقے سے کرے تو کیا اسے انعام سے نہیں نوازا جانا چاہیے؟''۔(مسلم:۱۰۰۶)

☆......قرآن کریم نے زوجین کے درمیان جنسی تعلق کو باہمی محبت اور مودت و رحمت کا ذریعہ قرار دیا ہے۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ۭ (سورہ الروم:۲۱)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

عَنْ أَنَسٍ، قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ " حُبِّبَ إِلَيَّ مِنَ الدُّنْيَا النِّسَاءُ وَالطِّيبُ وَجُعِلَ قُرَّةُ عَيْنِي فِي الصَّلاَةِ ".

(سنن نسائی:۳۹۳۹)

دنیا کی دو اشیاء میرے لیے مرغوب خاطر ہیں ــــــ بیوی اور خوشبو اور نماز میری آنکھوں کی ٹھنڈک۔

ج) زوجین کے درمیان جنسی تعلق

مختلف احادیث کا مطالعہ کرنے سے اس امر پر بہت حیرت ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بہت ہی عمدہ طریق پر زوجین کے درمیان انتہائی پرائیوٹ نوعیت کے تعلقات از قسم مباشرت کی حالتوں کے بارے میں بھی راہنمائی فرمائی ہے۔ نیز حیض و نفاس کے بعد طہارت کا حصول جیسے موضوعات جن کا تعلق ایک مسلمان کی روزمرہ عملی زندگی میں نماز، قرآن پڑھنے جیسے امور سے ہے کے بارے میں بھی راہ نمائی فرمائی ہے جو ہم کسی دوسرے باب میں زیر بحث لائے ہیں۔

شب زفاف (شادی کی پہلی رات) میں اپنی بیوی سے پہلی مرتبہ ملنے پر ایک خاوند کے لیے اللہ کے رسول ﷺ نے یہ راہنمائی فرمائی کہ: ''جب تم میں سے کوئی شخص کسی عورت سے شادی کرے تو اسے چاہیے کہ وہ اپنی بیوی کی پیشانی کے بالوں کی ایک لٹ کو اپنے ہاتھ سے پکڑ کر، اللہ تعالیٰ کا پاک نام لے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرے: اے اللہ! میں آپ سے ہر اس خیر اور بھلائی کی درخواست کرتا ہوں جو اس عورت میں ہے اور ہر وہ خیر جو آپ نے اس میں پیدا فرمائی ہے اور میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں ہر اس برائی سے جو اس میں ہے اور ہر اس برائی سے جو آپ نے اس میں پیدا فرمائی ہے۔''

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم "أَمَا لَوْ أَنَّ أَحَدَهُمْ يَقُولُ حِينَ يَأْتِي أَهْلَهُ بِاسْمِ اللَّهِ، اللَّهُمَّ جَنِّبْنِي الشَّيْطَانَ، وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا. ثُمَّ قُدِّرَ بَيْنَهُمَا فِي ذَلِكَ، أَوْ قُضِيَ وَلَدٌ، لَمْ يَضُرَّهُ شَيْطَانٌ أَبَدًا".

(بخاری: ۵۱۶۵، ۷۳۹۶، مسلم: ۱۴۳۴/a)

☆......اس ضمن میں گذشتہ کسی باب میں اس حدیث کو بھی پیش نظر رکھنا ضروری ہے جس میں آپ ﷺ کی پہلی ملاقات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہوئی تھی۔

شوہروں کو بھی اس امر کی ہدایت کی گئی ہے کہ وہ اپنی بیویوں کے ساتھ مباشرت کرنے میں احتیاط کے دامن کو ہاتھ سے نہ چھوڑیں۔فقہاء کرام نے یہ مشورہ دیا ہے کہ:اگر بیوی کسی وجہ سے شوہر کے مباشرت کرنے کی متحمل نہیں ہوسکتی تو اسے چاہیے کہ اس کی صحت اور ناسازیٔ طبع کا خیال کرے جس حد تک ممکن ہو۔

غیر محرم سے ملاقات پر پابندی

☆......اگرچہ اسلام میں مرد وعورت کے لیے شادی بیاہ کرنے کی حوصلہ افزائی کی ہے تاہم کسی غیر محرم عورت اور مرد کے تنہائی میں ملنے کی سختی کے ساتھ ممانعت ہے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''کسی آدمی کو کسی نامحرم عورت کے ساتھ تنہائی میں ملنے کی اجازت نہیں۔ایسی حالت میں شیطان ایک تیسری پارٹی کے طور پر ان کے ساتھ ہوتا ہے۔''

" أَلَا لَا يَبِيتَنَّ رَجُلٌ عِنْدَ امْرَأَةٍ ثَيِّبٍ إِلَّا أَنْ يَكُونَ نَاكِحًا أَوْ ذَا مَحْرَمٍ ". (مسلم:۲۱۷۱)

''خبردار کوئی! شخص کسی بیاہی ہوئی خاتون (اجنبی) کے پاس رات ہرگز بسر نہ کرے، ہاں! اگر وہ مرد خاوند ہو یا محرم ہو۔''

"لَا يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ إِلَّا كَانَ ثَالِثَهُمَا الشَّيْطَانُ".

(ترمذی:۱۱۷۱)

''کوئی شخص کسی عورت کے ساتھ خلوت نہ کرے (علیحدگی میں خلوت کرنے کی صورت میں) تیسرا شیطان ہوتا ہے۔''

☆......نوجوان لڑکوں کو اکثر اس بات کا بھی مغالطہ ہوتا ہے کہ ان کے عضو مخصوص سے سفید لیس دار رطوبت/ مائع کا اخراج ہوتا رہتا ہے۔دراصل یہ سفیدی مائل لیس دار رطوبت پرائیٹ گلینڈ سے نکلتی ہے جسے مذی کہتے ہیں۔یہ رطوبت بالعموم غیر شادی شدہ نوجوانوں کے عضو مخصوص سے اکثر خارج ہوتی ہے جب بھی انہیں جنسی خیالات کا غلبہ ہوتا

ہے۔ ایسے عالم میں اکثر جوانوں کو یہ خیال ہوتا ہے کہ انہیں احتلام کی طرح غسل کرنا ضروری ہے۔ ایسی حالت میں غسل کرنا ضروری نہیں۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مذی کی زیادتی کی شکایت تھی۔ چونکہ وہ اللہ کے رسول ﷺ کے داماد تھے، اس لیے انہیں براہ راست آپ ﷺ سے اس مسئلے پر بات کرنے میں حیا مانع ہوتی تھی۔ پس انہوں نے کسی دوسرے صحابی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ وہ اس بارے میں آپ ﷺ سے معلوم کریں۔ آپ ﷺ نے جواب دیا اس قسم کی رطوبت نکلنے سے غسل کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ایسے شخص کو چاہیے کہ وہ صرف اپنے عضو کو پانی سے دھو لے اور نماز سے پہلے وضو کرلے۔ یاد رہے کہ چند فقہائے کرام کے نزدیک مادۂ منویہ بھی نجاست خفیفہ (چھوٹی نجاست) کے زمرے میں آتی ہے۔ ان کے نزدیک منی کے خشک ہوجانے پر اسے کپڑے پر سے رگڑ کر صاف کردینے سے کپڑا پاک ہوجاتا ہے۔

☆...... اس ضمن میں اس امر کی صراحت شاید ضروری ہو کہ موجودہ دور کا انسان بالخصوص نوجوان نسل (لڑکے اور لڑکیاں) جنسی اشتعال سے ہر وقت دوچار رہتے ہیں۔ بازار، تعلیم گاہوں میں مخلوط تعلیم، اخبارات اور ٹی وی میں عریاں مناظر اور اشتہارات، ڈراموں اور ناولوں میں ایک بہت ہی عیاشانہ طرز زندگی کی نمائش وغیرہ ایسے عوامل ہیں جو نوجوان نسل کو ہر وقت برانگیختہ کرتے رہتے ہیں۔ ایسے عالم میں قرآن کریم کی غضِ بصر کی آیات (سورہ نور: ۳۰۔۳۱) کی حکمتوں اور نزاکتوں پر غور کرنے سے ایک انسان عش عش کر اٹھتا ہے۔ تاہم جہاں اس سلسلے میں محرم اور غیر محرم رشتے داروں کی تخصیص کی گئی ہے، وہاں مرد و عورت کے ستر کے حدود بھی بتائے گئے ہیں۔ اختلاط مرد و زن کی سخت ممانعت کی گئی ہے، تاہم شادی کے لیے اپنی منگیتر کو دیکھنے کی اجازت بھی اللہ کے رسول ﷺ نے دی ہے۔ گزشتہ صفحات میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث درج کی ہے۔ اسی طرح کی ایک دوسری حدیث نبوی ﷺ کی رو سے ایک صحابی نے اللہ کے رسول ﷺ کو انصار

کی کسی عورت سے شادی کرنے کے بارے میں بتایا۔ آپ ﷺ نے پوچھا کہ ''کیا تم نے اسے دیکھ لیا ہے؟'' صحابی رضی اللہ عنہ نے جواب نفی میں دیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''جاؤ اور اس پر ایک نظر ڈال کر دیکھ لو، کیونکہ انصار کی عورتوں کی آنکھوں میں عام طور پر کوئی نقص ہوتا ہے۔'' (مسلم: ۱۴۲۴، ترمذی: ۱۰۸۷)

☆......اسی طرح ایک شوہر کو اس امر کی اجازت ہے کہ وہ اپنی بیوی کے کسی بھی جسمانی حصے پر نظر ڈال سکے تاہم یہ بہتر ہے کہ اس کے ساتھ مباشرت کے وقت کوئی کپڑا اوڑھ لیا جائے۔ (ابوداود: ۲۷۲)

☆......جیسا کہ درج بالا سطور میں اشارہ کیا گیا کہ موجودہ دور میں اس عمر کے بچوں کو انٹرنیٹ، ٹی وی اور دیگر عریاں لٹریچر تک رسائی ہے۔ انہیں جنسی امور/افعال سے بھی آ گہی ہے اور لڑکے، لڑکیوں کے آزادانہ میل جول کی وجہ سے ان کے اندر جنسی جذبات کا بھڑک جانا بھی اتنا غیر فطری عمل نہیں، پس اس باہمی اختلاط کو ہر صورت میں روکنا بہت ضروری ہے۔ اس امر کی ایک بہترین مثال ایک حدیث نبوی نبوی ﷺ سے ملتی ہے:

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبَّاسٍ. رضی الله عنهما . قَالَ كَانَ الْفَضْلُ رَدِيفَ رَسُولِ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم فَجَاءَتِ امْرَأَةٌ مِنْ خَثْعَمَ، فَجَعَلَ الْفَضْلُ يَنْظُرُ إِلَيْهَا وَتَنْظُرُ إِلَيْهِ، وَجَعَلَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يَصْرِفُ وَجْهَ الْفَضْلِ إِلَى الشِّقِّ الآخَرِ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ فَرِيضَةَ اللَّهِ عَلَى عِبَادِهِ فِي الْحَجِّ أَدْرَكَتْ أَبِي شَيْخًا كَبِيرًا، لاَ يَثْبُتُ عَلَى الرَّاحِلَةِ، أَفَأَحُجُّ عَنْهُ قَالَ " نَعَمْ ". وَذَلِكَ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ. (بخاری: ۱۵۱۳، ۴۳۹۹، ۶۲۲۸)

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر فضل بن عباس رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی سواری پر پیچھے بیٹھے ہوئے تھے اس اثناء میں قبیلہ بنی خثعم کی ایک عورت بارگاہِ رسالت ﷺ میں حاضر ہوئی فضل

بن عباس رضی اللہ عنہ اس عورت کو دیکھنے لگے اور عورت ان کو دیکھنے لگی۔ حضور ﷺ نے فضل بن عباس رضی اللہ عنہ کا چہرہ دوسری طرف پھیر دیا۔ اس کے بعد اس عورت نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ بلاشبہ اللہ کے فرض حج نے میرے بوڑھے باپ کو پالیا ہے اور وہ اس قدر بوڑھے ہے اور ضعیف ہیں کہ سواری پر جم کر نہیں بیٹھ سکتے تو کیا میں ان کی طرف سے حج کرلوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں! (باپ کی طرف سے حج کرلو)۔''

جامع ترمذی میں مزید یہ مروی ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اللہ کے رسول ﷺ سے پوچھا کہ انہوں نے اپنے بھتیجے کا منہ کیوں دوسری جانب پھیر دیا تھا؟ پیغمبر ﷺ نے فرمایا: ''کہ جب میں نے ایک مرد اور عورت کو دیکھا، مجھے ڈر پیدا ہوا کہ مبادا وہاں کوئی فتنہ جنم لے۔''

ظاہر ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ، ہمیشہ نوجوانوں کے جنسی اخلاق کی تربیت کے بارے میں بہت محتاط رہتے تھے مبادا وہ کسی فتنے میں مبتلا ہو جائیں۔ پس والدین اور اساتذہ کے لیے یہ بہت ضروری ہے کہ وہ اپنے بچوں اور طلباء کو بلوغت اور عائلی زندگی کی تعلیم وتربیت کے ذریعے انہیں کسی قسم کے فتنے میں مبتلا ہونے سے بچانے کا اہتمام کریں۔

☆ ...... اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم / صحابیات رضی اللہ عنہن اور ان کے واسطے سے قیامت تک کے لیے آنے والی امت کو ان تمام امور سے بھی آگاہ کیا جو روزمرہ زندگی میں اکثر و بیشتر پیش آتے رہتے ہیں اور جن کے بہ احسن اور خوش اسلوبی کے ساتھ سرانجام پا جانے کی صورت میں انسان کی عائلی/ گھریلو زندگی جنت کا نمونہ بن جاتی ہے اور خدانخواستہ، جن پر عمل نہ کرنے کے نتیجے میں بعض اوقات گھریلو زندگی تلخیوں کا شکار بھی ہو جاتی ہے۔ ذیل کی دو احادیث اس ضمن میں، خاوندوں کے لیے قیامت تک کے لیے ایک راہ نما اصول کی حیثیت سے نہ صرف یاد رکھنے کے لائق ہیں بلکہ عمل پر بھی ابھارنے والی ہیں۔

جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ ، يَقُولُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ : " إِذَا أَطَالَ أَحَدُكُمُ الْغَيْبَةَ فَلَا يَطْرُقْ أَهْلَهُ لَيْلًا ۔"

(بخاری: ۵۲۴۴،۵۲۴۵)

''جب تم میں سے کوئی گھر سے زیادہ مدت تک غیر حاضر رہے تو رات کے وقت اپنے گھر والوں کے پاس نہ جائے۔''

مقصود یہ ہے کہ اپنی آمد کی اطلاع کے ذریعے خواتین کو اس حد تک موقعہ دیا جائے کہ وہ اپنی جسمانی مسائل (بالخصوص جسم کے غیر ضروری بال صاف) کر کے صاف ستھرے کپڑے پہن لیں جو بالعموم گھریلو کام کاج کی وجہ سے کسی حد تک میلے ہو جاتے ہیں۔ شوہروں کے لیے بالعموم اور سفر یا کسی وجہ سے دیر بعد ملاقات ہونے کی تاکید کا یہ پہلو، ایک خاص اہمیت کا حامل ہے جس سے ایک انسان کی عائلی زندگی خوشگوار رہتی ہے!

خواتین کی زندگی میں طہارت و پاکیزگی کا تصور

اسلام میں طہارت و پاکیزگی کو جو اہمیت حاصل ہے، وہ محتاجِ تعارف نہیں کہ اس کے بغیر نماز کی ادائیگی اور قرآن کو چھونے کی بھی ممانعت ہے۔ اسی وجہ سے اسے نصف ایمان (الطہارۃ نصف الایمان) قرار دیا گیا ہے اور اکثر محدثین کرام نے اپنی کتب احادیث و فقہ کا آغاز ''باب الطہارۃ'' سے کیا ہے۔ سورۃ النساء: ۴: ۴۳۔ اور سورۃ المائدہ ۷۔۵: ۶ سے ہمیں یہ ہدایت ملتی ہے کہ جنابت کی حالت میں غسل کیا جائے اور حالت سفر میں بھی رفع حاجت یا اپنی بیویوں سے مباشرت کے بعد، غسل کیا جائے۔ تاہم اگر کبھی بیماری کی وجہ سے یا پانی نہ ملنے کی بناء پر غسل کرنا ممکن نہ ہو تو پھر پاک مٹی سے تیمم کیا جائے۔

اگرچہ عورتوں کو فطری طور پر مختلف ادوار میں حیض و نفاس کے مراحل سے گزرنا پڑتا ہے جو اسے بیماری کی حالت سے کسی قدر قریب تر کر دیتے ہیں کہ دراصل اس وقت صحت

اور مرض کے درمیان کوئی واضح خط کھینچنا مشکل ہو جاتا ہے۔قرآن کریم نے اس حالت کو ایک ''گندگی'' کی حالت قرار دیا ہے اور ان کے قریب نہ جانے (مباشرت سے ممانعت) کا حکم دیا ہے حتیٰ کہ وہ پاک ہو جائیں۔(سورہ البقرۃ: ۲:۲۲۲) اگرچہ خواتین دور جاہلیت میں بھی ان حالات میں اپنے جسم کو صاف کرتی ہوں گی تاہم قبولِ اسلام کے بعد ان کی حس طہارت و نظافت اس قدر لطیف ہو گئی کہ وہ بہت اعتماد اور بالغ نظری کے ساتھ اس امر میں حضور ﷺ سے راہ نمائی لینے لگیں۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک انصاری صحابیہ رضی اللہ عنہا اسماء بنت یزید ابن سلمان نے اللہ کے رسول ﷺ سے حیض کے بعد غسل کا طریقہ پوچھا۔آپ ﷺ نے جواب مرحمت فرمایا: ''تم میں سے وہ عورت جو اس مرحلے سے فارغ ہوئی ہو اسے چاہیے کہ پانی لے کر اپنے آپ کو صاف کرے، پھر اپنے جسم پر پانی ڈالے، پھر ایک کپڑے کے ساتھ جسے خوشبو لگائی گئی ہو، اپنے جسم کے حصوں کو صاف کرے۔اسماء رضی اللہ عنہا نے پھر پوچھا کہ: ''اپنے آپ کو کس طرح صاف کرے؟'' اللہ کے رسول ﷺ نے جواب عنایت فرمایا: سبحان اللہ تمام (عورتیں) اپنے آپ کو صاف کرتی ہیں۔اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سرگوشی میں کہا: ''اپنے جسم کے (مخصوص حصوں) سے خون کے تمام تر آثار صاف کیا جائے۔''

(صحیح البخاری: ۳۱۴، ۳۱۵۔نیز صحیح مسلم: سی/ ۳۳۲)

☆ ...... اسماء رضی اللہ عنہا نے اللہ کے رسول ﷺ سے حالت جنابت کی وجہ سے بھی غسل کا طریقہ معلوم کیا۔حضور اکرم ﷺ نے جواب عنایت فرمایا کہ ''پانی سے اپنے جسم کو اچھی طرح سے صاف کرو اور پھر تمام جسم کو صاف کرو۔پھر اپنے سر پر اچھی طرح پانی ڈال کر گیلا کرو حتیٰ کہ پانی بالوں کی جڑوں تک پہنچ جائے اور پھر تمام جسم پر پانی انڈیلو۔'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس پر کہا کہ ''انصار کی عورتیں کس قدر اچھی ہیں۔غیر ضروری جھجک کی وجہ سے اپنے دین کو سمجھنے میں کوئی کوتاہی نہیں کرتیں۔''

(صحیح مسلم: سی/ ۳۳۲)

☆......اس ضمن میں ایک اور حدیث ہے جو صحیح مسلم میں روایت کردہ ہے:

عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ، قَالَتْ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ إِنِّي امْرَأَةٌ أَشُدُّ ضَفْرَ رَأْسِي فَأَنْقُضُهُ لِغُسْلِ الْجَنَابَةِ قَالَ "لَا إِنَّمَا يَكْفِيكِ أَنْ تَحْثِي عَلَى رَأْسِكِ ثَلَاثَ حَثَيَاتٍ ثُمَّ تُفِيضِينَ عَلَيْكِ الْمَاءَ فَتَطْهُرِينَ." (مسلم: ا ے/ ۳۳۰)

''حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں ایک ایسی عورت ہوں جو اپنے سر کی مینڈھیاں کس کے باندھتی ہوں تو کیا جب شوہر و بیوی کے میل ملاپ کی وجہ سے مجھ پر غسل فرض ہوا کرے تو غسل کرنے کے لیے اپنے سر کی مینڈھیاں کھولا کروں؟ (اس کے جواب میں سرورِ عالم ﷺ نے) فرمایا کہ نہیں (بال کھولنا ضروری نہیں بالوں کی جڑوں میں پانی پہنچانا ضروری ہے لہٰذا) یہ کافی ہے کہ تم اپنے سر پر تین لپ پانی ڈال لو پھر اپنے پورے بدن پر پانی بہالو۔ ایسا کرنے سے تم پاک ہو جاؤ گی۔''

اس ضمن میں مزید تفصیلی ہدایات کے لیے ہماری کتاب ''دیں ہمہ اوست'' (۲۰۱۸) کا مطالعہ مفید رہے گا جس میں منکرین حدیث اور معاملات مرد و زن کے متعدد اسی قسم کے اعتراضات کا جائزہ لیا گیا ہے۔

☆......اس دور کی خواتین طہارت اور پاکیزگی کے بارے میں اس قدر حساس ہو گئی تھیں کہ وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس روئی کے پھاہے پر اپنی رطوبت لگا کر مشورہ کرتی تھیں جس پر سیّدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا انہیں پھاہے کے مزید صاف ہونے اور چند دن ٹھہرنے کا مشورہ دیتی تھیں۔ (موطا امام مالک: ۱۲۹)

☆......صحیح بخاری کی روایت ہے کہ اسی قسم کا واقعہ ایک خاتون ثوبیہ بنت حارث الاسلمی رحمہا اللہ کو پیش آیا جو کہ سعد بن خولہ کی بیوی تھیں۔ ان کے خاوند حجۃ الوداع کے موقعہ پر وفات پا گئے اور وہ خاتون اس وقت حاملہ تھیں۔ شوہر کی وفات کے بعد بچے کی پیدائش

ہوئی۔ جب ان کی نفاس کی مدت ختم ہوئی تو انہیں شادی کے پیغام آنے شروع ہوئے۔ ایک آدمی ان کے پاس آیا اور کہا کہ ''میں کیوں تمہیں اس بات پر تیار دیکھ رہا ہوں کہ تمہیں شادی کے پیغامات مل رہے ہیں؟'' خدا کی قسم تم ہرگز شادی نہیں کرسکتیں جب تک چار ماہ دس دن کی مدت (جو بیوہ ہونے کی صورت میں گزارنی ہوتی ہے) نہیں گزار لیتیں۔ ثوبیہ رضی اللہ عنہا (نے بعد میں بتایا) کہ جب اس آدمی نے مجھے یہ کہا تو میں نے لباس تبدیل کیا اور شام کے وقت اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں پہنچ گئی اور آپ ﷺ سے مسئلہ دریافت کیا۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''تمہاری عدت کی مدت اس وقت ختم ہوگئی تھی جب تمہارے بچے کی ولادت ہوئی تھی'' اور مزید فرمایا کہ: ''میں اگر چاہوں تو شادی کرسکتی ہوں۔'' (بخاری: ۴۹۱۰)

اس قسم کی احادیث پڑھنے کے بعد سوچنا چاہیے کہ اگر دور اول کی خواتین نے اس قسم کے سوالات نہ کیے ہوتے تو آج ہم اس قسم کے مسائل کے بارے میں کیا کرتے؟ رسول اللہ ﷺ نے ایسے تمام معاملات میں جو راہ نمائی دی، وہ آخرت تک آنے والی امت کی عورتوں کے لیے ایک نعمت و رحمت ہے۔ اس حدیث کی بناء پر فقہ کے چاروں مکاتیب فکر یہ کہتے ہیں کہ کسی بیوہ کی عدت کی مدت، اگر وہ حاملہ ہے، تو اسی وقت تک ہی ہے جبکہ اس کے بچے کی ولادت ہو جائے، چاہے یہ خاوند کی وفات کے فوراً بعد ہی کیوں نہ واقع ہو اور اس کو دفن کرنے کے لیے نہلایا بھی نہ گیا ہو۔ ایسی صورت میں عورت کو دوبارہ شادی کرنے کی اجازت ہے!

☆ ؟انسانی زندگی میں ایسے بے شمار واقعات پیش آتے رہتے ہیں کہ کسی عورت کے ہاں بچے کی پیدائش نہیں ہوتی یا بچے تو پیدا ہوتے ہیں لیکن وہ مرجاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں ماں کے دل پر جو گزرتی ہے، اس کے جذبات کو بھانپتے ہوئے نیز اسے اس دنیا میں تسلی دینے کے لیے آپ ﷺ نے جو خوشخبری طبقہ اناث کو سنائی، اس کی قدر و قیمت کا اندازہ ذیل کی حدیث سے لگائیے کہ ایسی عورت کس قدر خوش قسمت ہوسکتی ہے

جسے دوزخ سے نجات کی خوش خبری خود اللہ کے رسول ﷺ دے رہے ہوں!

أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَتِ النِّسَاءُ لِلنَّبِيِّ ﷺ غَلَبَنَا عَلَيْكَ الرِّجَالُ، فَاجْعَلْ لَنَا يَوْمًا مِنْ نَفْسِكَ. فَوَعَدَهُنَّ يَوْمًا لَقِيَهُنَّ فِيهِ، فَوَعَظَهُنَّ وَأَمَرَهُنَّ، فَكَانَ فِيمَا قَالَ لَهُنَّ: "مَا مِنْكُنَّ امْرَأَةٌ تُقَدِّمُ ثَلَاثَةً مِنْ وَلَدِهَا إِلَّا كَانَ لَهَا حِجَابًا مِنَ النَّارِ." فَقَالَتِ امْرَأَةٌ وَاثْنَيْنِ فَقَالَ "وَاثْنَيْنِ." (البخاری:۱۰۱)

''حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ کی خدمت میں ایک صحابیہ حاضر ہوئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ! آپ ﷺ کی باتیں مردوں نے خوب حاصل کرلیں (اور ہم محروم رہی جارہی ہیں) لہٰذا اپنی طرف سے ایک دن ہمارے لیے مقرر فرمادیں۔ جس میں ہم آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوں اور آپ ﷺ ان معلومات میں سے جو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو عطا فرمائی ہیں ہم کو بتادیں۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا (اچھا) فلاں دن تم فلاں جگہ جمع ہوجانا۔ چنانچہ مقررہ دن اور جگہ پر صحابی عورتیں جمع ہوگئیں۔ اس کے بعد حضور ﷺ وہاں تشریف لے گئے اور ان کو اللہ کے دیئے ہوئے علوم میں سے بہت کچھ بتایا۔ پھر فرمایا کہ تم میں جو عورت اپنی زندگی میں تین بچے پہلے سے آخرت میں بھیج دے گی (یعنی تین بچوں کی موت پر صبر کرلے گی) تو یہ بچوں کا پہلے سے چلا جانا اس عورت کے لیے دوزخ سے آڑ بن جائے گا۔ ان میں سے ایک عورت نے سوال کیا یا رسول اللہ! اگر دو ہی بچوں کو آگے بھیجا ہو؟ یعنی کسی عورت کے دو ہی بچے فوت ہوئے اور انہیں پر صبر کرنے کا موقع ملا۔ تیسرے کی موت کی نوبت ہی نہ آئی تو کیا دو بچوں پر صبر کرنے کا بھی یہی مرتبہ ہے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اور دولڑ کے بھیج دینے کا بھی یہی مرتبہ ہے۔ دولڑ کے بھیج دینے کا بھی یہی

مرتبہ ہے۔''

☆......انسانی معاشرے میں شادی / بیاہ کے ذریعے نئے خاندان وجود میں آتے رہتے ہیں لیکن بے شمار معاشرتی مسائل ایسے ہیں جن کی وجہ سے زوجین میں ناچاقی ہوجاتی ہے اور نوبت طلاق تک پہنچ جاتی ہے۔ جہاں، اللہ کے رسول ﷺ نے طلاق کے بارے میں فرمایا کہ: ''تمام حلال چیزوں میں، اللہ کے ہاں سب سے ناپسندیدہ طلاق ہے'' (ابوداؤد: ۲۱۷۸) وہاں ایسے ماں باپ کو بھی تسلی وتشفی دینے نیز دنیا میں ان کے غم کو کم کرنے کے لیے آپ ﷺ نے وہ خوشخبری بھی دی جو ایک مسلمان ماں اور باپ کی آرزو اور آخری خواہش ہوسکتی ہے...... ملاحظہ فرمائیں رسول اللہ ﷺ کی محبت وشفقت کا اندازہ:

عَنْ سُرَاقَةَ بْنِ مَالِكٍ ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: "أَلَا أَدُلُّكُمْ عَلَى أَفْضَلِ الصَّدَقَةِ ابْنَتُكَ مَرْدُودَةً إِلَيْكَ لَيْسَ لَهَا كَاسِبٌ غَيْرُكَ." (ابن ماجہ: ۳۶۶۷)

''حضرت سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا: تمہیں افضل صدقہ نہ بتاؤں۔ تیری ایک بیٹی جو طلاق ہونے کی وجہ سے یا بیوہ ہونے کی وجہ سے تیرے پاس واپس لوٹ آئے اور جس کا سوائے تیرے اور کوئی کمانے والا نہ ہو (اس کو دینا سب سے افضل ہے)۔''

☆......اسی طرح انسانوں کو اپنی زندگی میں موت سے بھی دوچار ہونا پڑتا ہے۔ اگرچہ کسی بھی پیارے کی موت کا صدمہ تو ازخود ایک بہت بڑے سانحے سے کم نہیں ہوتا، تاہم ایک عورت کے لیے اس کے خاوند کی موت تو گویا اس کے لیے بھی ایک قسم کی موت ہی ہوتی ہے۔ خاوند کی موت سے وہ اس پر اعتماد اور فرحت پرور سائے سے محروم ہوجاتی ہے جس کے تحت وہ اپنی اور بچوں کی زندگی گزار رہی ہوتی ہے۔ عرب معاشرے میں بیوہ عورتوں کا کوئی پرسانِ حال نہیں ہوتا تھا۔ اس طرح یتیم بچوں کے سر پر بھی کوئی ہاتھ رکھنے

والانہیں ہوتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ من جملہ دیگر مصالح کے اللہ کریم نے قرآن کریم کی متعدد سورتوں (سورہ البقرہ، سورہ النساء) میں بیوہ اور یتیموں کی بہتری کے لیے تفصیلاً احکامات دیئے ہیں۔ تاہم آج کے پڑھے لکھے اور روشن خیال معاشرے میں بھی صورتِ حال عرب کے جاہل معاشرے سے کسی صورت بھی مختلف نہیں۔ کسی خاوند کی موت دراصل اس خاندان (بیوی/ بچوں) کے لیے بالخصوص اور اگر اس کے ماں باپ بھی زندہ ہوں تو پھر ان کے لیے بھی ایک ایسے عظیم حادثے سے کم نہیں ہوتا جس کے برے اثرات سے وہ بیوہ، یتیم بچے بے سہارا ہو کر نہایت کسمپرسی کی حالت میں زندگی گزارنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔۔۔۔۔ یہاں بھی اللہ کے رسول ﷺ کی بے پایاں محبت اور رحمت کا اتھاہ سمندر جوش میں آتا ہے اور بیوہ/ اس کے بچوں کے لیے ایسی خوشخبری کی نوید سناتے ہیں کہ بے اختیار ایک مومن/ مومنہ کا دل رسول اللہ ﷺ کے لیے درود و سلام کی تہنیت اور خراجِ عقیدت پیش کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ الأَشْجَعِيِّ، قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أَنَا وَامْرَأَةٌ سَفْعَاءُ الْخَدَّيْنِ كَهَاتَيْنِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ» وَأَوْمَأَ يَزِيدُ بِالْوُسْطَى وَالسَّبَّابَةِ «امْرَأَةٌ آمَتْ مِنْ زَوْجِهَا ذَاتُ مَنْصِبٍ وَجَمَالٍ حَبَسَتْ نَفْسَهَا عَلَى يَتَامَاهَا حَتَّى بَانُوا أَوْ مَاتُوا.»

(سنن أبی داود: ۵۱۴۹)

’’حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں اور ایک میلے کچیلے چہرہ والی عورت قیامت کے دن ان دو انگلیوں کی طرح پاس پاس ہوں گے (یزید بن ذریع رضی اللہ عنہ نے اسے بیان کرتے وقت اپنی شہادۃ اور بیچ کی دو انگلیوں کی طرف اشارہ کیا)۔ فرمایا وہ ایک ایسی عورت ہے کہ اس کا خاوند انتقال کر گیا اور حالت اور صورت میں اچھی خاصی ہوتے ہوئے اس نے کسی اور سے شادی نہ کی اور صرف اپنے یتیم

بچوں کو پالنے میں لگی رہی یہاں تک کہ وہ اس سے الگ ہونے کے قابل ہوگئے یا قضاءالٰہی سے مر گئے۔''

☆ ......رسول اللہ ﷺ نے ایسی ماؤں کو دوزخ کی آگ سے بچنے (باالفاظِ دیگر جنت) کی خوشخبری دی جس نے دولڑکیوں کی پرورش نگہداشت کی:

عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنها قَالَتْ دَخَلَتِ امْرَأَةٌ مَعَهَا ابْنَتَانِ لَهَا فَسَأَلَتْنِي ، فَلَمْ تَجِدْ عِنْدِي شَيْئًا غَيْرَ تَمْرَةٍ فَأَعْطَيْتُ إِيَّاهَا . فَقَسَمَتْهَا بَيْنَ ابْنَتَيْهَا وَلَمْ تَأْكُلْ مِنْهَا ، ثُمَّ قَامَتْ خَرَجَتْ ، فَدَخَلَ النَّبِيُّ ﷺ عَلَيْنَا ، فَأَخْبَرْتُهُ فَقَالَ : "مَنِ ابْتُلِي مِنْ هَذِهِ الْبَنَاتِ بِشَيْءٍ فَأَحْسَنَ إِلَيْهِنَّ كُنَّ لَهُ سِتْرًا مِنَ النَّارِ .

(مسلم:٢٦٢٩)

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک عورت میرے پاس آئی جس کے ساتھ اس کی دو بچیاں تھیں اس نے مجھ سے سوال کیا۔ میرے پاس ایک کھجور کے سوا کچھ نہ تھا میں نے وہ ایک کھجور ہی اس کو دے دی اس نے کھجور کے دو ٹکڑے کر کے دونوں بچیوں کو ایک ایک ٹکڑا دے دیا اور خود ذرا بھی کچھ نہ کھایا۔ اس کے بعد جیسے ہی وہ نکلی حضور ﷺ تشریف لائے میں نے آپ ﷺ کو پورا قصہ سنایا آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص لڑکیوں (کی دیکھ بھال اور پرورش) کے ساتھ مبتلا کیا گیا اور پھر اس نے ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا تو یہ لڑکیاں آتش دوزخ سے بچانے کے لیے اس کے واسطے آڑ بن جائیں گی۔''

یہاں ہم ام المومنین رضی اللہ عنہا اس عمل کے مضمرات کی جانب اپنے خواتین کی توجہ مبذول کرانا چاہتے ہیں کہ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس واقعہ کو جو بظاہر بہت معمولی نوعیت کا ہے، آپ ﷺ سے ذکر کرنا مناسب اور ضروری سمجھا ـــــ اس سے جہاں یہ پتہ چلتا ہے

کہ گھریلو امور میں میاں بیوی کے درمیان ایک بہت ہی غیر معمولی محبت اور الفت کا تعلق ہونا چاہیے وہاں اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اس بظاہر معمولی سی بات سے اللہ کے رسول ﷺ نے قیامت تک کے لیے امت کے لیے خوشخبری کی نوید سنا دی جو ذکر نہ ہونے کی صورت میں نہ ہو سکتی۔

☆......اسلامی معاشرے میں زوجین کے درمیان طلاق اور جدائی کو اچھا خیال نہیں کیا گیا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے طلاق کو جائز امور میں اللہ تعالیٰ کی نظر میں ناپسندیدہ ترین عمل قرار دیا۔ تاہم اکثر دیکھا گیا ہے کہ شوہر اپنی بیویوں کو تنگ کرنے کے لیے طلاق دینے کے بعد بچوں کو ماں سے چھین لینے کا حربہ اختیار کرتے ہیں۔ جو ازخود عورت کے لیے بہت گراں اور تکلیف دہ عمل ہوتا ہے۔ دیکھئے ایسی حالت میں حضور اکرم ﷺ کی محبت نے ماں کے جذبہ مادری کی کس قدر پاسداری فرمائی۔

عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو ، أَنَّ امْرَأَةً، قَالَتْ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّ ابْنِي هَذَا كَانَ بَطْنِي لَهُ وِعَاءً وَثَدْيِي لَهُ سِقَاءً وَحِجْرِي لَهُ حِوَاءً وَإِنَّ أَبَاهُ طَلَّقَنِي وَأَرَادَ أَنْ يَنْتَزِعَهُ مِنِّي فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللهِ ﷺ: "أَنْتِ أَحَقُّ بِهِ مَا لَمْ تَنْكِحِي." (ابو داؤد:۲۲۷۶)

"حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک عورت نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! بے شک یہ جو میرا بیٹا ہے **میرا پیٹ اس کے لیے برتن رہ چکا ہے اور میری چھاتی اس کے لیے مشکیزہ رہی ہے اور میری گود اس کے لیے حفاظت کی جگہ رہی ہے** اور اب ماجرا یہ ہے کہ اس کے باپ نے مجھے طلاق دے دی ہے اور اس کو مجھ سے علیحدہ کرنا چاہتا ہے اس کے جواب میں حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ تو اس کی پرورش کی زیادہ مستحق ہے جب تک کہ تو نکاح نہ کرلے۔"

یہاں ہم اپنی خواتین کو توجہ دلانا چاہتے ہیں جن کا یہ خیال ہے کہ اسلام میں عورتوں

میں علمی وادبی صلاحیت اور تعلیم حاصل کرنے کی حوصلہ شکنی کی جاتی ہے ـــــ اس عورت کی گفتگو کے علمی اور ادبی انداز کے حسن اور لطافت کا اندازہ ان الفاظ سے کیجیے جو اس نے پیٹ، چھاتی اور گود کے بارے میں استعمال کیے ـــــ خیال رہے کہ یہ ایک عام بدوی عورت کے الفاظ ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام نے اپنے دورعروج میں خواتین کی کس قدر تعلیم وتہذیب کا انتظام کیا تھا کہ وہ بہت فصاحت و بلاغت سے اپنا مافی الضمیر بیان کرنے کی حیرت انگیز صلاحیت سے بہرہ مند تھیں!

میاں بیوی کے جسمانی/جنسی تعلقات کے تسلسل سے دونوں کے باہمی تعلقات میں پختگی اور پائیداری پیدا ہوتی ہے بالخصوص اوائل شادی میں۔ تاہم ایک شادی شدہ زندگی کو دوام بخشنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ ان تعلقات کو جاری رکھا جائے کہ ایک مرد کو جس طرح عورت کی ضرورت ہوتی ہے، اسی طرح ایک عورت کو بھی مرد کی ضرورت ہوتی ہے۔ یوں دونوں ایک دوسرے کے ساتھ مل کر نہ صرف اپنی بلکہ خاندان کی خوشحالی اور سکون واطمینان کا سامان کرتے ہیں ـــــ یہ ایک امر واقعہ ہے جس کا مشاہدہ ہمارے معاشرے میں روزانہ کیا جا سکتا ہے کہ جب میاں بیوی کسی قدر بوڑھے ہونے لگتے ہیں تو ان کے تعلقات میں ایک جمود اور ٹھہراؤ پیدا ہو جاتا ہے ـــــ اس کی وجہ ان دونوں کے درمیان جنسی تعلقات کا بہت حد تک (یا مکمل طور پر) منقطع ہو جانا ہے۔ ایک ماہر نفسیات کے مطابق ''جب میاں بیوی کے ایک بستر پر سونے کا عمل منقطع ہو جاتا ہے تو پھر ان کے درمیان سے محبت کھڑکی کے راستے باہر چلی جاتی ہے۔''

(Rober Chartam, 1969)

☆...... ایک مرتبہ سلمان فارسی رضی اللہ عنہ، ابودرداء رضی اللہ عنہ کی ملاقات کے لیے تشریف لائے اور ام الدرداء رضی اللہ عنہا کو بڑی خستہ حالت میں دیکھا اور پوچھا کیا حال ہے؟ وہ بولیں تمہارے بھائی ابودرداء رضی اللہ عنہ کو دنیا سے کوئی سروکار نہیں۔ پھر ابودرداء رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو سلمان رضی اللہ عنہ کے سامنے کھانا پیش کیا۔ انہوں نے کہا کہ آپ کھایئے، میں روزے سے

ہوں۔سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بولے کہ میں اس وقت تک نہیں کھاؤں گا۔ جب تک آپ بھی نہ کھائیں۔ چنانچہ ابودرداء رضی اللہ عنہ نے بھی کھایا۔ رات ہوئی تو ابودرداء رضی اللہ عنہ نماز پڑھنے کی تیاری کرنے لگے۔سلمان نے کہا کہ سو جایئے، پھر جب آخر رات ہوئی تو ابودرداء رضی اللہ عنہ سے کہا اب اٹھیے، پھر دونوں نے نماز پڑھی۔اس کے بعد سلمان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ بلاشبہ تمہارے رب کا تم پر حق ہے اور تمہاری جان کا بھی تم پر حق ہے، تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے، پس سارے حق داروں کے حقوق ادا کرو۔ پھر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے اس کا ذکر کیا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ سلمان رضی اللہ عنہ نے سچ کہا ہے۔(صحیح البخاری:۶۱۳۹)

اس حدیث کے مطالعے سے ایک حساس فرد (بالخصوص خواتین) کی روح کو وجد میں آجانا چاہیے کہ آپ ﷺ نے قیامت تک کے لیے آنے والے خاوندوں کو ہدایت فرمائی کہ وہ اپنی بیویوں کے حقوق کا بھی اتنا ہی خیال کریں جتنا کہ وہ انفرادی عبادات کا خیال کرتے ہیں۔ توازن و اعتدال کی یہ وہی راہ اور خصوصیت ہے جو اسلام کا ایک امتیازی نشان ہے جس میں طبقۂ اناث کے حقوق کی پاسداری کا حکم دیا گیا ہے۔

طبقہ اناث کی زندگی کا ایک بہت ہی نمایاں ترین پہلو یہ رہا ہے کہ عورت کو حقیر جانتے ہوئے، انسانی تہذیب وتمدن کے ہر دور، میں اسے ہر قسم کے تشدد کا نشانہ بنایا جاتا رہا ہے۔تاریخ کے تاریک ترین دور سے لے کر عربوں کے زمانہ جاہلیت اور وہاں سے لے کر آج کے ''روشن ترین دور'' تک، عورت پر مرد کے ظلم وستم نہ صرف اسی طرح بلکہ شاید اس سے بھی زیادہ شدت کے ساتھ روا رکھے جا رہے ہیں ــــ ذیل میں اسی مضمون کی چند احادیث پیش کرنے کے ساتھ ہم ہر شخص کو دعوت دیں گے کہ ان احادیث کی روشنی میں وہ اپنے طرز عمل کا جائزہ لے۔

☆...... اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ (خاوند) دن کے

وقت اپنی بیوی کو مارے پیٹے جس طرح غلاموں کو مارتے ہیں اور رات کے وقت اس کے ساتھ ہم بستری کرے؟''۔ (بخاری: ۴۹۴۲، مسلم: ۲۸۵۵)

موجودہ زمانے میں یہ عام مشاہدے کی بات ہے کہ خاوند اپنی بیوی سے بہت معمولی باتوں پر ناراض ہو کر زجر و توبیخ کرنے لگتے ہیں۔۔۔۔۔ یہ حدیث موجودہ دور کے مردوں کو جو سبق دے رہی ہے، کیا اس پر عمل کرنا سنت نبوی کی پیروی کرنا نہیں؟

موجودہ زمانے میں ہندووانہ رسم و رواج اور مغرب کی نقالی میں شادی / بیاہ کا مسئلہ غریب اور متوسط خاندانوں کے لیے ایک بہت ہی گھمبیر صورت اختیار کر گیا ہے۔ کوٹھی، گاڑی، فرنیچر اور دیگر سامانِ جہیز کے مطالبات کی وجہ سے نوجوان لڑکیاں اپنے والدین کے گھروں میں بیٹھی رہتی ہیں۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ''بہترین شادی وہ ہے جس میں کم سے کم اخراجات ہوں۔'' (مشکوٰۃ)۔۔۔۔۔ رسول اللہ ﷺ کے اس اسوۂ حسنہ کی تعمیل کرنے سے امت مسلمہ کے بے شمار سماجی مسائل با آسانی حل ہو سکتے ہیں جن کا قلادہ امت نے خود اپنے گلے میں ڈال رکھا ہے۔

درج بالا صفحات اور سطور میں ہم نے جو احادیث نبوی ﷺ درج کی ہیں، ان میں سے ہر حدیث کے ایک ایک لفظ، معنی اور مفہوم سے واضح ہو رہا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے طبقہ نسواں کے لیے کس قدر محبت و شفقت کا اظہار فرمایا ہے اور کس طریق پر ان کے حقوق کی پاسداری کی ہے تا کہ اس سکون و اطمینان کے سبب جو زوجین کے درمیان باہمی محبت و مودت کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے، ان کی گھریلو زندگی اس دنیا میں بھی جنت کا نمونہ بن جائے۔ تاہم ذیل میں ہم ایک حدیث نبویہ ﷺ کا ذکر کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ جو انسانی زندگی میں محبت و احترام کے قیام اور فروغ کے لیے ضروری ہے۔ دیکھئے آپ ﷺ نے عورتوں کی تحسین کس بلیغ انداز میں فرمائی:

☆ ...... اللہ کے رسول ﷺ نے مسلمان مردوں کو مزید ہدایت دیتے ہوئے فرمایا کہ وہ اپنی بیویوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئیں۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ "خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لأَهْلِهِ وَأَنَا خَيْرُكُمْ لأَهْلِي". (سنن ابن ماجه ١٩٧٧)

''تم میں سے بہتر وہ ہے جو اپنے اہل وعیال کے لیے بہتر ہے اور میں اپنے اہل کے حق میں تم سب سے زیادہ بہتر ہوں۔''

باب ہشتم

تجھے اے زندگی لاؤں کہاں سے

گذشتہ صفحات میں رسول اللہ ﷺ کی عائلی زندگی کے حوالے سے جو گفتگو کی گئی ہے، وہ نہ صرف امت مسلمہ کے ہر طبقے (بچوں، نوجوانوں، لڑکے، لڑکیوں، شادی شدہ افراد اور بوڑھوں) کے لیے ایک مینارۂ نور کی حیثیت رکھتی ہے (جس پر عمل کرنا تقاضائے ایمان ہے)۔ تاہم یہ تمام تر راہ نمائی قیامت تک کے لئے آنے والے انسانوں کے لیے بھی ایک ایسی شاہراہ ہے جس پر چل کر آج کا انسان، جو اپنی علمی و عملی کوتاہیوں، کم نظری و کم فہمی کا شکار ہو کر نہ معلوم انسانیت کی قبا کو کس قدر چاک کر دینے کا سبب بنا ہے، وہ بھی اگر ٹھنڈے دل سے ہر قسم کے تعصّبات اور ذہنی میلانات کو دور کر کے غور وفکر کرے تو اس کی موجودہ زندگی، جو فرد سے لے کر اجتماع کی سب سے بڑی صورت (عالمی سطح پر) انتشار اور افتراق کا شکار ہے، اسے ان تمام تفکرات اور لڑائی دنگے سے محفوظ و مامون کر سکتے ہیں۔

حضور ﷺ کی عائلی زندگی کے حوالے سے اس ذکر خیر کا خاتمہ بھی ہم آپ ﷺ کی زندگی کے ایک ایسے پہلو سے کرنا چاہتے جس سے کسی ذی روح کو مفر نہیں۔ اس ضمن میں آنحضرت ﷺ کی زندگی کے دو پہلو اس قدر اہمیت کے حامل ہیں کہ آپ ﷺ کی سیرت کا مطالعہ کرتے وقت اکثر و بیشتر وہ ذہن سے اوجھل ہو جاتے ہیں۔ آج کے انسان (بالخصوص امت مسلمہ) کی تو بات نہیں، عالم انسانی کی ہزار ہا سالہ تاریخ اٹھا کر دیکھ لیجئے آپ کو کوئی ایک فرد/شخصیت بھی ایسی نہیں ملے گی جس کی زندگی کا یہ پہلو آپ ﷺ کی زندگی سے بہتر تو بہت دور کی بات میل بھی کھاتا ہو! ـــــ ملاحظہ کریں رسول اللہ ﷺ کی زندگی کے آخری دور سے اسوۂ حسنہ کے چند خوشنما پھول!

☆...... فتح مکہ کا موقع ہے، تمام عرب بالخصوص کفار و مشرکین مکہ کے تمام بڑے زندہ سردار جمع ہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مرتبین سیرت النبی ﷺ نے اس کی جو تصویر کشی کی ہے، اس سے براہ راست ہم اپنے مشام جان کو تازہ کریں تا کہ انسانیت جو آج اپنی ہی قہرمانیوں کا شکار ہے، اسے سکھ چین اور سکون میسر آئے۔ فتح مکہ کے موقع پر جو خطبہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، اس کا خطاب صرف اہل مکہ سے ہی نہیں تھا بلکہ تمام عالم انسانیت سے تھا ـــــ صاحبانِ سیرت النبی ﷺ نے لکھا کہ ''خطبہ کے بعد آپ ﷺ نے مجمع کی طرف دیکھا تو جبارانِ قریش سامنے تھے۔ ان میں وہ حوصلہ مند بھی تھے جو اسلام کے مٹانے میں سب سے پیش رو تھے، وہ بھی تھے جن کی زبانیں رسول اللہ ﷺ پر گالیوں کے بادل برسایا کرتی تھیں، وہ بھی تھے جن کی تیغ وسنان نے پیکر قدس ﷺ کے ساتھ گستاخیاں کی تھیں، وہ بھی تھے جنہوں نے آنحضرت ﷺ کے راستے میں کانٹے بچھائے تھے، وہ بھی تھے جو وعظ کے وقت آنحضرت ﷺ کی ایڑیوں کو لہولہان کر دیا کرتے تھے، وہ بھی تھے جن کی تشنہ لبی خونِ نبوت ﷺ کے سوا کسی چیز سے بجھ نہیں سکتی تھی، وہ بھی تھے جن کے حملوں کا سیلاب مدینہ کی دیواروں سے آ کر ٹکراتا تھا، وہ بھی تھے جو مسلمانوں کو جلتی ہوئی ریگ پر لٹا کر ان کے سینوں پر آتشیں مہریں لگایا کرتے تھے''

ـــــ ''رحمت عالم ﷺ نے ان کی طرف دیکھا اور خوف انگیز لہجہ میں پوچھا تم کو کچھ معلوم ہے میں تم سے کیا معاملہ کرنے والا ہوں؟'' ـــــ یہ لوگ اگرچہ ظالم تھے، شقی تھے، بے رحم تھے لیکن مزاج شناس تھے، پکار اٹھے کہ

''تو شریف بھائی ہے اور شریف برادر زادہ ہے''!

ارشاد ہوا ''تم پر کچھ الزام نہیں، جاؤ تم سب آزاد ہو''

متروکات نبوی ﷺ

ہجرت کے بعد کفار مکہ نے تمام مہاجرین کے مکانات پر قبضہ کر لیا تھا۔ اب وہ وقت

تھا کہ ان کو ان کے حقوق دلائے جاتے لیکن آپ ﷺ نے مہاجرین کو حکم دیا کہ وہ بھی اپنی مملوکات سے دستبردار ہو جائیں ـــــ اور اس جود وسخا کا اعلیٰ ترین نمونہ یوں چھوڑا۔

''مکہ میں آپ ﷺ کے والد کا ایک مکان تھا جس پر حضور ﷺ کے چچازاد بھائی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حقیقی بھائی (عقیل) نے قبضہ کر لیا تھا جب کہ وہ مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ چنانچہ فتح مکہ کے موقعہ پر جب آپ ﷺ مکہ تشریف لائے تو لوگوں نے پوچھا کہ یارسول اللہ ﷺ آپ ﷺ کہاں قیام فرمائیں گے؟ کیا اپنے دولت خانے پر ٹھہریں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''عقیل نے ہمارے لیے گھر کہاں چھوڑا''؟

آپ ﷺ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ''ہم انبیاء کا کوئی وارث نہیں ہوتا جو چھوڑا عام مسلمانوں کا حق ہے'' ابوداؤد کی روایت ہے کہ ''آنحضرت ﷺ نے نہ دینار چھوڑا نہ درہم، نہ اونٹ، نہ بکری'' ـــــ متروکات میں کچھ زمین، سواری کے جانور اور ہتھیار تھے۔

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس وہ کپڑے تھے جن میں آپ ﷺ نے انتقال فرمایا تھا۔ استحقاقِ خلافت کی بناء پر خاتم (مہر) اور عصائے مبارک، پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قبضے میں آئیں لیکن ان ہی کے عہد میں یہ دونوں چیزیں ضائع ہو گئیں۔ انگوٹھی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے ایک کنویں میں گر گئی اور عصائے مبارک کو جہجاہ غفاری نے توڑ ڈالا''

رخصت اے کار جہاں:

سیرت النبی ﷺ میں سید سلیمان ندوی نے لکھا کہ مرض الموت میں شدید کمزوری کی بناء پر ''ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن سے اجازت لی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر قیام فرمائیں، خلق عمیم کی بنا پر اجازت بھی صاف اور اعلانیہ نہیں طلب کی بلکہ پوچھا کہ کل میں کس کے گھر رہوں گا۔ دوسرا دن (دوشنبہ) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے یہاں قیام فرمانے کا تھا۔ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے مرضیٔ مبارک سمجھ کر عرض کی کہ آپ ﷺ جہاں چاہیں

قیام فرمائیں۔'' ضعف اس قدر ہو گیا تھا کہ چلا نہیں جا تا تھا، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ دونوں بازو تھام کر بمشکل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں لائے'' یہاں مصنّفین نے صحیح بخاری کے حوالے سے یہ صراحت بھی کی ہے کہ آنحضرت ﷺ کی طرف سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اجازت طلب کی تھی۔

مرض الموت کے عالم میں کرب کی شدت میں چادر کبھی منہ پر ڈال لیتے تھے اور کبھی گرمی سے گھبرا کر الٹ دیتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے زبانِ مبارک سے یہ الفاظ سنے ''یہود و نصاریٰ پر خدا کی لعنت ہو، انہوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو عبادت گاہ بنا لیا'' ____ ''اسی کرب و بے چینی میں یاد آیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس کچھ اشرفیاں رکھوائی تھیں، دریافت فرمایا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا وہ اشرفیاں کہاں ہیں؟ محمد ﷺ خدا سے بدگمان ہو کر ملے گا! جاؤ ان کو خدا کی راہ میں خیرات کر دو۔''

تمہیں تدفین کا حوصلہ کیونکر ہوا؟

محبوب انس و جاں ﷺ کو لحد اطہر میں دفنا کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم گھروں کو لوٹ رہے تھے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ (جو کم و بیش دس سال حضور اکرم ﷺ کے خادم رہے تھے) حجرہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس سے گزرے تو غمزدہ سیّدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا نے آہٹ پا کر دریافت کیا کہ کون ہے؟ جواب ملا آپ کے پدرِ بزرگوار کا خادم انس ہے، سیّدہ فاطمہ الزہرہ رضی اللہ عنہا نے روکر ایک عجیب سوال کیا جس پر لاکھوں مرثیے قربان فرمایا کہ ''اے انس! تمہارے دلوں نے رسول اللہ ﷺ کی تدفین کو کیسے گوارا کر لیا کہ اُن کے جسم اطہر پر مٹی ڈال کر واپس آ گئے ہو۔

جس کو ہمیشہ رکھا گُل کی طرح تھا تم نے
مٹی میں اپنے ہاتھوں آئے اُتار کیسے

شاہ محمد جعفر پھلواری (پیغمبر انسانیتؐ)

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔

خاکِ یثرب از دو عالم خوشتر است
اے خنک شہرے کہ آنجا دلبر است!

''یثرب (مدینہ) کی خاک تمام جہانوں سے زیادہ دلپذیر ہے اے امن و اطمینان کے گہوارے کہ وہاں دلبر ﷺ محوخواب ہیں!''

کتابیات (REFRENCES)

☆ ابوالاعلیٰ مودودیؒ سید (مولانا) تفہیم القرآن جلد سوم ()
ترجمان القرآن لاہور

☆ ابوالاعلیٰ مودودیؒ سید (مولانا) ۱۹۹۸، پردہ اور مسلمان عورت۔
اسلامک پبلی کیشنز لاہور

☆ ابوالاعلیٰ مودودی سید (مولانا) ۱۹۷۹، سیرتِ سرور عالم۔
ادارہ ترجمان القرآن لاہور

☆ ابوالاعلیٰ مودودیؒ سید (مولانا) تعلیمات۔ اسلامک پبلی کیشنز لاہور

☆ ابوالحسن علی ندوی (سید) ۱۹۸۰ نبیٔ رحمت ﷺ (جدید ایڈیشن)
مجلس نشریات اسلام، کراچی

☆ اوریا مقبول جان ۲۰۰۶، میٹھا زہر۔
روزنامہ نوائے وقت راولپنڈی ۲ جون

☆ انیس احمد (پروفیسر ڈاکٹر) ۲۰۱۲ جنسی تعلیم اسلامی اقدار کے تناظر میں۔
ماہنامہ عالمی ترجمان القرآن جون

☆ انصار عباسی ۲۰۱۲ ہماری غلامانہ ذہنیت اور بے حیائی
ماہنامہ عالمی ترجمان القرآن جولائی

☆ ثریا بتول علوی (پروفیسر) ۲۰۰۰ جدید تحریک نسواں اور اسلام۔ منشورات لاہور

☆ تہمینہ درانی ۱۹۹۹ مینڈ اسائیں

ویگارڈ بکس (پرائیویٹ) لمیٹڈ لاہور

☆ ریاض اختر ۲۰۰۸ النساء فی القرآن،
قرآن کریم میں خواتین کا تذکرہ۔ کلاسیک لاہور

☆ وکیل انجم پاکستان کے فرعون

☆ شبلی نعمانی (مولانا) ۱۳۶۴ھ سیرت النبیؐ جلد اول/ دوم

اور

سید سلیمان ندوی (مولانا) ناشرانِ قرآن لاہور

☆ سید سلیمان ندوی ۱۹۰۹

☆ شاہ معین الدین ندوی ۱۹۵۴ تاریخ اسلام (جلد اوّل/ دوم)
مکتبہ خلیل، اردو بازار لاہور

☆ عبدالرحمن عبد (پروفیسر) آنحضورؐ کے نقش قدم پر حرم نبویؐ (جلد اوّل)
آنحضورؐ کے نقش قدم پر حرم مدینہ، جلد دوم جنگ پبلشرز، لاہور

☆ عبدالرحمن عبد (پروفیسر) آنحضورؐ کے نقش قدم پر حرمِ عرفات (جلد چہارم)
جنگ پبلشرز، لاہور

☆ امتیاز احمد ۲۰۱۶ ماہتابِ عالمؐ (سیرت نبیؐ رحمت)
مقیم مدینہ منورہ، سعودی عرب

☆ عبدالقیوم (لیفٹیننٹ جنرل ریٹائرڈ) ۲۰۱۲، مضمون مومن کا زیور۔ حیا۔
روزنامہ نوائے وقت راولپنڈی، مئی

☆ عبدالقادر جیلانی (ڈاکٹر) ۲۰۰۰، اسلام اور پیغمبر اسلامؐ، مستشرقین کی نظر میں
(اردو) پی ایچ ڈی مقالہ، کراچی یونیورسٹی کراچی
مطبوعہ بیت الحکمت، لاہور

☆ غلام اکبر خان ۲۰۱۱، مضمون ''حملہ ہو چکا ہے'' روزنامہ نوائے وقت

راولپنڈی مورخہ ۳۰

☆ صفی الرحمن مبارکپوری (مولانا) ۱۹۷۶ الرحیق المختوم، المکتبۃ السّلفیہ، لاہور

☆ مائل خیرآبادی ۲۰۱۵ سیرت حضرت خدیجہؓ

☆ نعیم صدیقی ۱۹۷۸ محسن انسانیت، اسلامک پبلی کیشنز، شاہ عالم مارکیٹ لاہور

☆ محمد آفتاب خان (ڈاکٹر) ۱۹۹۰ قرآن حکیم اور علم الجنین، ادارہ مطبوعات سلیمانی، اردو بازار لاہور

☆ محمد آفتاب خان (ڈاکٹر) ۲۰۱۰ تعمیر پاکستان، ادارہ مطبوعات سلیمانی، لاہور

☆ محمد آفتاب خان (ڈاکٹر) تفسیر وحدیث کا ارتقاء......گذشتہ چودہ صدیوں میں

مولانا عبدالحکیم اکبری (ڈاکٹر) ۲۰۱۲ء ادبیات، غزنی سٹریٹ رحمان مارکیٹ، اردو بازار لاہور

☆ محمد آفتاب خان (ڈاکٹر)/ ریاض اختر ۲۰۱۲ء جنسی بے راہ روی: ایک چیلنج ماہنامہ عالمی ترجمان القرآن دسمبر ۲۰۱۲

☆ محمد آفتاب خان (ڈاکٹر) ۲۰۱۳ اسلام اور جنسیت، ماہ نامہ عالمی ترجمان القرآن جون ۲۰۱۳

☆ محمد آفتاب خان (ڈاکٹر) ۲۰۱۳ مغربی تہذیب اور اخلاقی انحطاط، ماہنامہ عالمی ترجمان القرآن، دسمبر ۲۰۱۳

☆ محمد آفتاب خان (ڈاکٹر)/محمد احسن (ڈاکٹر) ۲۰۱۴ جنسی تعلیم: قرآنی تعلیمات کے تناظر میں ادبیات اردو بازار لاہور

☆ محمد آفتاب خان (ڈاکٹر)/ اسماء آفتاب (ڈاکٹر) ۲۰۱۷ اکیسویں صدی میں پاکستان کے تعلیمی تقاضے......فکر اقبال کی روشنی میں

الفتح پبلی کیشنز راولپنڈی
☆ محمد آفتاب خان (ڈاکٹر) ۲۰۱۶ جنسی تعلیم: مسلم والدین کو درپیش مسائل اوران کا حل
ادارہ مطبوعات سلیمانی، اردو بازار لاہور
☆ محمد آفتاب خان (ڈاکٹر) ۲۰۱۰ جنس اور جنسیت: اسلامی تناظر میں
نشریات، اردو بازار لاہور

English Refrences

* Anon (1991)- Sex Education in School Curriculum. The Religious Perspective ---- An Agreed Statement. The Islamic Academy and Department of Education. University of Cambridge, UK.
* Bertrand Russell, 1970. Marriage and Morals. New York
* Ellis Alber, 1962. The American Sexual Tragedy. A Black Cat Book, Groveless Inc. New York.
* Gilder G.F. 1975. Sexual Suidide. Banton Books, New York.
* Havelock, Ellis 1937. Studies in the Psychology of sex. Vol-I. Random House, New York.
* Havelock, Ellis 1937. Studies in the Psychology of sex. Vol-II. Random House, New York.
* Jabal Muhammad, Buaben 1996. Image of the Prophet Muhammad in the west, A study of Muir, Margolioguth and WATT. The Islamic Foundtion, Leicester, U.K.
* Jerom and J. Rainer, 1969. Sexual Pleasure in marriage. A Panther Book.
* Kinsey, A; W.B. Pomeroy; and C.E. Martin, 1953a. Sexual Bahavior in the Human Male Philadilphia USA Company.
* Khan, M.A., G.H. Rasool., S.A. Mabud and M. Ahsan, Sexuality Education from An Islamic

Perspective (2020) Cambridge Scholars Publishing U.K.

* Khan, Muhmmad Aftab and A.H. Siddiqui (1989). 'Revelations in the Quran about the Process of Reproduction', S&T in the Islamic World, Vol.7-4, Oct-Dec. pp.11-28.
* Master, W.H, and V.E. Johnson, Human Sexual Respons Bantom Books, New York, USA. (1966)
* Robert Chartham 1969. Sex for advanced lovers a Sigment Book From New American Library, New York.
* Wait, L.J and M. Gallgher 1999. The Case For Marriage Among Perks.